بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورالمصابیح

حصہ ہفتم (7)

ترجمہ زجاجۃ المصابیح، جلد سوم (3)

کِتَابُ الْقِصَاصِ تا بَابُ الْفَئِ

حدیث نمبر: 4686 تا 5399

مؤلفہ

حقائق آ گاہ، معارف دستگاہ، فخر العلماء والمحدثین، واقف رموز شریعت ودین

ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ

......۱۲۹۲ھ............۱۳۸۴ھ......

مترجم

عمدۃ المحدثین حضرت علامہ مولانا محمد خواجہ شریف صاحب دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ وناظم مرکز تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

ناشر

دکن ٹریڈرس بکسیلر

اینڈ پبلیشرز، مغلپورہ حیدرآباد

Phone :040-24521777

66710230,66490230

زیر اہتمام

ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر

تاڑبن، x روڈ، حیدرآباد، انڈیا، 500064

040-24469996.

Zia.islamic@yahoo.co.in

www.ziaislamic.com

نام کتاب : نور المصابیح، جلد: ہفتم (7)

ترجمہ ''زجاجة المصابيح'' جلد سوم (3)

موضوع : حدیث وفقہ

مؤلف : حقائق آ گاہ، معارف دستگاہ، فخر العلماء والمحدثین، واقف رموز شریعت ودین محدث دکن ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : عمدۃ المحدثین حضرت علامہ مولانا محمد خواجہ شریف دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ وناظم مرکز تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

زیراہتمام : ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، تاڑبن، x، روڈ، حیدرآباد

ناشر : دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز۔ مغلپورہ، حیدرآباد

پروف ریڈنگ : مولانا محمد محی الدین انور نقشبندی قادری، ایم۔اے عثمانیہ

تعداد : ایک ہزار (1000)

سن اشاعت : 1438ھ، م2017ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللّٰهَ.

ترجمہ: جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
(4۔سورة النساء:80)

وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهَاكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ.

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم عطا فرمائیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رُک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔
(59۔سورة الحشر:7)

أَمَّا بَعۡدُ! فَإِنَّ خَيۡرَ الۡحَدِيۡثِ كِتَابُ اللّٰهِ،
وَخَيۡرَ الۡهَدۡيِ هَدۡىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا: واضح رہے کہ سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن کریم) ہے، اور سب سے بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔
(صحيح مسلم، حديث نمبر:2042۔زجاجة المصابيح، حديث نمبر:145)

بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست
سنت و سیرت صحابہ کو — ڈھونڈو اور بدعتوں سے ہو بیزار

فہرست مضامین نورالمصابیح، حصہ ہفتم (7)

ترجمہ زجاجۃ المصابیح، جلد: سوم (3)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مسرت مزید

خدا را در الوہیت احد خواں
نبی را در عبودیّت یکے داں
(اللہ تعالی کو اُلُوہیت(معبود ہونے میں)ایک مان
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شانِ عبدیت میں یکتا جان)
محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز برپئے مصطفیٰ
(سعدی! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے بغیر
قرب وباطن کا راستہ طے کرنا محال ہے)
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلَی النَّبِیِّ الۡكَرِیۡمِ وَآلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ.

چشم ماروشن ودل ماشاد

الحمدللہ! فخر العلماء والمحدثین واقف رموز شریعت و دین حضرت مولانا و مرشدنا الحاج ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی و قادری رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الاراءتالیف ''زجاجة المصابيح '' کااردوترجمہ''نورالمصابیح'' زیورطبع سے آراستہ ہوکرشائقین فن حدیث ومقلدین فقہ متین کے لئے شائع ہوچکی ہے۔ کتاب کی افادیت واہمیت علماءکرام وواقفین فن حدیث وفقہ نے بیک زباں تسلیم

فرمائی ہے۔ اوراس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت علام رحمۃ اللہ علیہ نے زجاجہ بزبان عربی تالیف فرمائی اردوداں طبقہ کے استفادہ کی غرض سے اس کا اردو ترجمہ کیا جارہا ہے۔

اس ترجمہ میں بھی مولانا محمد خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث نے متن کے ساتھ ساتھ حاشیہ کا بھی ترجمہ فرمایا ہے۔ جونہایت سلیس و بامحاورہ ہےاور خاص طور پراس بات کا خیال رکھا ہے کہ ہرلفظ کا ترجمہ ہوکوئی لفظ چھوٹنے نہ پائے۔ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے متن میں ہر باب کے تحت متعلقہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو کہ فقہ حنفی کی مؤید ہیں۔ متن میں حنفی مسلک کی تائید میں ٹھوس دلائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ پہلے قرآن کریم کی تائیدی آیات اوراس کے بعد احادیث صحیحہ اوراقوال سلف کودرج کیا گیا ہے۔

آیات کی تشریح میں احادیث شریفہ اورآثار صحابہ اوراجماع وقیاس کے ذریعہ مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ مزید برآں مسلک حنفی کی تائید میں علماء راسخین وکتب احناف سے مدد لی گئی ہے۔ ونیز اکثر مسائل میں ائمہ دیگر کے مسائل سے تقابل کیا جاکر فقہ حنفی کی خوبیوں کواجاگر کیا گیا۔ اس طرح یہ تقابلی مطالعہ کا بہتر ذریعہ بھی ہے۔ فن حدیث ایک بے پایاں سمندر ہے، کسی حدیث پر عمل کرنا مشکل اس لئے ہے کہ اس کی معارض حدیث سے واقفیت ماوشما کے بس سے باہر ہے۔ اسی لئے فقہ کی ضرورت دامن گیر ہوئی۔ حضرات ائمہ اربعہ کی تقلید سے مَفَرُ اختیار کریں تو کسی دوسرے عالم سے مسئلہ میں رجوع کئے بغیر چارہ نہیں۔

اسلام میں اور مسلمانوں کے لئے کلام الٰہی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی حجت ہیں اور شرع اسلام کی اساس ان ہی دو عظیم ستونوں پر قائم ہے۔ زجاجۃ المصابیح حضرت ابوالحسنات علیہ الرحمہ نے فقہ حنفی کی تائید اور اس کے جملہ مسائل کو یکجا کرنے کے لئے تالیف فرمائی۔

کتاب چونکہ زبان عربی میں ہے۔ اردوں داں طبقہ کے لئے اس کے ترجمہ کا کام فاضل مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی ہی میں شروع کیا گیا تھا۔ بعد میں حضرت شیخ الحدیث (جامعہ نظامیہ) مولانا خواجہ شریف صاحب نے اس اہم علمی کام کا بیڑہ اٹھایا، جس کے لئے **ایک ترجمہ کمیٹی تشکیل دی گئی:**

1۔مولانا حافظ محمد عبداللہ قریشی صاحب نائب شیخ الجامعہ نظامیہ وخطیب مکہ مسجد

2۔مولانا محمد خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ

3 مولانا ڈاکٹر سید جہانگیر صاحب مولوی کامل، ایم۔اے، پی ایچ ڈی، ریڈر شعبہ عربی سیفل۔

4۔مولانا سید ضیاء الدین صاحب مولوی کامل، نائب شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ

معاونین:

مولوی محمد فاروق حسین صاحب کامل الحدیث جامعہ نظامیہ

مولوی محمد قاسم صدیقی مولوی کامل، استاذ جامعہ نظامیہ

مولوی لطیف احمد مولوی کامل، استاذ جامعہ نظامیہ

مولوی غلام محمد اشرفی صاحب کامل جامعہ نظامیہ

مولوی حافظ محمد حنیف متعلم فاضل اول جامعہ نظامیہ

مولوی حافظ محمد امین الدین متعلم فاضل اول جامعہ نظامیہ

مولوی حافظ محمد شرف الدین متعلم فاضل اول جامعہ نظامیہ

اللہ تعالی علمی تعاون فرمانے والے سبھوں کو اور ہر معاون و کارکن کو جزائے خیر اپنے لطف سے عطا فرمائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔

جلد گذشتہ کی طرح اس جلد کے ترجمہ کا کام اور طباعت وغیرہ میں محمد تاج الدین شوکت صدیقی نے نہایت سرگرم حصہ لیا۔

اس کریم کی بارگاہ میں عرض پرداز ہوں جس نے اپنے نفس پر رحمت کو غالب فرمایا ہے۔﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (6۔سورۃ الانعام، آیت نمبر:54) کہ وہ اس کام میں اپنے کرم سے آسانی پیدا فرمائے اور معاونین و کارپردازوں کو بہترین اجر دین و دنیا میں عطا فرمائے۔

اگر بادشاہ بر در پیر زن

بیائد تو اے خواجہ علّت مکن

(اگر بادشاہ بھی کسی پیر(بزرگ)کے در پر آجائے

تو پیر کو چاہئے کہ اسے اپنے فیض سے محروم نہ کرے)

اور ترجمہ کو قبولیت عامہ نصیب فرمائے۔

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ آمین۔ ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (اللہ جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت پر رکھتا ہے)۔ (42۔سورۃ الشوری، آیت نمبر:13)

شرح دستخط نیاز کیش

ابوالخیرات

(حضرت تقدس مآب ابوالخیرات سید انوار اللہ شاہ نقشبندی مجددی وقادری مدظلہ جانشین حضرت محدث دکن)

المرقوم: 14/ربیع الثانی 1424ھ

15-06-2003 م

حسینی علم، حیدرآباد، دکن

حضرت ابوالخیرات رحمۃ اللہ علیہ کے یہ مبارک کلمات ''مسرت مزید'' نورالمصابیح جلد 10 تا 12 (طبع اول) سے ہیں، ابواب کی ترتیب کے لحاظ سے قدرے تقدیم وتاخیر انہیں یکجا یہاں درج کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عرض مترجم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الۡاَنۡبِيَاءِ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ، وَ عَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاهِرِيۡنَ، وَاَصۡحَابِهِ الۡاَكۡرَمِيۡنَ الۡاَفۡضَلِيۡنَ، وَالتَّابِعِيۡنَ لَهُمۡ بِاِحۡسَانٍ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ .

اَمَّا بَعۡدُ!

اللہ تعالی کے فضل و کرم سے' مؤلف علامہ، محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ونبیرہ محترم سیدی مولانا حضرت سید انوار اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ کی تالیف مستطاب زجاجۃ المصابیح کی احادیث شریفہ علی صاحبہا وآلہ الصلاۃ والسلام کے متن اور حاشیہ کا ترجمہ شروع کیا گیا تھا۔ ترجمہ میں متن کے ہر لفظ کی رعایت رکھنے کی کوشش کی گئی اوراس کے ساتھ یہ بھی کہ ترجمہ بامحاورہ اور معنی خیز ہو۔ یہ کام اللہ کے لئے ہے تاکہ اس سے عامۃ المسلمین اور طالبان حق کو فائدہ ہو۔

فی الحقیقت حدیث شریف کی یہ مبارک کتاب تمام عالم اسلام اور خصوصاً حضرات احناف کے لئے اللہ تعالی کی بہت عظیم نعمت ہے اور مؤلف بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا احسان ہے۔اللہ تعالی آپ کو اس کی بہترین جزاء عطاء فرمائے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں مذہب حنفی کے دلائل و براہین اور بینات کو قرآن مجید اور

احادیث شریفہ علی صاحبھا والہ الصلاۃ والسلام سے جمع کردیا ہے۔ اور مشکٰوۃ شریف کے اسلوب کے مطابق ابواب کو قائم فرمایا۔ اور ہر باب میں اس سے کلی مطابقت رکھنے والی حدیث شریف کو مقدم کیا، اگرچیکہ وہ کسی بھی کتاب سنن وجامع میں ہو۔ بعض ابواب میں کتاب الآثار کی روایت کو بطور اصل مقدم کیا۔ مسائل کی تمام احادیث درجہ صحت وحسن سے کم نہیں ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں ضعف، تو وہ سند اور رواۃ کی عدالت وضبط میں کسی طعن کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بُعدِ زمانہ کے ساتھ بڑھتا گیا۔ لیکن ائمہ مجتہدین بالخصوص امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دور خیر القرون ہے۔ اسی لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مستدل احادیث شریفہ سب صحاح کے مرتبہ میں ہیں۔ اس کتاب کے مؤلف بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی تبحر اور اس کی وسعت ان کے حاشیہ سے ظاہر ہے۔ اور یہ ایک سو پانچ (105) سے زائد مصادر سے ماخوذ ہے۔ بعض مقامات میں اصل عبارت کو نقل کرنے کے بعد آپ اس میں تھوڑا تغیر کر کے معنی کی جو گہرائی پیدا کرتے ہیں یہ آپ پر اللہ تعالی کا خاص فضل ہے۔

مولف علام محدث دکنؒ نے حاشیہ میں حدیث شریف کے مضامین، فقہ حنفی کے عقلی ونقلی دلائل اور اس کے وجوہ ترجیح کو اس قدر وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس سے فقہ حنفی کا قرآن وحدیث کا خلاصہ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اور اس کی مہک سے فضاء معطر ہے۔

مؤلفِ علام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''یہ کتاب حضور سید المرسلین علیہ و آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت سے تالیف ہوئی ہے''۔ اس کی ہر جلد ہماری ایک ایک ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اس کتاب مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، اجتماعی، انفرادی اور عائلی و شخصی ہر شعبہ حیات میں اسلام کا نہایت متوازن و مکمل نظام ہے۔ وہ انسان کی ہر وقت ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

اس ترجمہ کی خصوصیات گذشتہ دونوں جلدوں کے مقدمہ میں بتلا دی گئیں ہیں۔ اس میں 1۔ حاشیہ کا مکمل ترجمہ ہے 2۔ ترجمہ آسان اور عام فہم ہے 3۔ جہاں تک ہو سکے ترجمہ میں رعایتِ لفظی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اس کے بعض مضامین جیسے: ''کِتَابُ الْعِتْق'' وغیرہ سے متعلق یہ خیال کہ آج کل اس کی ضرورت اس قدر نہیں رہی ہے، درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ حالاتِ حاضرہ کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے اس کی ضرورت ویسے ہی برقرار ہے۔ آج دنیا میں اسیرانِ جنگ کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے اور ان کو وحشت ناک سزائیں دی جاتی ہیں اس کے برخلاف اسلام ان کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ تم ان کو جس قدر بھی آزاد کرو یہ تمہارے لئے اجر و ثواب کا باعث ہے اگر تم ان کو رکھنا چاہتے ہو تو پھر یہ تمہارے بھائی ہیں۔ ''إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ ، وَلاَ تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ ''(صحيح البخاری، کتاب الایمان، باب

المعاصی من امر الجاھلیة، حدیث نمبر: 30) تم جو کھاتے ہو، جو پیتے ہواور جو پہنتے ہو، ان کو بھی وہی کھلاؤ، وہی پلاؤ، وہی پہناؤ اوران کی طاقت سے بڑھ کر ان سے کام مت لو۔ اگران پر کوئی بوجھ ڈالو تو ان کی مدد بھی کرو۔

غلامی کی بس یہی حقیقت ہے اوراس کے ساتھ موقعہ بہ موقعہ آزاد کردینے کی تاکید ہے۔ لفظ ''عتق'' (آزاد کردینا (حقوق انسانیت اوراحترام انسانیت کا کس قدر پاسبان ہے! آج دنیا کواسلام کے نظام عتق کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ یہ ایک مستقل عنوان ہے۔

نیز اس میں جہاد سے متعلق مضامین بھی ہیں۔ ''جہاد'' کے معنی بعض حضرات لڑائی اور جنگ سمجھتے ہیں حالانکہ جہاد لڑائی کے معنوں میں نہیں ہے بلکہ یہ دعوت و ارشاد ہے اور قتال یعنی لڑائی اس کا ایک شعبہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیات میں جہاد کے حکم میں مال خرچ کرنے کو مقدم کیا گیا ''وَ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' تم اپنے مال اوراپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ (9۔سورہ توبہ، آیت نمبر: 41) چنانچہ اس جلد کے ''**القتال فی الجهاد**'' (جہاد میں لڑنا) کے عنوان سے ظاہر ہے کہ جہاد صرف قتال نہیں ہے بلکہ قتال' جہاد کا ایک حصہ ہے اسی لئے علماء کرام نے جہاد کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(1) نفس سے جہاد　(2) شیطان سے جہاد　(3) دشمنوں سے جہاد

اوران میں جہادِ نفس کو مقدم رکھا گیا ہے اور جنگ اورلڑائی کو تیسری اور آخری قسم قرار دیا گیا ہے کیونکہ لڑائی ہمیشہ دشمن سے ہوتی ہے اورسب سے بڑا دشمن

نفس ہے، یہ انسان کے اندر رہتا ہے۔اور انسان کو ہر موڑ پر شکست دینا چاہتا ہے۔ ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ﴾ (نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے)(12۔سورۃ یوسف، آیت نمبر:53) حتی کہ میدانِ کارزار اور معرکہ آرائی میں نظر آنے والی کامیابی بھی اس کہ وجہ سے ناکامی میں بدل جاتی ہے، انسان کی دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے، انسان شکست کھا کر خاموش بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ نفس امارہ ہمیشہ کا دشمن ہے شکست کھا کر خاموش نہیں ہوتا۔ بلکہ علی مدار الساعہ انسان کے ساتھ دشمنی میں لگا رہتا ہے۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک سخت جنگ سے واپس ہو رہے تھے فرمائے ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ'' (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں)۔ظاہر ہے یہ نفس سے جہاد ہے پھر اس کے بعد اس کا ساتھی شیطان ہے ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ (بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم اس کو دشمن بنائے رکھو)(سورہ فاطر، آیت نمبر:6) اس سے جہاد کرنا ہے۔اسلامی تعلیمات میں انسانی دشمن سے لڑائی کے مقابلہ میں نفس اور شیطان سے جہاد اور ان سے لڑائی کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔انسانی دشمنوں سے لڑائی موقتی ہے اور یہ جانوں کی سلامتی کے لئے لڑی جاتی ہے مگر نفس و شیطان سے لڑائی ایمان کی سلامتی کے لئے لڑی جاتی ہے ہر حالت میں یہ بڑی لڑائی ہے۔مسلمان سب سے پہلے اپنے نفس اور شیطان سے جہاد کرتا ہے۔صوفیہ کرام کے پاس تو جہاد اسی معنی میں ہے۔کتبِ تفاسیر اور احادیث میں اس کی تفصیلات صفحات کے صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

اب رہا جہاد میں لڑائی کا معاملہ اور اس پر اس کے طریقِ عمل اور مقصد کے اعتبار سے اس پر نہایت سخت شرطیں اور پابندیاں لگائی گئیں ہیں۔

(1) جنگ مسلمان بنانے کے لئے نہیں ہوگی۔ اس کے لئے اللہ کے راستہ کی طرف حکمت وموعظت سے بلانے کا حکم ہے ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (16۔سورۃ النحل، آیت نمبر:125)

(2) یہ جنگ دفع فتنہ کے لئے ہے۔ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (ان سے لڑو تا کہ فتنہ نہ رہے) (8۔سورۃ الانفال، آیت نمبر:39)

(3) جنگ میں امیر کا ہونا ضروری ہے۔

(4) سب سے پہلے صلح کی کوششیں کی جائیں۔ ﴿وَالصُّلْحُ خَیْرٌ﴾ (4۔سورۃ النساء، آیت نمبر:128) (اور صلح بہتر ہے)۔

(5) اہلِ معاہدہ سے جنگ نہیں ہوگی۔ معاہدہ کو توڑا نہ جائے گا۔

(6) جنگ سب سے آخری صورت ہے۔

(7) جنگ میں بوڑھوں کو نہیں مارا جائیگا۔

(8) جنگ میں عورتوں کو نہیں مارا جائیگا۔

(9) جنگ میں بچوں کو نہیں مارا جائیگا۔

(10) جنگ میں بیماروں کو نہیں مارا جائیگا۔

(11) جنگ میں معذوروں کو نہیں مارا جائیگا۔

(12) جنگ میں گرجا گھروں اور مندروں وغیرہ میں رہنے والوں کو نہیں مارا جائیگا۔

(13) جنگ میں مثلہ نہیں کیا جائیگا یعنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ وغیرہ نہیں کاٹے جائینگے۔

(14) جنگ میں بلاضرورت آگ نہیں لگائی جائے گی۔

(15) جنگ میں بلاضرورت درختوں اور کھیتوں کو نہیں کاٹا جائے گا۔

(16) عین لڑائی میں بھی مرد عورت یا کوئی بھی مسلمان دشمن کو پناہ دے تو سب پر اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔

(17) جنگ میں نسل کشی نہیں کی جائیگی

(18) جنگ میں آبادیوں پر حملہ نہیں کیا جائیگا۔

(19) جنگ میں ان ہی لوگوں کو مارا جائے گا جو جنگ میں آئے ہیں۔

(20) جنگ میں جن کو زبردستی لایا گیا ہے ان کو نہیں مارا جائے گا۔

اس سے اور جنگ کے لئے اس جیسے اور سخت شرائط سے ظاہر ہے کہ جہاد قتل وخون ریزی نہیں ہے کہ ایک مقدس پاکیزہ اصطلاح ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو قتل کرنے کی ہر آیت اور حدیث میدانِ جنگ سے متعلق ہے۔ بعض لوگ دانستہ یا نادانستہ اس کو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسلام کافروں کو مارنے کا حکم دے رہا ہے۔ یہ بالکل درست نہیں۔ قتل کا حکم صرف میدانِ جنگ سے متعلق ہے اس کو عام حالات سے جوڑنا ناواقفیت ہے۔ میدانِ

جنگ کا یہ نظام دنیا کی ہر قوم کا دستور ہے۔

اس جلد میں روز مرہ زندگی کے نہایت اہم مضامین سے متعلق احادیث شریفہ، اس کی تشریحات اور متعلقہ مسائل ہیں۔

اس کے بعد کے مضامین میں ''صلح'' کا بیان ہے۔آج دنیا جنگ کی طرف جارہی ہے اور اسلام کا نعرہ ہے: ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' (4۔سورۃ النساء، آیت نمبر:128) لوگو! جنگ نہیں صلح بہتر ہے۔اس عنوان کی اہمیت موجودہ دور میں ہر گزرے ہوئے زمانہ سے زیادہ ہے۔

اور اس کے ترجمہ میں جن امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے جلد ششم (**کتاب العتق**) کے آغاز میں اس کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔

اس جلد کے ترجمہ میں ہمارے ساتھ جامعہ نظامیہ کے اساتذہ کرام میں سے مولانا سید ضیاء الدین صاحب، مولانا محمد قاسم صدیقی صاحب، مولانا لطیف احمد صاحب کے علاوہ جماعت کامل کے طلبہ میں سے عزیز القدر مولوی محمد حنیف صاحب، مولوی شرف الدین صاحب اور مولوی امین الدین صاحب کا تعاون حاصل رہا۔

اور اس جلد کے ترجمہ کے موقعہ پر اساتذہ کرام اور طلباء میں سے جنہوں نے شب و روز مساعدت کی ہے اللہ تعالی ان کی سعی مشکور کرے۔اور جو اہلِ صلاح اس کام میں معاون رہے، ان سب کو جزاءِ خیر دے۔اور اس ترجمہ کو کتاب کی طرح

مقبول اور مفید بنائے اور میزانِ حسنات میں اس کو شامل کرے۔ اور ہم کو مابقی اجزاء کے ترجمہ کے تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی وَسَلَّمَ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

محمد خواجہ شریف

شیخ الحدیث وناظم مرکز تحقیقات الاسلامیہ، جامعہ نظامیہ

ومدیر المعهد الدینی العربی

(15) کِتَابُ الْقِصَاصِ

قصاص کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا فرمان ہے: ''وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ، وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ، وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ، فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ '' (اور ہم نے تورات میں ان (یہودیوں) پر یہ واجب قرار دیا[1] کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔ لیکن جو شخص معاف کردے تو یہ اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ اور جو لوگ اللہ تعالی کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔ (5، سورۃ المائدہ، آیت نمبر: 45)

---

1 :وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ...... الخ (ان پر یہ واجب قرار دیا) جان اور دیگر اعضاء کے قصاص کی بابت یہ جامع آیت ہے۔ اور سورہ بقرہ میں جو آیت گزری ہے وہ صرف جان کے قصاص کے بارے میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے اللہ تعالی نے اس بارے میں جو شریعت نازل فرمائی تھی۔ اس آیت میں اس کی خبر دی جارہی ہے۔ کیونکہ ''عَلَيْهِمْ'' کی ضمیر یہود کی طرف اور ''فِيْهَا'' میں ضمیر تورات کی طرف لوٹتی ہے۔

اس آیت سے استدلال اس طرح سے کیا گیا ہے کہ ہم سے پہلے کی شریعت کے احکام جب اللہ تعالی اور اس کے رسول علیہ والہ الصلوۃ والسلام بغیر نکیر کے ذکر فرمائیں تو وہ ہمارے لئے لازم ہوں گے۔ یعنی جب سابقہ شریعت کے احکام بیان کئے جائیں اور اس پر سکوت اختیار کیا جائے اور اس کو چھوڑنے کا حکم نہ دیا جائے تو یہ احکام ہم پر لازم ہوجاتے ہیں۔ علم اصول میں یہ قاعدہ کلیہ ہے۔

اور یہاں یہی بات ہے۔ کیونکہ تورات میں یہودیوں کو جو حکم دیا گیا تھا کہ نفس کو نفس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا الخ اس کو بیان کیا گیا اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی گئی تو یہ ہم پر لازم ہوجائے گا۔ امام زاہدؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس آیت میں جان کے اور دیگر اعضاء کے قصاص سے متعلق احکام ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ''اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ'' کی آیت ''اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى'' کے لئے ناسخ ہے۔

اس لئے احناف کے پاس آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کرنا اور مرد کو عورت کے بدلے قتل کرنا جائز ہے۔ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى "۔ترجمہ:اے ایمان والو!تم پر(ناحق)قتل کئے جانے والوں کے بارے میں قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا مقرر کردیا گیا ہے۔(2،سورۃ البقرۃ،آیت نمبر:178)

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:" فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ "(اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسا اس نے تم پر کیا ہے)۔(2،سورۃ البقرۃ،آیت نمبر:194)

1/4686۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:جو مسلمان آدمی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی اور اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں گواہی دے تو اس کا خون حلال [2] نہیں سوائے ان تین باتوں کی وجہ سے:(1)کسی جان کے بدلے [3]

---

[2] قولہ: لا یحل دم امرئ مسلم الخ (کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں) حضرت حافظ ابوالحسن علی بن مفضل مصری مالکی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سستی سے نماز چھوڑنے والے کو بشرطیکہ وہ نماز کا انکار نہ کرتا ہو قتل نہیں کیا جائے گا۔احناف کا بھی قول یہی ہے کہ سستی سے عمداً نماز چھوڑنے والا فاسق ہے نماز پڑھنے تک اس کو قید کیا جائے گا کیونکہ جب بندے کے حق کے لئے قید کیا جاسکتا ہے تو حق تعالی کے حق کے لئے بدرجہ اولیٰ قید کیا جانا چاہئے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو خون بہنے تک مارا جائے گا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک نماز کے ترک کرنے کی بناء پر بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بوجہ کفر اس کو قتل کیا جائے گا۔(عمدۃ القاری،درمختار)

[3] قولہ: اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ:۔(جان کے بدلے جان)اس سے مراد قصاص ہے امام اعظم اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالی نے اس حدیث شریف کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ غلام کے بدلے آزاد کو اور ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں (ان کے پاس اس آزاد کو جو غلام کا قاتل اور اس مسلمان کو جو ذمی کا قاتل ہے قتل نہیں کیا جائے گا)اور ہمارے مذہب کی دلیل "وَ كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ" کی آیت ہے اور یہ کہ ارشاد باری تعالی "اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ" سے بظاہر جو مفہوم ہے وہ مراد نہیں ہے۔

خصوصاً جب کہ اس بات پر اتفاق موجود ہے کہ آیت کے ماقبی حصہ "الانثیٰ بالانثیٰ" کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے گا۔(مأخوذ از نیل الاوطار،درمختار،مرقات)

اور صاحبِ درمختار نے کہا ہے کہ ہماری دلیل اللہ تعالی کا ارشاد" اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ "کا مطلق ہونا ہے۔اور یہ اللہ تعالی کے ارشاد:"الحر بالحر "کے لئے ناسخ ہے امام سیوطیؒ نے درمنثور میں نحاس کی روایت کو بیان کیا ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ کسی چیز کے خاص طور پر ذکر کئے جانے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ اگر ایسا ہی مفہوم ہو تو مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہ کیا جانا ضروری ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

جان کو قتل کرنا (2) شادی شدہ زنا کار 4 (3) جو اپنے دین (اسلام) 5 سے نکل جانے والا جماعت مسلمین کو چھوڑ دینے والا۔ (متفق علیہ)

2/4687 ۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت انہیں یمن کی طرف بھیجا یہ فرمایا کہ جو آدمی دینِ اسلام سے مرتد ہو جائے تو اسے دعوت دو (دین کی طرف بلاؤ) پھر اس نے اگر توبہ کرلی تو اس سے اس کو قبول کرلو۔اور اگر توبہ نہ کی تو اس کی گردن ماردو۔اور جو کوئی عورت' اسلام سے پھر جائے تو تم اسے دعوت دو (اسلام کی طرف بلاؤ) پھر وہ توبہ کرلے تو اس کو قبول کرلو اور اگر اس نے انکار کر دیا تو تم اس کو پھر توبہ کی تلقین کرو۔ (معجم طبرانی)

---

4 قولہ والثیّب الزانی (شادی شدہ زانی) ''ثیب'' سے مراد ''المحصن'' شادی شدہ ہے یعنی وہ آزاد مکلّف آدمی جو نکاح صحیح میں ہونے کے باوجود زنا کرے تو امام اس پر رَجَــم کرے گا۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ کسی اور آدمی کو اس حکم کے مقابلہ میں کوئی حق نہیں اب رہا وہ مکلّف جو آزاد ہے اور غیر شادی شدہ ہے، اگر وہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر غلام ہے تو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔ (نیل الاوطار، مرقات)

5 قولہ والمارق لدینہ التارک للجماعۃ (دین سے نکل جانے والا جماعت کو چھوڑنے والا) ''مارق لدینہ'' سے مراد دین سے خارج ہونے والا آدمی ہے اور تارک للجماعۃ مارق کی صفت مؤکدہ ہے۔یعنی جو آدمی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دے اور مرتد ہو کر ان سے نکل جائے اور ارتداد کی بناء ان سے الگ ہو گیا ہو جس کی وجہ سے قولاً، فعلاً، اعتقاداً اسلام کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اگر وہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔اور اس کو مسلمان کا نام دینا اس کی سابقہ حالت کی بناء پر مجازاً ہے۔مرتد آدمی اسلام کی طرف پلٹ کر نہ آئے اور کفر پر مصر رہے تو علماء نے اس کے قتل پر اتفاق کیا ہے۔لیکن مرتدہ عورت کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ اس کو مرتد آدمی کی طرح قرار دیتے ہیں۔اور حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''نھی عن قتل النساء والصبیان'' کہ حضور پاک علیہ والہ الصلوۃ والسلام نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔اور آپؒ اسی حدیث شریف کی بناء پر مرتدہ عورت کو ''والمارق لدینہ'' کے عموم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔اور اس کی تائید میں طبرانیؒ کی وہ حدیث بھی ہے جو آگے آرہی ہے۔ (مرقات، عمدۃ القاری، رحمۃ الامۃ)

3/4688 ۔حضرت ابوامامہ بن سھل بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے (جب باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا) کھڑکی سے جھانک کرفرمایا کہ میں تم کو اللہ تعالی کی قسم دلاتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہے کہ کسی مردِ مسلم کا خون حلال نہیں ہے؛ سوائے تین (3) صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے: (1) احصان کے بعد زنا کرنے (احصان کے معنی آزاد آدمی کا نکاح صحیح میں ہونا ہے) یا (2) اسلام کے بعد کفر اختیار کرنا یا (3) کسی نفس کو ناحق قتل کردینا۔ خدا کی قسم! میں نے نہ کبھی زمانہ جاہلیت میں زنا کا ارتکاب کیا ہے اور نہ زمانہ اسلام میں اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے دین سے نہیں پھرا ہوں اور کسی ایسی جان کو جسے اللہ تعالی نے حرام فرمایا ہے کبھی قتل نہیں کیا۔ پھر تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

4/4689 ۔عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: مسلمان، دین کی وسعت میں رہے گا اگر وہ خونِ حرام نہ کرے۔ (بخاری)

5/4690 ۔حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ مومن تیز رو اور صالح (نیکی میں سبقت کرنے والا) رہتا ہے جب تک کہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے۔ اور جب حرام خون کرلیتا ہے تو اب وہ عاجز ہوجاتا ہے۔ (ابوداؤد)

6/4691 ۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خونِ ناحق کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ (متفق علیہ)

7/4692 ۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: بے شک دنیا کا ختم ہوجانا اللہ تعالی کے پاس ایک مردِ مسلم کے قتل سے آسان ہے۔ (ترمذی، نسائی)۔

8/4693 ۔امام ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو براء بن عازبؓ سے روایت کی ہے)۔

9/4694 ۔حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ اگر آسمان اور زمین والے ایک مردِ مومن کا خون کرنے میں شریک ہوجائیں تو سب کو اللہ تعالی جہنم میں منہ کے بل جھونک دے گا۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی

روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

10/4695 ۔حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ قریب ہے کہ اللہ تعالی اس کو بخش دے، سوائے اس کے جو بحالتِ شرک مر گیا یا جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے۔ 6 (ابوداؤد)

11/4696 ۔امام نسائیؒ نے اس حدیث کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

12/4697 ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو اس طرح لائے گا کہ اس کی پیشانی کے بال اور اس کا سر اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اس کے رگوں سے خون ٹپک رہا ہوگا اور وہ (مقتول) کہے گا: اے میرے رب! اس (قاتل) نے مجھ کو قتل کیا ہے؛ یہاں تک کہ وہ (مقتول) اس (قاتل کو) عرش سے قریب لا کھڑا کردے گا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

13/4698 ۔حضرت جندب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ فلاں شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقتول قیامت کے دن اپنے قاتل کو لائے گا اور کہے گا: پوچھو اس سے! اس نے مجھ کو کیوں قتل کیا ہے؟ تو وہ کہے گا کہ میں نے اس کو فلاں کے اقتدار میں قتل کیا۔ حضرت جندبؓ نے کہا کہ تم اس سے بچو۔ (نسائی)۔

---

6 **و من یقتل مومنا متعمدا** (اور جو کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے) اس گناہ کے معاف نہ ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو مسلمان ہونے کی بناء پر قتل کرنے کا ارادہ کیا ہو یا اس سے مقصود اس گناہ کی شدت کو ظاہر کرنا ہے۔ یا یہ کہ وہ معاف نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے فریق کو راضی کرلے یا یہ کہ اللہ تعالی خود اس کو معاف کردے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ '' بیشک اللہ تعالی اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور (ہاں) اس کے سوا جس کو چاہے گا معاف کردے گا۔ (4 النساء آیت 48)

صاحب تفسیر مظہری نے فرمایا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کوئی اس کے (مسلمان کے) خون کرنے کو حلال سمجھتا ہے (مرقات) ایسی ہی مزید تفصیلات ہیں جن کو ہم باندیشہ طوالت چھوڑ دیتے ہیں۔

14/4699 ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے قتل پر ذرا سی بات سے بھی مدد کرے تو وہ اللہ تعالی سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا ''یہ اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس ہے''۔(ابن ماجہ)

15/4700 ۔حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں اگر میری کسی ایک کافر سے مڈبھیڑ (لڑائی) ہوجائے اور ہم لڑ پڑیں وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار سے وار کرے اور وہ کٹ جائے پھر وہ مجھ سے (بھاگ کر) ایک درخت کی پناہ لے، پھر کہے میں اللہ کے لئے مسلمان ہوگیا۔

16/4701 ۔اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں جھک کر اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرلوں اور وہ ''**لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ** '' کہے تو اس کے یہ کہنے کے بعد کیا میں اسے قتل کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس کو مت قتل کرو۔ 7 انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس نے میرے ایک ہاتھ کو کاٹ دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس کو مت قتل کرو 8 اگر تم نے

---

7 **قولہ لا تقتلہ** (تم اس کو مت قتل کرو) اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی مجبور ہوکر اسلام قبول کرے تو بھی اس کا اسلام درست ہے۔ اور کافر جب ''اسلمت'' یا ''انا مسلم'' کہے تو اس پر اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور اگر اسلام کے لئے مجبور کیا گیا ہو اور اس پر مسلمان ہونے کا حکم بھی لگایا گیا ہو اس کے بعد وہ اسلام سے پھر گیا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں مرتد نہ ہونے کا ایک شبہ ہے اور یہ شبہ قتل کو دفع کرتا ہے۔ (مرقات، ہدایہ)

8 **قولہ: فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''لاتقتلہ''** ۔ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو مت قتل کرو) اس حدیث شریف سے جس میں قتل سے منع کیا گیا ہے اور مکرر دریافت کرنے کے باوجود کہ اس نے ایک ہاتھ کو کاٹ دیا تھا، قتل کرنے سے مکرر منع کیا گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حربی جب کسی مسلمان کے حق میں جرم کرے پھر وہ مسلمان ہوجائے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گیا۔ کیونکہ اگر قصاص واجب ہوتا تو اس کے دو ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو قصاص میں کاٹ دینے کی اجازت ملتی تھی (مرقات) الاشباہ والنظائر میں ہے ذمی کا اسلام لانا اس کے ماقبل اسلام تمام حقوق اللہ کو مٹا دیتا ہے مثلاً قصاص، مال کا ضمان وغیرہ۔ مگر چند مسائل اگرچہ کہ وہ حقوق اللہ ہیں ساقط نہیں ہوں گے۔ اگر اسلام سے پہلے اس کا زنا کرنا مسلمانوں کی گواہی سے ثابت ہوجائے تو اس کے اسلام لانے کی وجہ سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور اگر ایسا نہ ہو تو ساقط ہوجائے گی۔

اس کو قتل کردیا' تو وہ تمہارے اس درجہ میں ہوجائے گا جو تمہیں اس کو قتل کرنے سے پہلے حاصل تھا۔ اور تم اس کے اس درجہ میں ہوجاؤ گے جو اس کو اس کی یہ بات کہنے سے پہلے حاصل تھا۔ (متفق علیہ)

17/4702 ۔حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (قبیلہ) جہینہ کے لوگوں کے پاس بھیجا تو میں ان میں کے ایک آدمی کے پاس آیا اور اس کو نیزہ سے مارنے گیا، اس نے ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہا؛ لیکن میں نے اس کے باوجود نیزہ مار کر اس کو قتل کردیا۔ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اس کو مار ڈالا جب کہ وہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی گواہی دے چکا (تھا) تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اس نے تو ایسا صرف پناہ (بچنے) کی خاطر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو تم نے اس کے دل کو کیوں نہیں چیرا (یعنی کیا تم اس کے دل کی حالت کو جانتے تھے؟)۔9 (متفق علیہ)

18/4703 ۔حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو کیا کرسکے گا جب قیامت کے دن کلمہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' آئے گا۔ آپ ﷺ نے اس کو کئی مرتبہ فرمایا۔ (مسلم)

19/4704 ۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مُعَاہَدْ (جس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا ہو) کو مار ڈالا ہو' وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔10 جبکہ اس کی خوشبو چالیس (40) سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ (بخاری)

20/4705 ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

9 قولہ: فهلا شققت عن قلبه (تو تم نے اس کے دل کو کیوں نہیں چیرا) اس حدیث شریف میں فقہ اور اصولِ فقہ کے مشہور قاعدہ کی دلیل ہے کہ احکام میں ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے۔ (مرقات)

10 قولہ: لم يرح رائحة الجنة (جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا) ہمارے علماء فرماتے ہیں ذمی سے جھگڑا کرنا مسلمان سے جھگڑا کرنے سے بڑھ کر سخت ہے (مرقات)

وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے 11 تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرتا رہے گا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اور جو شخص زہر پیئے گا اور خودکشی کرلے گا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا، اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اور جو شخص کسی تیز ٹکڑے (تلوار، چاقو وغیرہ) سے خودکشی کرلے گا تو اس کا وہ ٹکڑا (تلوار، چاقو وغیرہ) اس کے ہاتھ میں رہے گا، جس سے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہ کر اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔ (متفق علیہ)

21/4706۔ اور انہی سے (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے) روایت ہے کہ جو اپنا گلا گھونٹ لیتا ہے تو دوزخ میں بھی (اسی طرح) گھونٹ لیتا رہے گا اور جو اپنے کو نیزا مار کر ہلاک

---

11 قولہ :فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم (خودکشی کرلے تو وہ جہنم کی آگ میں رہے گا) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کام کو حلال سمجھ کر کیا اور اگر اس سے عموم مراد ہے تو اس وقت خلود اور تابید سے مراد طویل عرصے تک رہنا ہے کیونکہ یہ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) ہمیشہ ہمیشہ رہنا (2) طویل عرصہ تک رہنا جو آخر کار منقطع ہوجاتا ہے۔

اسی لئے فقہاء اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے جو آدمی اپنے آپ کو قتل کرلے تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور حضرت امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اسی پر فتوی ہے اگر چہ کہ یہ گناہ (یعنی خودکشی) دوسرے کو قتل کرنے سے بدتر ہے۔ اور حضرت کمال رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ غسل دیا جائے گا مگر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

مسلم شریف میں ایک حدیث ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے شخص کا جنازہ لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نے نماز نہیں پڑھی۔ صاحب بحر نے فرمایا ان مذکورہ اقوال کی تطبیق میں اختلاف ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔ انتھی۔

میں یہ کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں اس پر کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف اتنی بات ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو اس جیسی حرکت سے باز رکھنے کے لئے نماز پڑھنے سے رک گئے ہیں (ایسا ہی) جیسے قرض دار پر نماز پڑھنے سے رک گئے تھے۔ اس سے کسی بھی صحابی کا اس (جنازہ) پر نماز نہ پڑھنا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام اور دوسروں کی نماز کے مابین مساوات و برابری نہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ'' کیونکہ آپ کی صلوۃ ان کے لئے سکون ہے۔ پھر جانو اس بات کو کہ یہ سب اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے اپنے آپ کو عمداً قتل کیا۔ لیکن اگر وہ قتل خطا ہو تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ جیسا کہ کفایہ اور اس کے سوا دوسری کتابیں مرقات، عمدۃ القاری، درمختار، ردالمختار میں صراحت ہے۔

کرلے گا تو وہ دوزخ میں بھی (اسی طرح) نیزہ مارلیتا رہے گا۔(بخاری)

22/4707۔حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے،انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:تم سے پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جس کوایک زخم تھا اس نے بیقرار ہوکرایک چھری لی اوراس سے اپنے ہاتھ کوکاٹ لیا،پھراس کا خون تھمانہیں؛یہاں تک کہ وہ مرگیا۔اللہ تعالی نے فرمایا:میرے بندہ نے میرے پاس آنے میں اپنی ذات سے جلدی کی،میں نے اس پر12 جنت حرام کردی۔(متفق علیہ)

23/4708۔حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو طفیل بن عمرو دوسیؓ نے بھی آپ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔اور ان کے ساتھ ان کی قوم کا ایک آدمی (بھی) تھا جو بیمار ہوگیا۔پھراس نے بیقرار ہوکراپنے تیر کی پیکان لی اوراپنی انگلیوں کے جوڑکوکاٹ لیا۔اوراس کے دونوں ہاتھوں سے خون بہنے لگا؛یہاں تک کہ وہ مرگیا۔پھرطفیل بن عمروؓ نے اس کوخواب میں دیکھا کہ اس کی حالت اچھی ہےاوردیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کوڈھانکے ہوئے ہے۔انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی۔انہوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے میں تم کواپنے دونوں ہاتھ ڈھانکے ہوئے دیکھ رہاہوں؟اس شخص نے کہا:مجھ کوکہا گیا ہے جوتم نے اپنے سے بگاڑدیاہے،ہم اس کو ہرگز درست نہیں کرینگے۔چنانچہ حضرت طفیلؓ نے (یہ) قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوسنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعافرمائی"اے اللہ!اس کے دونوں ہاتھوں کوبخش دے"۔13 (مسلم)

---

12 قولہ: فحرمت علیہ الجنة (میں نے اس پر جنت حرام کردی)۔ابن الملک نے فرمایا یہ اس آدمی کے بارے میں ہے جوخودکشی کوحلال سمجھتا ہے۔یا اللہ تعالی اپنے فضل سے اس کومعاف نہ کرے تو وہ اپنے اس معاملہ کی سزا کا مزہ چکھنے تک اول وہلہ میں دخول جنت اس کے لئے حرام ہے۔

13 قولہ: اللهم ولیدیه فاغفر (اے اللہ اس کے دونوں ہاتھوں کوبخش دے) علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں اگرچہ کہ ایک صحابیؓ کے خواب اوراس کی تعبیر کا ذکر ہےلیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی"اللهم ولیدیه فاغفر"یہ منجملہ ان احادیث کے ہے جس میں اس بات پر دلالت ہے کہ جوشخص توحید......

24/4709۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قتل عمد میں قصاص ہے 14 سوائے اس کے کہ مقتول کا ولی معاف کردے۔15
ابن ابی شیبہؒ اور دار قطنیؒ نے اپنی سنن میں اور طبرانیؒ نے اپنی معجم میں اس کی روایت کی ہے۔

......اور رسالت کی گواہی دیتا ہے وہ اگر چہ کہ خودکشی کرلے مگر دوزخ میں وہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے آدمی کے لئے جو اپنے نفس پر جنایت کرنے والا ہے (یعنی خود کو ضرر پہنچانے والا ہے) دعاء مغفرت فرمائی ہے۔ اگر اس کے لئے خلود فی النار (ہمیشہ جہنم میں رہنا) ہوتا تو آپ ﷺ اس کے لئے دعا نہ کرتے اس لئے کہ جس آدمی کے لئے خلود فی النار ہے اس کے لئے دعا کرنے سے آپ ﷺ کو منع کیا گیا ہے۔(مرقات)

14 قولہ: **العمد قود الخ** (قتل عمد میں قصاص ہے) قتل عمد سے واجب ہونے والی جزا کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں قتل عمد سے واجب ہونے والی جزا معین ہے اور وہ قصاص ہے، دیت نہیں اور ولی کو دیت کا اختیار نہیں ہے۔ پس قاتل کی رضامندی کے بغیر اس کا بدلہ مال نہیں ہوسکتا۔ اور یہ مال صلح کے ذریعہ سے درست ہوسکتا ہے اگر چہ کہ وہ مال دیت کے برابر ہو یا اس سے بھی زیادہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس قتل عمد میں قصاص واجب ہے بغیر مصالحت کے اس کا بدلہ مال نہیں بن سکتا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک قول میں فرماتے ہیں قصاص اور دیت دونوں علی التخییر واجب ہے، ولی کو اختیار ہے معاف کردے یا دیت لے یا قصاص لے۔ قاتل راضی ہو یا نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علی رحمۃ اللہ علیہر حمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے مطابق اگر دیت کی جنس میں، دیت کی مقدار سے زیادہ پر صلح کرلے تو یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ رِبا بن جائے گا۔

ہمارے پاس یہ درست ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: ''کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی'' (مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔(2۔بقرہ،178) اس آیت میں دیت کا ذکر نہیں، نیز ہماری دلیل اس حدیث شریف کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ تعالی کی حدیث بھی ہے ''یا انس کتاب اللہ القصاص'' اے انس اللہ تعالی کا فرمان قصاص ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما کی روایت میں ہے ''من قتل عمدًا فھو قود'' جو آدمی عمداً قتل کرے گا تو اس کا بدلہ قصاص ہے۔ جس حدیث شریف میں ولی کو اختیار دیا گیا ہے اس کا مطلب ہمارے پاس یہ ہے کہ ولی کو دو چیزوں کے درمیان اختیار ہے قصاص یا دیت جب کہ وہ اس کے لئے پیش کی جائے۔(رحمۃ الامۃ، نیل الاوطار، درمختار، ردالمحتار، مرقات)

اس کی مکمل بحث حدیث انسؓ ''یا انس کتاب اللہ القصاص'' کے ذیل میں ان شاءاللہ تعالی آئے گی۔

15 قولہ: **الا ان یعفو ولی المقتول** ۔(مگر یہ کہ مقتول کا ولی اس کو معاف کردے) ہدایہ میں ہے کہ قتل عمد گناہ ہے اور اس کا بدلہ قصاص ہے مگر یہ کہ اس کے اولیاء معاف کردیں یا مصالحت کرلیں۔

25/4710۔اور ترمذیؒ کی ایک روایت میں ہے عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے، وہ ان کے دادا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں اور جب وہ کسی چیز پر آپس میں ایک دوسرے سے صلح کرتے ہیں تو وہ ان کیلئے (درست) ہے۔

26/4711۔حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ربیع نے اور وہ حضرت انس بن مالک کی پھوپھی ہیں۔ انصار کی ایک کنیز کا دانت توڑ دیا، تو وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے قصاص کا حکم دیا تو انس بن نضر نے جو انس بن مالک کے چچا ہیں کہا: نہیں! بخدا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا دانت توڑا نہیں جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انس! اللہ تعالی کا فرمان قصاص ہے 16؎ تو قوم راضی ہوگئی، اور تاوان قبول کرلی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بندے ہیں

16؎۔ قوله: يا انس كتاب الله القصاص :(اے انس اللہ کا فرمان قصاص ہے)۔حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعؓ کا (باندی کے) دانت توڑے جانے کے قصہ میں قصاص اور دیت کے درمیان اختیار نہیں دیا بلکہ قصاص کا فیصلہ فرمایا۔

انس بن نضر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اس سلسلہ میں معروضہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”يا انس كتاب الله القصاص“ اے انس اللہ تعالی کا فرمان تو قصاص ہے۔ پھر قوم نے ان کو معاف کردیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دیت کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ بزرگ وبرتر کے فرمان اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بموجب قتل عمد میں قصاص واجب ہے۔ کیونکہ اگر جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کے لئے قصاص اور معافی کے درمیان اختیار ہوتا تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اختیار دیدیتے اور ان کو اس اختیار سے باخبر کرتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کوئی آدمی کسی چیز میں اپنا مقدمہ پیش کرے جس میں دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز واجب ہوتی ہے اور اس کا حق ثابت ہو تو حاکم کو اختیار نہیں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کا فیصلہ دے بلکہ اس کو ان دونوں چیزوں میں سے جس کو بھی وہ پسند کرے اس کو اختیار کرنے کا فیصلہ دینا چاہئے۔ اور اگر حاکم اس سے تجاوز کرے تو درحقیقت وہ فیصلہ کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بے انتہاء انصاف پسند حاکم ہیں اور جب آپ قصاص کا فیصلہ دیتے ہیں اور یہ بات بھی بتلا دیتے ہیں کہ یہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قتل عمد میں صرف قصاص ہی ہے۔

ہمارے اس مذکورہ بالا بیان کے مطابق یہ حدیث شریف جب ثابت ہے تو سیدنا ابوشریح اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث شریف کو اسی پر عطف کرنا ہوگا۔ اور ان دو حدیثوں میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ”فهو بالخيار“ یعنی اس کو اختیار ہے، معاف کردے یا قصاص لے یا دیت لے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ مجرم دیت دینے کے لئے راضی ہو۔

اس طرح ان دونوں حدیثوں میں اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کے معانی میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

جواللہ تعالی پر (کسی چیز کی) قسم کھائیں تو اللہ تعالی اس کو پورا فرمائے گا۔ (بخاری، مسلم)

27/4712۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رویت ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بلوے میں قتل کیا گیا 17 یا آپس کے

---

17 قولہ :من قتل فی عمیة فی رمی الخ (جو آدمی کسی بلوے میں قتل کیا جائے، سنگباری کے ذریعہ یا کوڑے یا لاٹھیوں سے) اس طرح کا قتل فقہاء کرامؒ کے پاس ''شبہ عمد'' کہلاتا ہے۔

جانو اس بات کو کہ قتل ناحق کی، جس سے قصاص، دیت اور کفارہ متعلق ہوتا ہے پانچ قسمیں ہیں۔

1۔عمد 2۔شبہ عمد 3۔قتل خطا

4۔قائم مقام خطا 5۔کسی سبب سے قتل

ان پانچوں قسموں کی وجہ حصر یہ ہے کہ قتل دو صورتوں سے خالی نہیں یا مباشرۃ (بلا واسطہ راست) ہوگا یا بالواسطہ ہوگا اگر بلا واسطہ نہ ہو تو وہ قتل کسی سبب کی بناء پر ہے اور اگر بلا واسطہ ہے تو عمداً ہوگا یا وہ خطا ہوگا۔
اگر عمداً ہے تو وہ ہتھیار سے ہوگا اور ہتھیار کے مشابہ اجزاء کو الگ الگ کرنے والے کسی آلہ سے ہوگا۔ یا بغیر ہتھیار کے ہوگا۔ پہلی صورت یعنی ہتھیار سے ہو تو وہ قتل عمد ہے دوسری صورت یعنی وہ ہتھیار یا مشابہ ہتھیار سے نہ ہو تو وہ شبہ عمد ہے اگر خطا ہو تو وہ حالت بیداری میں ہوگا یا حالت نیند میں۔ اگر پہلی صورت (حالت بیداری) میں ہو تو وہ قتل خطا ہے۔ دوسری صورت (حالت نوم) میں ہو تو وہ قائم مقام خطا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس قتل سے قصاص، دیت، کفارہ، گناہ اور میراث سے محرومی متعلق ہے اس کی پانچ قسمیں ہیں ورنہ قتل کی تو بہت قسمیں ہیں۔ جیسے رجم (سنگباری)، سولی پر چڑھانا، حربی کو قتل کرنا وغیرہ۔

پہلی قسم:۔پہلی قسم کا نام ''عمد'' ہے۔ عمد کی صورت یہ ہے کہ ایسی چیز سے عمداً ضرب لگائی جائے جو اعضاء کو الگ الگ کردے مثلاً تلوار، نیزہ یا، ڈنڈا، آگ، دھاری دار لکڑی اور پتھر وغیرہ۔

آلات قتل کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ہتھیار 2۔غیر ہتھیار

ہتھیار سے مراد زخمی کرنے والا آلہ ہے مثلاً تلوار، چھری وغیرہ اگر اس سے قتل کیا جائے تو وہ خالص قتل عمد ہے اور ہتھیار کے سوا جیسے ڈنڈا اور سفید پتھر اور بغیر دندانے والا نیزہ اور اسی جیسی چیز سے جب وہ زخمی کرے تو وہ قتل عمد ہے۔ کیونکہ جب وہ اجزاء کو الگ الگ کردے گا تو اس کا یہ عمل تلوار کے عمل جیسا ہے۔ لوہے کے ذریعہ قتل میں زخمی کئے جانے کی شرط سے متعلق حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مختلف ہے۔ ظاہر روایت میں ہے کہ لوہے سے قتل کرنے میں زخمی کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ وہ قتل کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وَاَنزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ'' ''ہم نے لوہے کو اتارا ہے جس میں سخت قوت ہے۔ (سورۃ الحدید، آیت نمبر:25)
اس طرح لوہے سے مشابہ چیز کا بھی یہی حکم جیسے پیتل، شیشہ، سونا چاندی خواہ وہ کاٹ دے، یا چیر دے یا کچل دے یہاں تک کہ اگر لوہے کے بھاری ٹکڑے سے یا اس کے جیسی کسی چیز سے قتل کردے تو اس پر قصاص واجب ہے۔ جیسا کہ......

......پیتل کے یا شیش کے ڈنڈے سے مارے (تب بھی قصاص واجب ہے) امام طحاویؒ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ امام اعظمؒ کے پاس لوہا اور اس جیسی چیز سے قتل کرنے میں زخمی کرنے کا اعتبار ہے۔ اور حضرت صدر الشہیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات راجح ہے۔ اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ اور در مختار میں ہے اگر مَر (میم کے زبر کے ساتھ مٹی نکالنے کا آلہ) یعنی پھاوڑا، بیلچہ وغیرہ سے قتل کرے اس کی دھار سے یا اس کی پشت کی طرف سے ضرب لگے اور وہ زخمی ہو جائے تو بالاتفاق قصاص لیا جائے گا جیسا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو کتاب المجتبیٰ سے نقل کیا ہے۔ اور اگر دھار سے ضرب نہ لگے بلکہ اس کی پشت سے ضرب لگے اور قتل ہو جائے لیکن زخمی نہ کیا ہو تو امام طحاویؒ کی روایت میں اس کا قصاص نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ لوہا، تانبا اور سونا وغیرہ سے زخم نہ بھی آئے قصاص لیا جائے گا۔ اور قاضی خانؒ کی کتاب ''دُرر'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے خلاصہ سے نقل کیا ہے۔ قابل ترجیح بات یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے پاس قصاص کے واجب ہونے کے لئے زخمی کرنے کا اعتبار ہے۔ اور ابن کمالؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بہر حال بندوق کی گولی سے قتل کیا جانا قتل عمد ہے کیونکہ لوہے کی جنس سے ہے اور وہ زخمی کرتی ہے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ اور اگر زخمی نہ کرے تو امام طحاویؒ کی روایت کے مطابق قصاص نہیں لیا جائے گا۔ قتل عمد کا حکم یہ ہے کہ اس میں گناہ اور قصاص ہے اور اس پر امت کا اجماع منعقد ہے۔ قتل عمد میں ہمارے پاس کفارہ نہیں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کفارہ واجب ہوتا ہے۔

دوسری قسم:۔ دوسری قسم شبہ عمد ہے۔ شبہ عمد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز سے ضرب لگائے جو ہتھیار کی قسم سے نہ ہو۔ اور نہ ایسی چیز جس کو اجزاء کے الگ الگ کرنے میں ہتھیار کے قائم مقام قرار دیا گیا ہو۔ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول یہی ہے کہ جب بڑے پتھر سے یا بڑی لکڑی سے مارے یہ قتل عمد ہے اور شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز سے ضرب لگانے کا ارادہ کرے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا جیسے لٹ، کوڑہ، چھوٹا پتھر وغیرہ۔

کیونکہ قتل عمد ان دونوں حضرات کے پاس قصداً ایسی چیز سے ضرب لگانا ہے جس سے عام طور پر قتل کیا جاتا ہے۔ اور شبہ عہد ایسی چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا۔ پس اگر تھوڑے سے پانی میں ڈبویا اور اس کا انتقال ہو گیا تو ان تمام حضرات کے پاس نہ قتل عمد ہے نہ شبہ عمد۔ اور اگر کنویں میں ڈالدیا جائے یا کسی بلندی سے یا پہاڑ سے گرادیا جائے جس سے بچنے کی امید نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے پاس یہ شبہ عمد ہے۔ اور ان دونوں کے پاس یہ قتل عمد ہے۔ اور فتوی امام اعظمؒ کے قول پر ہے جیسا کہ کتاب التتمّۃ میں ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے یہ حدیث شریف دلیل ہے۔ اور یہ بات کہ نبی اکرم علیہ والہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے اور چھوٹے آلہ کے درمیان فرق نہیں فرمایا اور مطلق حکم دے دیا۔ شبہ عمد کا حکم دونوں اقوال میں گناہ اور کفارہ اور دیت مغلطہ ہے جو عاقلہ یعنی اہل خاندان پر واجب ہوتی ہے۔ اور جان کے علاوہ دیگر اعضاء میں شبہ عمد، عمد کی طرح سے ہے۔ جس سے قصاص واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ جان کے سوا کسی بھی چیز میں شبہ نہیں ہے۔

تیسری قسم: تیسری قسم قتل خطا ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔......

پتھراؤ یا کوڑے بازی میں یا لاٹھی کی مار سے قتل ہوا تو وہ قتلِ خطا ہے اور اس کی دیت خطا کی دیت ہے۔ اور جو عمداً قتل کیا گیا تو اس میں قصاص ہے اور جو اس قصاص میں حائل ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہے، اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

28/4713۔ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قصاص صرف تلوار سے ہے۔ 18 (ابن ماجہ، بزار)

......1۔ پہلی قسم۔ خطائی القصد یعنی سمجھنے میں غلطی۔ کسی شخص پر یہ سمجھ کر تیر چلائے کہ وہ شکار ہے یا حربی ہے یا مرتد ہے حالانکہ وہ مسلمان تھا۔

2۔ دوسری قسم خطاً فی نفس الفعل: یعنی کسی نشانہ یا شکار کو مارنا چاہتا تھا لیکن وہ کسی آدمی کو لگ جائے۔

چوتھی قسم (قتل کی): قتل قائم مقام خطا جیسے کوئی سونے والا جب کروٹ بدل کر کسی آدمی پر گرے جس کی وجہ سے وہ آدمی مر جائے۔ قتل خطا اور قائم مقام خطا کا حکم کفارہ ہے۔ اور اس کی دیت عاقلہ (پدری خاندان) پر ہے۔ ان دونوں قسموں میں گناہ نہیں ہے لیکن کوئی بھی قتل فی نفسہ گناہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس میں اس نے عزیمت اور کمالِ احتیاط کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ کمال احتیاط کو چھوڑ دینا فی نفسہ گناہ نہیں ہے لیکن اس میں قتل کی وجہ سے گناہ ہے اس قتل کے گناہ کی وجہ سے کفارہ رکھا گیا ہے اگرچہ اس میں بالقصد قتل کا گناہ نہیں ہے۔

پانچویں قسم (قتل بالسبب): (کسی وجہ سے قتل کیا جانا) جیسے بادشاہ کی اجازت کے بغیر کنواں کھودنے والا، دوسرے کی مِلک میں پتھر رکھنے والا اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں آدمی کی جان تلف ہو جائے تو اس میں عاقلہ پر دیت ہے کفارہ نہیں ہے اور قتل کا گناہ بھی نہیں ہے بلکہ غیر کی ملک میں پتھر رکھنے اور کھودنے کا گناہ ہوگا۔

قتل کے مذکورہ اقسام جس میں اِذن نہیں تھا تو یہ محرومی ارث کا سبب ہے بشرطیکہ مجرم مکلّف ہو۔ البتہ اس قتل سبب میں ہمارے پاس اس سے میراث سے محرومی نہیں ہوتی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قتل سببیـــــی اپنے تمام احکام میں قتلِ خطا کی طرح ہے۔ (مرقات، عقود الجواہر، الدر المختار، ردالمحتار، ہدایہ، بنایہ، کفایہ، شروح کنز)

18 قولہ: لا قود الا بالسیف (قصاص صرف تلوار سے ہے) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس (قاتل) کے ساتھ ایسا ہی کیا جائے گا جیسا کہ اس نے کیا ہے بشرطیکہ وہ فعل جائز ہو۔ اور اس جائز فعل سے وہ ہلاک ہوا ہو ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی کیونکہ قصاص کی بنیاد مساوات پر ہے۔ ہمارے پاس (یعنی احناف کے پاس) صرف تلوار سے قصاص لیا جائے گا اگرچہ کہ قتل غیر تلوار سے کیا گیا ہو۔ ہماری دلیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد "**لا قود الا بالسیف**" (قصاص صرف تلوار سے ہے) اور تلوار سے مراد ہتھیار ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس چیز کو اختیار کیا ہے۔ اگر اس جیسے عمل سے اس کا پورا بدلہ نہیں لیا جا سکے گا تو اس میں زیادتی ہو جائے گی اس لئے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ بہرحال بدلہ لینے میں زیادتی سے بچنا ضروری ہے جیسا کہ ہڈی کو توڑنے میں ہے۔ (ہدایہ، درمختار)

29/4714۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کنیز کے بدلہ میں ایک یہودی کو قتل [19] کردینے کا حکم دیا؛ جس کو اس نے اس کے زیورات کے خاطر قتل کیا تھا۔(بخاری)

30/4715۔حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: مسلمانوں کے خون برابر ہیں، ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گا [20] اور کم درجہ کا آدمی بھی رد کرسکتا ہے۔اور مسلمان اپنے مقابل پر ایک دوسرے

---

[19] **قوله: قتل يهود يا بجارية** (ایک کنیز کے بدلے یہودی کےقتل کاحکم فرمایا)اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مردکوعورت کے بدلےقتل کیاجائے گا۔جیسا کہ عورت مرد کے بدلےقتل کی جاتی ہے۔اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔(مرقات)

[20] **قوله :يسعى بذمتهم ادناهم الخ** (ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ان میں کا ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گا)بذل المجھو دمیں ہے **يسعىٰ بذمتهم** کا مطلب یعنی **بعهدهم و امانهم** ہے یعنی ان کے معاہدہ کو پورا کرنے اوران کی حفاظت کے لئے ان میں کا ایک ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گااور(یہاں)''**ادناهم**'' سے مراد''**اقلهم**'' ہے یعنی مسلمانوں میں کا ایک آدمی بھی ہوتو اس کے لئے کوشش کرے گا۔اور''ادنیٰ'' کی تفسیر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس''**اقلهم**'' ہے۔اوراس میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جوتفسیر کی ہےاس سےاحتراز مقصود ہے کہ امام محمدؒ کے پاس ''**ادناهم**'' سے مرادغلام ہے۔اور یہ دناءت سے مأخوذ ہے۔اورغلام مسلمانوں میں ادنیٰ ہے۔اورمسلمانوں کی طرف سے ان میں کا کم مرتبہ والا بھی پناہ دےسکتا ہے جیسے وہ غلام جس کو جنگ میں جانے کی اجازت ملی ہےاور معاملہ میں ادنی،اعلی کی طرح ہے کہ وہ جس کو چاہےامن دےسکتا ہے۔صاحب بدائع نے فرمایاہے۔امان کی منجملہ شروط میں عقل، بلوغ ہے۔دیوانے اور بچے کا امان دینا جمہور علماء کے پاس جائزنہیں ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بلوغ شرط نہیں ہے۔یہاں تک کہ قریب البلوغ عمر کا لڑکا جو اسلام کو سمجھتا ہےاس کا امان دینا درست ہے۔

اوراس کی ایک شرط اسلام ہےلہذا کافراگرچہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوکرلڑرہاہواس کاامان دینادرست نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ صاحبؒ نے امام اوزاعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی ذمی مسلمان کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہواور وہ کسی کوامان دےتو امام اگر چاہےتو اس کے امن کو باقی رکھے ورنہ اس کواس کے مقام پر پہنچادے۔اب رہا آزاد ہونا امان کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے۔اور جنگ کے لئے اجازت یافتہ غلام کا امن دینا بالاتفاق درست ہےلیکن جس غلام کو جنگ سے روک دیا گیا ہےاس کے امن دینے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اورامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا درست نہیں۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ درست ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے امام محمد وامام شافعی رحمہما اللہ تعالی کی دلیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادگرامی''**يسعى بذمتهم ادناهم** ''ہے۔ذمہ،عہدکو کہتے ہیں اورامن دینا ایک قسم کا عہد ہے۔اورمسلمان غلام مسلمانوں میں ادنی درجہ میں سے ہےلہذا یہ حدیث شریف اس کے لئے بھی شامل ہے۔......

کے مددگار رہیں۔خبردار! مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور معاہدہ والا 21 بھی دورانِ معاہدہ قتل نہیں کیا جائے گا۔(ابوداؤد، نسائی)۔

31/4716۔ابن ماجہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے۔

......اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عبد مجور (جس کو جنگ سے روک دیا گیا ہو) شامل نہیں ہے۔

کیونکہ لفظ ادنی یا تو ''دناءت'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی خساست وحقارت کے ہیں۔یا پھر وہ ''دنو'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی قرب ونزدیکی کے ہیں۔اور یہاں پہلے معنی مراد نہیں ہیں۔کیونکہ حدیث شریف میں آپ ﷺ کا ارشاد ''المسلمون تتكافأ دماء هم'' (تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں) تمام مسلمانوں کو شامل کرتا ہے اور اسلام لانے کے بعد خساست وحقارت نہیں رہتی۔

اور دوسرے معنی (قرب) یہ بھی عبد مجور کو شامل نہیں ہے۔کیونکہ جب وہ جنگ کی صف میں نہیں ہے تو کافروں کی صف سے قریب رہنے والا بھی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ صاحبؒ نے فتح الباری میں فرمایا کہ اب رہا غلام تو وہ جنگ کرے یا نہ کرے جمہور علماء نے اس کو امن دینے کی اجازت دی ہے۔حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جنگ کرے تو اس کا امن دینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ان دو جملوں کے درمیان ''يسعى بذمتهم ادناهم'' (ان کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ان میں کا ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے گا) اور ''ويجير عليهم اقصاهم'' (اور کم درجہ کا آدمی بھی رد کر سکتا ہے) کہ درمیان کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا بظاہر یہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔

21 قوله: **ولا يقتل مسلم بكافر ولا ذو عهد فى عهده** (نہ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور نہ کوئی معاہدہ والا اپنے دوران معاہدہ میں)

علماء کا اتفاق ہے اگر کافر کسی مسلمان کو قتل کر دے تو کافر قتل کر دیا جائے گا اور مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔حضرت امام شافعی وامام محمد علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مسلمان ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا البتہ حربی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ''النفس بالنفس'' کے عموم سے ہے اور امام صاحبؒ کے منجملہ دلائل میں سے وہ حدیث شریف ہے جس کو امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ نے عبدالرحمٰن بن بیلمانیؒ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاہد (ذمی) کے بدلے مسلمان کو قتل فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ اکرم ہوں جنہوں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔

حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی مکمل حدیث ہے اور اس کے جس جملہ میں مومن کو کافر کے بدلے قتل کرنے کی نفی ہے وہ یہ ہے

''لا يقتل مؤمن بكافر ولا ذو عهد فى عهده'' حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ''فی عهده'' مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کوئی معاہد (ذمی) دوران معاہدہ۔......

......اس سے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ سے جو معنی لئے ہیں وہ محال ہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنی مراد ہوں تو یہ لغت کی ایک غلطی ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کے بہ نسبت اس طرح کی غلطی سے بہت پاک ہیں اور اس وقت الفاظ یہ ہوتے ''**لا یقتل مؤمن بکافر ولا ذی عهد فی عهده**'' (ذی عہد بحالت جری) اور جب کہ الفاظ ایسے نہیں ہیں بلکہ ''**ولا ذوعهد فی عهده**'' حالت رفعی میں ہے تو اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ قصاص میں یہاں ذمی مراد ہے۔ اور یہ عبارت اس طرح ہوئی ''**لایقتل مؤمن ولا ذوعهد فی عهده بکافر**'' مسلمان اور ذمّی جب تک وہ معاہدہ میں ہیں کسی کافر کے بدلہ قتل نہیں کئے جائیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذمی کافر ہے اور اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کافر کے بدلے مومن کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے وہ کافر غیر ذمی ہے۔ اور منجملہ ان امور کے ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان کو کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور کافر ذمی کو بھی اس کے دوران ذمہ داری کسی حربی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ہم اس کی مثالیں بکثرت قرآن پاک میں پاتے ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''**وَالّٰٓـئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ، وَّالّٰٓـئِیْ لَمْ یَحِضْنَ**'' (سورۃ الطلاق، آیت نمبر:5) اور تمہاری عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ان عورتوں کو بھی جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو؟ پس اس کے معنی ''**وَالّٰٓـئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ وَالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ**'' ہے (اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور وہ عورتیں جن کو ابھی حیض نہیں آیا ہے اگر تم کو شبہ ہے تو ان کی عدت تین مہینے ہے) اس میں کلمات کی تقدیم و تاخیر ہے۔

پس اسی طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان **لا یقتل مومن بکافر ولا ذوعهد فی عهده**'' ہے اور اس کی مراد واللہ اعلم (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) یہ ہے کہ ''**لایقتل مومن ولا ذوعهد فی عهده بکافر**'' کسی مسلمان کو اور نہ کسی ذمی کو جب تک کہ وہ دوران معاہدہ میں ہے کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ پس یہاں بھی کلمات کی تقدیم و تاخیر ہے۔ پس جس کافر کے بدلے مومن کے قتل کئے جانے سے منع کیا گیا ہے وہ غیر ذمی غیر معاہد کافر ہے۔

حضرت تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس سے وہ مراد نہ لیں جو اصحاب حنفیہؒ نے لیا ہے تو یہ کلام بے فائدہ رہ جائے گا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ذمی کو جب تک وہ اپنی ذمہ داری میں ہے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (انتھی)۔

اور ہمارے علماء فرماتے ہیں جب احادیث شریفہ میں بظاہر تعارض ہو جائے جیسا کہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ نے بخاری شریف کی سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی صحیفہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے متن پر امام طحاویؒ نے کلام کیا ہے تو ایسی صورتوں میں قیاس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور قیاس ہمارا مؤید ہے کیونکہ ذمیوں کے خون اور مال کی حفاظت بالاجماع ثابت ہے۔ اور بکثرت احادیث میں صراحت کے ساتھ یہاں تک آیا ہے کہ مال کی چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور ان کی عورتوں کے ساتھ زنا کرنے والے اور ان پر تہمت لگانے والے پر حد جاری کی جائے گی۔ پس ان کے خون کی حفاظت میں اس کا قتل کیا جانا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اور یہ ہمارا مذہب ہے اور امام نخعیؒ و امام شعبیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ (ماخوذ از رحمۃ الامۃ، مرقات، تنسیق النظام، نیل الاوطار، شرح معانی الاثار)

32/4717۔اور طحاویؒ کی ایک روایت میں ہے کہ قیس بن عبادؒ نے کہا: میں اور اشترؒ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی ایسی وصیت کی ہے جو عام لوگوں کو آپ ﷺ نے نہیں کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں! مگر وہی جو میری اس کتاب میں ہے۔ پھر آپ نے اپنی تلوار کی نیام سے ایک کتاب نکالی جس میں ''**المؤمنون تتکافؤ دمائهم**''الخ. یعنی مسلمانوں کے خون برابر ہیں، ان کی ذمہ داری کو ادنیٰ آدمی بھی (پورا کرنے کے لئے) کوشش کرے گا اور یہ اپنے مقابل پر ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا اور معاہدہ والے کو اپنے معاہدے کے دوران بھی قتل نہیں کیا جائے گا اور جس نے (دین میں) کوئی چیز نکالی تو اس کا وبال اس کے نفس پر ہے۔اور جس نے (دین میں) کوئی نئی چیز نکالی یا کسی نئی چیز نکالنے والے (بدعتی) کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالی کی اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔(طحاوی)

33/4718۔اور دارقطنی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ذمی کے بدلہ مسلمان (قاتل) کے قتل کا حکم فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا: میں سب سے زیادہ کریم ہوں ان لوگوں میں جنہوں نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔

یہ حدیث متصل اور مرسل دونوں طرح مروی ہے۔ اور اس میں جو (راوی) ابن بیلمانیؒ (کا ذکر) ہے تو ابن حبانؒ نے انہیں ثقہ بتلایا ہے 22 اور ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔اور وہ

---

22 قولہ: **وثقه ابن حبان و ذكره في الثقات وهو رجل معروف من التابعين** (ابن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ) کو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور ان کا ثقات میں تذکرہ کیا ہے۔اور وہ تابعین میں ایک مشہور ومعروف ہیں۔ جب وہ ایسے ثقہ ہیں تو ان کی حدیث صحیح ہوگی اور مرسل حدیث ہمارے پاس اور امام مالکؒ، امام احمدؒ اور اکثر علماء کے پاس حجت ہے (اس سے استدلال کیا جاتا ہے) حتی کہ امام طبری علیہ الرحمۃ نے اس پر تابعین کا اجماع نقل کیا ہے۔اور فرمایا کہ دوسری صدی کے اوائل تک معاملہ ایسا ہی رہا اس کے بعد حدیث مرسل کے بارے میں قبول نہ کرنے کی ابتداء ہوئی تو اس موقعہ پر یہاں تک کہا گیا کہ مرسل حدیث کو قبول نہ کرنا بدعت ہے۔اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حدیث مرسل کو رد کرے اور قبول نہ کرے تو یقیناً اس نے بہت سی سنتوں کو رد کر دیا اور ابن بیلمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیثِ مرسل کئی طرق سے مروی ہے ''عن ابی حنیفة و مالک والثوری''۔امام اعظم، امام مالک اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے اور یہ تینوں حضرات، ربیعۃ رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے روایت کئے ہیں۔ یہ ائمہ کرام اس مسئلہ میں اتباع کئے جانے کے لئے کافی ہیں۔اور ابن منکدرؒ اور عبداللہ بن العزیزؒ کی مراسیل سے بھی اس کی متابعت ہوئی ہے۔اس لئے یہ حجت ہے۔مرسل حدیثِ شریف جب متعدد سندوں سے ثابت ہو اور ان میں کے بعض طرق سے بعض کو قوت حاصل ہوتی ہو تو مرسل ہونا اس کی سند کے لئے قادح نہیں۔(ماخوذ از تنسیق النظام، عقود الجواہر)

تابعین میں ایک مشہور آدمی ہیں۔

34/4719۔سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس آدمی کو معاف نہیں کروں گا23 جو دیت لینے کے بعد قتل کرے۔ (ابوداؤد)۔

35/4720۔اور ایک روایت میں ہے: اگر وہ اس میں سے کسی چیز کو قبول کرے پھر اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔(دارمی)

36/4721۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حدود مساجد میں قائم نہیں کئے جائیں گے24 اور باپ سے بیٹے کے بدلے قصاص نہیں لیا جائے گا۔25 (ترمذی، دارمی)

---

23 قولہ: لا اعفی من قتل بعد اخذ الدية ۔(میں اس آدمی کو معاف نہیں کروں گا جو دیت لینے کے بعد قتل کرے) اس لئے کہ ولی کا حق (دیت لینے سے) بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔(درمختار)

24 قولہ :لا یقام الحدود في المساجد. حدود مساجد میں قائم نہیں کئے جائیں گے کیونکہ مساجد فرض نمازوں کے لئے اور اس کے متعلقات مثلاً نوافل، ذکر، درس وتدریس وغیرہ کے لئے بنائی گئی ہیں۔

(ابن ہمام نے اس کو ذکر کیا ہے اسی طرح مرقات میں ہے)

25 قولہ: لا یقاد بالولد الوالد (لڑکے کے بدلے باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا) کتاب ''اختلاف الامة'' میں ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیٹا جب ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا لیکن جب باپ اپنے بیٹے کو قتل کرے تو اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیٹے کے بدلے باپ کو اس وقت قتل کیا جائے گا جیسے محض قتل کے ارادے سے اس کو لٹا کر قتل کرے۔

اور والدہ کا حکم باپ کی طرح سے ہے۔اور دادا، دادی، نانا، نانی کا حکم ماں باپ کی طرح سے ہے۔

(برجندی بحوالۂ مرقات)

اور صاحب درمختار نے کہا ہے کہ یہ حضرات بیٹے کو وجود میں لانے اور حیات دینے کا سبب ہیں لہذا بیٹا ان کو فنا کرنے کا سبب نہیں بن سکتا پس ایسے وقت باپ کے مال میں تین سال کے اندر دیت ادا کرنا ہمارے پاس واجب ہوتا ہے کیونکہ یہ قتل عمد ہے اور قتل عمد میں عاقلہ (یعنی باپ کے رشتہ دار) پر دیت نہیں ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدل صلح کی طرح فی الفور دیت واجب ہوتا ہے۔(زیلعی، جوہرۃ)

37/4722۔عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے اور وہ سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ ﷺ باپ کا بیٹے سے قصاص لینے اور بیٹے کا باپ سے قصاص نہ لینے کا حکم فرما رہے تھے[26]۔(ترمذی)

38/4723۔حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جو تمہارے ساتھ ہے کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ میرا بیٹا آپ اس پر گواہ رہئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: (تمہیں معلوم ہونا چاہئے) کہ نہ تمہارے اوپر اس کا قصور ہوگا نہ اس پر تمہارا قصور ہوگا۔(ابوداؤد،نسائی)۔

39/4724۔شرح السنۃ میں اس (حدیث) کی ابتداء میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے کہا: میں اپنے والد کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔میرے والد نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک میں جو چیز تھی اس کو دیکھا تو کہا کہ آپ ﷺ مجھے اپنی پشت مبارک میں جو چیز ہے اس کے علاج کرنے کی اجازت دیجئے کیونکہ میں طبیب (معالج) ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم رفیق ہو اور طبیب اللہ تعالی ہی ہے۔

40/4725۔حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا[27] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو

---

[26] **قولہ** :یقید الاب من ابنہ. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باپ کا بیٹے سے قصاص لیتے تھے اور بیٹے کا باپ سے قصاص نہیں لیتے تھے۔اور قود کے معنی قصاص کے ہیں۔علماء نے فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ باپ بیٹے کے وجود کا سبب ہے۔اسی وجہ سے جائز نہیں کہ بیٹا باپ کی فنا کا سبب بنے۔(لمعات)

[27] **قولہ**: ان رجلا قتل عبدہ الخ (ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا) اس میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ آزاد اگر کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا مگر جب آقا اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا غلام اس کا اپنا مال ہے تو اس کو اپنی ذات کے خلاف مطالبہ کا حق نہیں البتہ اس پر کفارہ واجب ہے۔(جوھرہ)

پس یہ تمام احادیث ہماری دلیل ہیں۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اگر چہ کہ وہ دوسرے......

سو (100) کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے اس کو شہر بدر کر دیا اور مسلمانوں سے اس کے حصے کو ختم کر دیا، اور آپ ﷺ نے اس سے اس کا قصاص نہیں لیا۔ اور اس کو حکم فرمایا کہ وہ ایک غلام آزاد کر دے۔ بیہقیؒ نے اس کو اپنی سنن میں اور دار قطنی نے اپنی سند سے اس کی روایت کی ہے۔

41/4726۔ بیہقیؒ کی ایک اور روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک باندی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آ کر کہا کہ میرے آقا نے مجھ پر تہمت لگائی اور مجھے آگ پر بٹھایا؛ یہاں تک کہ میری شرم گاہ جل گئی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سے فرمایا: "کیا اس نے تجھ پر اس (جلے ہوئے حصہ) کو دیکھا" اس نے کہا: "نہیں" تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کیا تو نے اس کے لئے کسی چیز کا اعتراف کیا ہے؟ اس نے کہا: "نہیں" حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اس کو میرے پاس حاضر کیا جائے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس آدمی کو دیکھا تو کہا: "کیا تو اللہ تعالی کا عذاب دیتا ہے؟" اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے اس کو اس کے نفس کے بارے میں تہمت لگائی۔ حضرت عمرؓ

......کا غلام ہو۔ اور ان کی دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ہے "اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ" آزاد کو آزاد کے بدلے اور غلام کو غلام کے بدلے۔ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 178) پس اس میں جو مقابلہ ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے کیونکہ آزاد مالک ہے اور غلام مملوک ہے دونوں کے درمیان کوئی مساوات نہیں ہے۔ اور قصاص مساوات پر قائم ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس بات میں تمام نصوص عام ہیں جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ. (المائدۃ، آیت نمبر: 45) اور اللہ تعالی کا ارشاد: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى. (البقرۃ، آیت نمبر: 178) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی "العمد قود" اور یہ (نصوص) امورِ مذکورہ کے معارض نہیں ہیں کیونکہ ان میں تقابل مقید ہے ہم جو بیان کئے ہیں اس میں تقابل مطلق ہے اور مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جا سکتا اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ "الحر بالحر" کا تقابل "الحر بالعبد" کے معارض نہیں ہے کیونکہ ان میں عموم کے تحت جتنی چیزیں آئی ہیں ان میں کی بعض چیزوں کا ذکر ہے جو اس عموم کے حکم کے موافق ہیں۔ ان میں سے چند چیزوں کو ذکر کرنے سے باقی چیزوں کی تخصیص لازم نہیں آتی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس میں الانثی بالانثی، والذکر بالذکر (عورت عورت کے، مرد مرد کے) کے مقابل ہے لیکن یہ مرد کا عورت کے مقابل ہونے کو مانع نہیں ہے۔

اسی طرح "العبد بالحر" (غلام، آزاد) کے مقابل ہونے کو بھی مانع نہیں ہے یہاں تک کہ آزاد کے بدلے بالاتفاق غلام کو قتل کیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح اس کے عکس (یعنی غلام کے بدلے آزاد) کے لئے بھی مانع نہیں ہے کیونکہ اگر وہ مانع ہو تو اس کے عکس (یعنی آزاد کے بدلے غلام) کے لئے بھی مانع ہوگا۔ (مرقات، ردالمحتار، شروح کنز)

نے پوچھا: ''کیا تو نے اس کو اس حالت پر دیکھا؟'' اس شخص نے جواب دیا: ''نہیں'' آپ نے پوچھا: کیا اس نے تم سے اس کا اعتراف کیا؟ اس نے کہا: ''نہیں'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ کسی غلام کا اپنے مالک سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ کوئی بیٹے کا اپنے باپ سے قصاص لیا جائے تو میں ضرور تجھ سے اس کا قصاص لیتا۔ پھر آپ نے اس کو سامنے کیا اور اس کو سو (100) کوڑے لگائے اور باندی سے فرمایا: ''تو چلی جا! تُو اللہ تعالی کی راہ میں آزاد ہے۔ اور (اب) تو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی باندی ہے''۔

42/4727۔ اور ابو داؤدؒ نے روایت نقل کی ہے عمرو بن شعیبؒ، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک فریادی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ اس کی ایک باندی'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تجھ پر افسوس ہے تجھے کیا ہو گیا۔ تو اس نے کہا: ایک شر ہو گیا۔ اس نے اپنے آقا کی ایک باندی کو دیکھ لیا۔ پس وہ اس پر غیرت میں آ گیا اور اس کے آلہ تناسل کو کاٹ ڈالا۔ 28؎ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس آدمی کو میرے پاس لے آؤ۔ اس کی تلاش کی گئی اس کو نہیں لا سکے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائے تو چلا جا کیونکہ تو آزاد ہے تو اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مدد کس کے ذمہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر مسلمان پر'' یا فرمایا ''ہر مومن پر'' ہے۔

43/4728۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی آدمی کو اس کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس کی وجہ سے صدقہ دیتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالی اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند

28؎قولہ: فجب مذاکیرہ (اس کے مذاکیر (شرم گاہ) کو کاٹ دیا)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غلام کے کسی حصے کے بدلے میں آزاد کے کسی حصے کو بالاتفاق کاٹا نہیں جائے گا۔ اور اس میں قصاص نہیں ہے ہمارے پاس اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے پاس یہی ہے۔ اس لئے ہدایہ میں ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان جان کے سوا دیگر اعضاء میں قصاص نہیں۔ آزاد اور غلام کے درمیان اور دو غلاموں کے درمیان بھی اعضاء میں قصاص نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ان تمام مسائل میں اختلاف ہے سوائے آزاد کے عضو کے، اس کے بدلے غلام کا عضو کاٹا جائے گا۔

فرماتا ہے اور اس سے ایک گناہ کو مٹا دیتا ہے۔(ترمذی، ابن ماجہ)

44/4729۔حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ان پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کروا دیا جنہوں نے ایک شخص کو دھوکہ سے قتل کر دیا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اہل صنعاء اس پر (قتل پر) آپس میں مدد کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔29 امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی روایت کی ہے۔

45/4730۔اور امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے اسی طرح روایت کی ہے۔

46/4731۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی آدمی کو پکڑ لے اور دوسرا اس کو قتل کر دے تو جس نے قتل کیا ہے اس کو قتل کیا جائے گا (قصاص میں) اور جس نے پکڑا تھا اس کو قید کر دیا جائے گا۔30 (دارقطنی)

47/4732۔اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں جو کسی آدمی کو عمداً قتل کر دیا تھا اور ایک دوسرے آدمی نے اس کو پکڑا تھا تو یہ فیصلہ فرمایا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے گا اور دوسرے کو قید میں ڈالا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔(امام شافعیؒ)۔

---

29 قولہ: لو تما لا علیہ اھل صنعاء لقتلتھم جمیعا لذلک (اگر اس پر تمام اہل صنعاء آپس میں مدد کرتے تو اس کی وجہ سے ان سب کو میں قتل کر دیتا)۔اس لئے ہدایہ میں ہے کہ اگر عمداً کوئی جماعت کسی ایک آدمی کو بھی قتل کرے تو ان سب سے قصاص لیا جائے گا۔

30 قولہ: یقتل الذی قتل ویحبس الذی امسک (جس نے قتل کیا ہے اس کو قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑا تھا اس کو قید کر دیا جائے گا)۔اس حدیث میں دلیل ہے کہ جو آدمی مقتول کو قتل کرتے وقت پکڑا اس پر قصاص لازم نہیں اور اس کے اس عمل کو قتل میں شرکت قرار نہیں دیا جائے گا۔اور یہ کسی آدمی کو ایک جماعت مل کر قتل کرنے کی طرح سے نہیں ہے بلکہ صرف اس کو قید کرنا واجب ہے۔اور صاحب بحر نے یہ بات شافعیہ اور حنفیہ دونوں جماعتوں کی طرف سے نقل کی ہے۔اور مذکورہ حدیث واثر سے ان سب نے استدلال کیا ہے اور اللہ تبارک وتعالی کے ارشاد:

''فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ''(2۔سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:194)(جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسا اس نے تم پر کیا) سے بھی اس کا استدلال ہوتا ہے مذکورہ قید کی مدت میں کمی، زیادتی کو جمہور علماء نے حاکم وقت کی رائے کے حوالہ کیا ہے کیونکہ اس میں غرض تادیب ہے موت تک اس کو قید رکھنا مقصود نہیں ہے۔ (نیل الاوطار، ردالمحتار)

(1/165) بَابُ الدِّيَاتِ

دیات کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا فرمان ہے: ''وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰی اَهْلِهٖ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا'' (4، سورۃ النساء، آیت نمبر: 92)

یعنی مقتول کے لوگوں کو خون بہا دیا جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔

1/4733۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ اور یہ یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔ 1 (بخاری)

2/4734۔ اور ان ہی سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگلیں برابر ہیں اور دانت برابر ہیں، سامنے کا دانت اور داڑھ برابر ہیں یہ اور یہ برابر ہیں۔ (ابوداؤد)

3/4735۔ اور انہیں سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا (ابوداؤد، ترمذی)

4/4736۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے اس بچہ کی دیت میں جو مر کر گر پڑا تھا 2 ایک غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا پھر وہ عورت جس پر غلام کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ مر گئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے لڑکوں اور خاوند کی ہے اور دیت اس کے عصبہ (پدری رشتہ

---

1 قولہ: هذه وهذه سواء يعنى الخنصر والابهام یعنی یہ دونوں (چھوٹی انگلی اور انگوٹھا) دیت میں برابر ہیں۔ اگرچہ کہ انگوٹھے کے جوڑ چھوٹی انگلی سے کم ہیں۔ ہر انگلی میں دیت کل دیت کا دسواں حصہ ہے اور یہ دس اونٹ ہیں۔ شرح السنۃ میں ہے کسی انگلی کو کوئی کاٹ دے تو اس میں دس اونٹ واجب ہیں اور اگر انگلی کے کسی پور کو کاٹ دے تو اس میں انگلی کی دیت کا تیسرا حصہ دینا ہوگا۔ سوائے انگوٹھے کے پور کے، اس کی دیت انگلی کی دیت کا نصف ہے کیونکہ انگوٹھے میں صرف دو پور (دو جوڑ) ہوتے ہیں۔ تمام ائمہ اکرام کے پاس ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (مرقات، ہدایہ)

2 قولہ: سقط ميتا (مر کر اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا) میتاً ترکیب میں حال مقیدہ ہے اس لئے جب کوئی کسی (حاملہ) عورت کے پیٹ پر مارنے اور پیٹ کا بچہ مر کر گر جائے تو اس کی دیت ایک غرہ (یعنی غلام یا باندی) ہے اور اگر زندہ گرا پھر مر گیا تو اس میں مکمل دیت دینا ہوگا۔ ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی............

داروں) پر ہے (بخاری، مسلم)۔

5/4737۔عمرو بن شعیبؒ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیت مقتول کے وارثوں کے درمیان میراث ہے اور حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبہ (پدری رشتہ داروں) کے درمیان ہے اور قاتل کچھ بھی میراث نہ پائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)۔

6/4738۔اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت

............اختلاف نہیں ہے البتہ اختلاف ثبوت حیات میں ہے۔ ہر وہ چیز جو حیات پر دلالت کرتی ہے مثلاً آواز کرنا دودھ پینا سانس لینا اور چھینکنا وغیرہ ان تمام چیزوں سے ہمارے مذہب (حنفی) میں حیات ثابت ہوتی ہے۔لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمھا اللہ کے پاس صرف آواز کرنے سے ہی حیات ثابت ہوگی۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے حیات کا پتہ چلے مثلاً دودھ پینا، چھینکنا، اور سانس لینا یہ سب آواز کرنے کی طرح حیات پر دلالت کرتے ہیں لیکن صرف کوئی عضو حرکت کرے تو یہ اس کی حیات پر دلالت نہیں ہے کیونکہ عضو کا حرکت کرنا کبھی اختلاج کی وجہ سے یا تنگی سے نکلنے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔اور اگر بچہ مرکر نکلے اور پھر ماں مرجائے تو اس ماں کو قتل کرنے کی دیت اور بچے کے مردہ ہوکر نکلنے کا غرہ دینا ہوگا۔اور صحیح حدیث میں ہے کہ ایسے مسئلہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت اور غرہ دونوں کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اور اگر اس مار سے ماں کا انتقال ہوجائے پھر اس کے بعد پیٹ کا بچہ زندہ نکل کر مرجائے تو اس پر ماں کی دیت اور بچے کی دیت دونوں واجب ہونگے کیونکہ اس نے دو جانوں کو قتل کیا ہے۔اور اگر ماں مرجائے اور اس کے بعد بچہ مرکر نکلے تو ایسی صورت میں صرف ماں کی دیت واجب ہے۔جنین کے بارے میں کوئی چیز دینا نہیں ہے۔لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں جنین کے بارے میں غرہ ہوگا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جنین کی موت بھی اسی مار سے ہوئی ہے اور یہ اس صورت کی طرح ہے جس میں ماں زندہ رہے اور جنین مردہ ہوکر نکلے۔مگر ہمارا جواب یہ ہے کہ ''ماں کا انتقال'' جنین کی موت کے دو اسباب میں سے ایک سبب ہے کیونکہ ہوسکتا ہے ماں کے مرنے سے اس کا دم گھٹ گیا ہو۔اس لئے کہ جنین کا سانس لینا ماں کے سانس لینے کے ساتھ ہوتا ہے اور جب شک ہوجائے تو شک کی وجہ سے ضمان واجب نہیں ہوتا۔اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر جنین مرکر بھی گر جائے تب بھی شک ثابت ہے کیونکہ اس میں جنین کی موت مار کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس میں جان ہی نہ ڈالی گئی ہو۔اس کے باوجود اس میں ضمان واجب کیا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس صورت میں غرہ کا ضمان خلاف قیاس ہے۔اور نص سے ثابت ہے جس کا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں اور اس میں احتمال ایک ہی وجہ سے ہے......

کی ہے کہ قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی کے تحت (نکاح میں) دو عورتیں تھیں۔ایک دنے وسرے کو خیمہ کی چوب (لکڑی) سے مارا اور اس کو قتل کردیا اور اس کے جنین (پیٹ کے بچہ) کو بھی قتل کردیا۔ چناچہ دوآدمیوں نے اس مقدمہ کو حضرت نبی اکرم صلی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔تو ان دو میں سے ایک نے کہا اس (جنین) کی دیت ہم کیسے دیں جس نے نہ چیخا اور نہ کھایا اور نہ پیا اور نہ رونے کی آواز نکالی۔تو حضور اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے بدوی عرب کی مقفی (قافیہ والی) گفتگو کی طرح گفتگو کیا۔اور آپ ﷺ نے اس (جنین) کے بارے میں ایک غرہ (غلام یا باندی) کا فیصلہ فرمایا۔اور اس کو عورت کے عاقلہ (پدری رشتہ دار) پر مقرر فرمایا۔اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

7/4739۔حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی علیہ وسلم نے جنین کے بارے میں قاتلہ کے پدری رشتہ دار پر ایک غلام کا فیصلہ فرمایا۔(ابن ابی شیبہ)

8/4740۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو پتھر پھینک کر مارا اور اس نے اس کو اور اس کے

......اور جو مسئلہ ہمارے زیر بحث ہے وہ الگ ہے۔اس میں کئی وجوہ سے احتمالات ہیں۔

اس میں جان کے نہ ڈالے جانے کا بھی احتمال ہے۔اور غذا منقطع ہوجانے کے سبب بھی موت ہوسکتی ہے اور ماں کے انتقال کر جانے سے بھی موت ہوسکتی ہے۔پس اس مسئلہ کو نہ اس پر قیاس کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں ایسی کوئی دلالت ہے لہذا یہ مسئلہ اصل قیاس پر قائم رہے گا یعنی ضمان واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر جنین بچہ ہے تو مرد کی دیت کا بیسواں حصہ مراد ہے اور اگر جنین بچی ہے تو عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک حصہ پانچ سو (500) درہم ہے۔جیسا کہ ابن ابی شیبہ، بزار اور ابوداود کی روایت میں ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی رحمہما اللہ اور جو حضرات اس کی مقدار چھ سو درہم مقرر کئے ہیں ان کے خلاف یہ حجت ہے۔ہمارے پاس یہ دیت عاقلہ (قاتل کے پدری رشتہ داروں) پر ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مارنے والے کے مال میں ہے کیوں کہ یہ ایک عضو کا بدلہ ہے۔اور یہ انگلیوں میں سے کسی انگلی کے کاٹے جانے کی طرح ہے۔اور عاقلہ پر صرف جان کے بدلے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اور ہماری دلیل یہ حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے غرہ کا فیصلہ عاقلہ پر کیا ہے۔اس کو امام ابوداودؒ اور امام ترمذیؒ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے۔اور ابن ابی شیبہؒ نے بھی اس کو حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ جنین کی جان کا بدلہ ہے۔حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ......

جنین کو مار ڈالا۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کے جنین کی دیت ایک غرہ (غلام یا باندی) ہے۔اور آپ ﷺ نے مقتولہ عورت کی دیت کا قاتلہ کے عصبہ (پدری رشتہ دار) پر فیصلہ فرمایا۔اس کی اولاد اوران کے رشتہ داروں کو آپ ﷺ نے وارث قرار دیا۔(بخاری، مسلم)

9/4741۔حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک عورت نے اپنی سوکن کو جو حاملہ تھی خیمہ کی چوب سے مارا۔اوراس کو قتل کردیا۔انہوں نے کہا کہ ان میں سے ایک عورت قبیلہ بنی لحیان کی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت کو قاتلہ کے پدری رشتہ داروں کے ذمہ فرمادیا۔ اور جنین کی دیت، غرہ (ایک غلام یا باندی) مقرر فرمائی۔(مسلم)

10/4742۔عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے ایک عورت کو کوئی چیز (لکڑی یا پتھر) (پھینک کر) ماردیا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لڑکے کے بارے میں پانچ سو کا فیصلہ فرمایا اور حذف (یعنی لکڑی یا پتھر سے پھینک مارنے) سے منع فرمایا۔(مسند بزار)

......اس کو دیت فرمایا ہے کیوں کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں "تم اس کی دیت دو"اوران لوگوں نے جو کہا کہ "أندی من لا صاح ولا استھل"(کیا ہم ایسے کی دیت دیں جو نہ چیخا ہے اور نہ ہی آواز کیا ہے)(الحدیث) پھر ہمارے پاس غرہ کی ادائی عاقلہ پر سال بھر میں واجب ہے۔اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جان کی دیت کی طرح (3) تین سال میں اس دیت کی ادائی کی جائے گی۔

اس بارے میں ہماری دلیل حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حدیث شریف ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے عاقلہ پر سال بھر میں دیت کا ادا کرنا واجب قرار دیا ہے۔صاحب ہدایہ نے اس کا ذکر کیا ہے اگر چہ کہ انہوں نے اس کا حوالہ نہیں دیا مگر محدثین نے ہدایہ کے احادیث کی تخریج کی ہے۔

نیز علماء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بلاغات مرفوع احادیث کے حکم میں ہیں۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جنین کی دیت میں دو شبہ ہیں۔

1۔جان کا شبہ کیونکہ وہ اپنے طور پر زندہ ہے۔

2۔جسم کا ایک حصہ ہونے کا شبہ ہے کیونکہ وہ ماں کے ساتھ متصل ہے۔

ہم وراثت کے حق میں شبہ اول پر عمل کئے ہیں اور حق تاجیل یعنی مؤخر کرنے میں دوسرے شبہ پر عمل کئے ہیں۔ اور بدل عضو جب وہ بیسواں حصہ ہوتا ہے تو ایک سال میں اس کی ادائی واجب ہوتی ہے اور یہاں ایسا ہی ہے۔ چونکہ حدیث شریف مطلق ہے اس لئے (500) درہم کے واجب ہونے میں اکثر اہل علم کے پاس جنین کا مذکر ہونا یا......

11/4743۔ زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے غرہ کو پچاس دینار کے برابر قرار دیا۔ اور ہر دینار کو دس (10) درہم قرار دیا۔ (ابن ابی شیبہ)

12/4744۔ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ غرہ پانچ سو درہم ہے۔ (ابوداؤد)

13/4745۔ حضرت امام محمد رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے عاقلہ (پدری رشتہ داروں) پر (دیت کی ادائی کیلئے) ایک سال مقرر فرمایا۔ محدثین نے کہا کہ امام محمد کے بلاغات مسند (مرفوع) روایتوں کے حکم میں ہیں۔

14/4746۔ اور حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے روایت ہے ان دونوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ (قتل) شبہ عمد میں 3 پچیس حِقّے، پچیس جذعے، پچیس بنت لبون اور پچیس بنت مخاض ہیں (ابوداؤد)۔ یہ مرفوع حدیث کی طرح ہے۔ کیونکہ مقداریں رائے سے معلوم نہیں ہوتیں۔

......مؤنث ہونا دونوں برابر ہیں۔ (مرقات، ہدایہ، عنایہ، تعلیق مجد، شروح کنز)

3 قولہ: فی شبه العمد خمس وعشرون حقة الخ (شبہ عمد میں 25 حقے دیت ہے)

اسی لئے ہدایہ میں ہے کہ شبہ عمد کی دیت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سو اونٹ چار نوعیت کے ہیں (عمر کے اعتبار سے)۔

(1) 25 بنت مخاض (ایک سالہ) **(2)** 25 بنت لبون (دوسالہ)

(3) 25 حقہ (تین سالہ) **(4)** 25 جذعہ (چار سالہ)

امام محمد اور امام شافعی رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ سو اونٹ تین نوعیت کے ہیں۔

30 جذعہ 30 حقہ اور

40 ثنیہ یعنی ایسی چالیس حاملہ اونٹنیاں، جن کے پیٹ میں بچے ہوں

کیوں کہ رسول اللہ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خطاء عمد کا مقتول، کوڑے اور لٹھ سے قتل کئے ہوئے کی طرح ہے اور اس کی دیت سو اونٹ ہے جن میں چالیس حاملہ ہوں۔

اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں تیس حقے، تیس جذعے ہیں اور اس لئے کہ شبہ عمد کی دیت زیادہ سخت ہے ہم نے یہی بات بیان کی ہے۔ اور ان دونوں شیخین کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان کی جان کی دیت سو اونٹ ہیں اور ان دونوں (امام شافعیؒ و امام محمدؒ) کی حدیث ثابت نہیں ہے کیوں کہ صفت تغلیظ میں صحابہ علیہم الرضوان کا اختلاف ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بطور تغلیظ چار نوعیت کے اونٹ فرمائے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور یہ حدیث، مرفوع حدیث کی طرح ہے لہذا اس سے ان ......

15/4747۔حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہ عمد کا بدلہ قتل عمد کی طرح سخت ہے لیکن اس کے مرتکب کو قتل نہیں کیا جائے گا۔(ابوداؤد)

16/4748۔حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے پاس ایک فرمان لکھا، آپ ﷺ کے فرمان میں یہ تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے کئے کا قصاص ہوگا۔مگر یہ کہ مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں۔اس میں یہ بھی تھا کہ مقتولہ عورت کے بدلے (قاتل) مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہ بھی تھا کہ جان کی دیت سو اونٹ ہیں۔4 اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے۔5

......کے مقابل میں استدلال کیا جا سکتا ہے۔

4 قولہ: فی النفس الدیة الخ (جان کی دیت سو100 اونٹ ہے) قتل عمد میں قصاص نہ لیا جائے تو اس کی جگہ سو اونٹ ہیں اور قتل خطا اور قتل شبہ عمد میں سو اونٹ بالکل متعین ہیں۔اور کتاب الرحمۃ میں ہے کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے۔آزاد مسلمان مرد کی دیت جب وہ دیت لینا چاہیں تو قاتل عامد (عمداً قتل کرنے والا) کے مال میں سے سو اونٹ ہیں البتہ اس کو فی الفور یا تاخیر سے دئے جانے میں اختلاف ہے۔

اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ فی الفور دینا ہوگا۔اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تین سال کی مدت میں دینا ہوگا۔

قتل عمد کی دیت میں اختلاف ہے۔حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں چار نوعیت کے اونٹ ہیں۔

25 بنت مخاض 25 بنت لبون 25 حقہ 25 جذعہ

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین حصوں پر منقسم ہونگے۔

حقہ 30 جذعہ 30 اور خلفہ یعنی حاملہ اونٹنیاں 40

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت اس کے موافق ہے، اب رہا شبہ عمد کی دیت امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ کے پاس وہ عمد محض کی دیت کی طرح ہے۔اا اور اس بارے میں امام مالک رحمۂ اللہ سے روایت مختلف ہیں اور قتل خطا کی دیت تو امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے پاس پانچ نوعیت کے اونٹ ہیں

جذعہ 20، حقہ 20، بنت لبون 20، ابن مخاض 20 بنت مخاض 20 (مرقات)

5 قولہ: وعلی اھل الذھب الف دینار (اور جس کے پاس سونا ہے وہ ایک ہزار دینار دے) دینار اور......

اور ناک کی 6 دیت جب کہ وہ پوری کاٹی گئی ہو سو اونٹ ہیں اور دانتوں میں دیت ہے 7 اور

......درھم کو دیت میں لیا جاسکتا ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں دیت میں اس کو اونٹ ہونے کے باوجود لیا جاسکتا ہے۔ پھر اس بارے میں کہ اونٹ اصل ہیں اور دینار و درہم اس کا بدل ہیں، یا دونوں اصل ہیں۔ اس بارے میں ان دونوں حضرات سے دو دو روایتیں آئیں ہیں۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اونٹ اصل ہیں کیونکہ وہ شریعت کی طرف سے مقرر ہیں۔ اور اونٹوں کے ہوتے ہوئے درہم و دینار کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اونٹ اگر پایا جائے تو اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا سوائے اس کے دونوں کی رضامندی ہو۔ اگر اونٹوں پر قادر نہ ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول ہیں اور قول جدید میں یہ ہے کہ قبضہ کرتے وقت جو بھی قیمت ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا خواہ زائد ہو یا کم اور یہ قول (جدید) راجح ہے۔

اور قول قدیم میں جو ضرورتاً معمول بہ ہے اس میں یہ ہے کہ اس کا معادلہ (1000) ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم سے ہوتا ہے۔ لیکن درہم سے دیت کی اس مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ دس ہزار (10,000) درہم فرماتے ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ بارہ بارہ ہزار درہم فرماتے ہیں۔ کتاب اختلاف الائمہ میں ایسا ہی ہے۔ ظاہر حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کرتی ہے کیونکہ حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے "**وعلی اھل الذھب**" اس کی اصل عبارت یہ ہوتی ہے کہ "**مائة من الابل علی اھل الابل والف دینار اومایقوم مقامھا وھو عشرة آلاف درھم علی اھل الذھب**" یعنی اونٹ والوں پر سو اونٹ ہیں اور سونا رکھنے والوں پر ہزار دینا ہیں یا اس کے قائم مقام دس ہزار درہم۔ (مرقات)

6 قولہ: وفی الانف اذا وعب جدعه الدية مائة من الابل (اور ناک کی دیت جب کہ اس کو مکمل طور پر کاٹ دے، سو اونٹ ہیں) اطراف اعضاء کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب مکمل طور پر اس کی منفعت کو ختم کردے یا آدمی میں جو خوبصوتی مقصود ہے اس کو پورے طور پر زائل کردے تو مکمل دیت لازم ہے کیونکہ من وجہ یعنی یہ ایک اعتبار سے نفس کو ضائع کرنا ہے اور انسان کی عظمت و حرمت کی غرض سے اس کو پاک جان مکمل طور پر ضائع کرنے کے حکم سے ملا دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل حضور پاک علیہ والہ الصلوۃ والسلام کا زبان اور ناک کے بارے میں مکمل دیت کا فیصلہ فرمانا ہے۔

اور اس (اصل) سے بہت سے جزئیات نکلتے ہیں۔ پس ہم ناک کے بارے میں کہتے ہیں کہ کامل دیت ہوگی۔ کیونکہ اس سے خوبصورتی کو جو مقصود ہے مکمل طور پر ختم کردیا گیا ہے۔

اسی طرح ناک کے نرم حصے یا اس کے سرے کو کاٹ دے تو ایک پوری دیت دینا ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے خوبصورتی کو زائل کرنے سے متعلق ذکر کیا ہے۔ اور اگر ناک کے نرم حصے کو بانس کے ساتھ کاٹ دے تو ایک ہی دیت جائے گی کیونکہ یہ پورا ایک عضو ہے۔ (ہدایۃ)

7 قولہ: فی الاسنان الدية (دانتوں میں دیت ہے) طیبی نے فرمایا اگر تم یہ کہو کہ اس حدیث میں اور......

ہونٹوں میں دیت ہے8اور دونوں خصیوں میں دیت ہے۔اور آلہ تناسل میں دیت ہے اور پیٹھ کی

......آنے والی حدیث ''وفی الاسنان خمسا خمسا من الا بل ''(دانتوں میں پانچ پانچ اونٹ ہیں) میں کیسے موافقت ہوگی تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ وہاں جمع میں افراد کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہاں اس کی حقیقت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

اس کی مثال الف لام تعریفی میں ہے کہ اس سے حقیقت جنس اور استغراق دونوں بھی مراد ہوتے ہیں۔اور اسی لئے ''خمسا'' کو مکرر لایا گیا ہے تاکہ وہ باعتبار اخماس کامل دیت کو شامل ہوجائے۔

ابن حاجب فرماتے ہیں عرب میں کسی چیز کو دومرتبہ لانا اس لفظ کے معنی مطلوب کے اعتبار سے تمام جنس کی تفصیل کا احاطہ کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور اس میں ''پانچ پانچ'' دیت پر زیادتی کو ظاہر کرنے کے لئے ہے (مرقات)

8۔قولہ :وفی الشفتین الدیة الخ(اور ہونٹوں میں دیت ہے) اس بات کو جانو کہ بدن انسانی میں جس عضو کا کوئی ثانی نہیں یا اس میں کوئی ایسی صفت ہو جو مقصود ہے تو ان میں کامل دیت ہے اعضاء چار قسم کے ہیں۔

(1)۔تنہا ایک ایک اور وہ تین ہیں ناک، زبان، عضو تناسل اور بدن انسانی میں صفات مقصودہ جو ایک ایک ہیں عقل، نفس، قوت شامہ اور قوت ذائقہ ہیں۔

(2) اور ایسے اعضاء جو جوڑ دار ہیں وہ دو آنکھ، دو کان، دو ابرو، دو ہونٹ، دو ہاتھ، عورت کے دو پستان، دو خصیے اور دو پیر ہیں۔ان دونوں میں پوری دیت ہے اور ان میں سے ایک میں آدھی دیت ہے۔

(3) اور وہ اعضاء جو چار چار ہیں وہ آنکھ کی پلکین ہیں اور ہر پلک میں چوتھائی دیت ہے۔

(4) اور جو اعضاء دس دس ہیں وہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کی انگلیاں ہیں۔دس انگلیوں میں کامل ایک دیت ہے۔اور ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔

(5) اور جو اعضاء دس سے زائد ہیں وہ دانت ہیں اور وہ ہر ایک میں دیت کا بیسواں حصہ ہے۔(ردالمحتار)

اب رہا امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے جو روایت کی ہے کہ فقراء کے ایک بچہ نے اغنیاء کے ایک بچہ کا کان کاٹ دیا تو اس کے رشتہ دار، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور انہوں نے عرض کیا کہ ہم فقراء لوگ ہیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔

اس میں ہمارے لئے اس بات پر دلیل ہے کہ بچہ کا عمد بھی خطا کے حکم میں ہے کیونکہ اس کی یہ حرکت اس کے اختیار صحیح سے نہیں ہے اسی لئے اس سے قتل میں قصاص نہیں لیا جاتا۔بلکہ اس میں عاقلہ پر دیت ہوتی ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بچہ کا عمد بھی عمد ہے اور اس پر اس کے مال میں سے دیت واجب ہوگی نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کئے ہیں کہ خطا کی جنایت اگر وہ فقراء ہوں تو عاقلہ پر لازم نہیں ہے۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ عاقلہ کی حدیث مطلق ہے اور اگر اس کے تنگدست عاقلہ کوئی......

دیت ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے اور ایک پیر میں آدھی دیت ہے 9

اور دماغ تک پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے 10 اور پیٹ کے زخم میں تہائی دیت ہے اور ہڈی ہٹ جانے والے زخم میں پندرہ اونٹ ہیں۔ اور ہاتھ پیر کی ہر ایک انگلی 11 دس اونٹ ہیں۔ اور دانت 12 میں پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، دارمی)

...... پیشہ اور کام کرتے ہیں تو ان پر دیت لازم آئے گی۔ (ہدایہ، مرقات، نیل الاوطار)

اور مولانا شیخ محمد محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تاویل میں فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کو ان (فقراء) پر فوری طور پر لازم نہیں فرمایا اور فوری طور پر ان سے اسکا مطالبہ نہیں کیا بلکہ سہولت اور وسعت کو اس کی مدت مقرر فرمادی ہو یا شارع علیہ السلام کا یہ حکم ان کے حق میں خاص ہو یا یہ کہ یہ ابتدائی حکم ہو پھر حدیث شریف کا اتنا حصہ منسوخ ہوگیا ہو کیونکہ اس جیسی دوسری مثالوں میں دیت کو جاری کیا گیا ہے، یہ سب اس وقت ہے جب کہ جنایت کا ارتکاب کرنے والا آزاد ہو۔ اور اگر جنایت کرنے والا غلام ہو تو تب بھی اس میں یہی توجیہات رہیں گی مگر اس کی جنایت عاقلہ پر نہیں بلکہ غلام پر ہوگی۔ انتھی

9 قوله: وفي الرجل الواحدة نصف الدية (اور ایک پیر میں نصف دیت ہے)

حضرت شمنیؒ نے فرمایا کہ بدن میں جو اعضاء جوڑ دار ہیں ان کے ہر دو میں کامل دیت واجب ہوتی ہے جیسے دو آنکھ، دو ہاتھ، دو پیر، دو ہونٹ، دو کان، دو خصیے۔ اور ان دو میں سے ایک ایک میں آدھی دیت ہے۔ (مرقات)

10 قوله: وفي المامومة ثلث الدية دماغ تک پہنچنے والے زخم میں تہائی دیت ہے۔ (ہدایۃ)

اور مرقات میں ہے کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مقادیر محض تعبدی (غیر قیاسی) ہیں اس کی معرفت کا شریعت کے بیان کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

11 قوله: وفي كل اصبع الخ (اور ہاتھ، پیر کی انگلیوں میں سے ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں) صاحب ہدایہ نے کہا: یہ اسی حدیث کی بناء پر ہے اور انگلیوں کی یہ دیت اس لئے بھی ہے کہ پوری انگلیوں کا کاٹنا جنس منفعت کو ختم کرنا ہے۔ اور ایسی صورت میں کامل دیت ہوتی ہے۔ اور انگلیاں دس ہیں اور کامل دیت ان دس پر تقسیم کی جائے گی۔ (ہدایہ)

12 قوله: وفي السن خمس من الابل: (اور دانت میں (دیت) پانچ اونٹ ہیں یا پچاس دینار یا پانچ سو درہم ہیں۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں یعنی اگر آزاد ہے تو دیت کا بیسواں حصہ ہے۔ اور اگر غلام ہے تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے۔ پس اگر تم کہو کہ ایسی صورت میں تمام دانتوں کی دیت جان کی دیت سے 3/5 بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ عام طور پر دانت بتیس (32) ہوتے ہیں تو اس میں دیت (16000) سولہ ہزار درہم واجب ہوتی ہے۔ اور یہ مقدار جان کی دیت پر 3/5 یعنی (6000) چھ ہزار زائد ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ ہاں اس میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ یہ خلاف قیاس ہے۔ اور نص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ......

17/4748۔ اور امام مالکؒ کی روایت میں یہ ہے کہ ایک آنکھ کی 13 دیت پچاس اونٹ ہیں اور ہاتھ میں پچاس اونٹ اور پیر میں پچاس اونٹ ہیں اور ہڈی ظاہر ہونے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔

18/4749۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ایسے زخموں کی دیت جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے تو پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ اور دانتوں میں (ہر ہر دانت) کی دیت بھی پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی) ترمذی اور ابن ماجہ نے (اس حدیث کے) ابتدائی حصہ کی روایت کی ہے۔

19/4750۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کے بارے میں چار دیتوں کا 14 فیصلہ فرمایا۔ اس نے ایک آدمی کو مارا تھا جس سے اس کی سماعت، بصارت، اس کا آلہ تناسل اور اس کی عقل چلی گئی۔

ابوالحارث اور عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے بھی اس کے ہم معنی روایت کی ہے۔

...... کتاب ''الغایۃ'' وغیرہ میں ہے اور کتاب ''عنایۃ'' میں ہے کہ ایسا عضو جس کو ضائع کرنے پر مقررہ مقدار سے بڑھ کر دیت واجب ہوتی ہو تو بدن میں سوائے دانتوں کے کوئی دوسرا نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

13 قولہ: وفی العین خمسون الخ (وہ آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں) یعنی آنکھ میں جان کی آدھی دیت پچاس اونٹ ہیں (ہدایہ)

14 قولہ: انہ قضی فی رجل الخ (ایک آدمی کے بارے میں چار دیتوں کا فیصلہ فرمایا) اس حدیث شریف میں دلیل ہے کہ ان مذکورہ چار چیزوں یعنی سماعت، بصارت، عضو تناسل اور عقل میں سے ہر ایک میں ہمارے پاس اور دیگر فقہاء کے پاس ایک دیت ہے۔

اور صاحب بحر نے اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کیونکہ صحابہؓ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ (نیل الاوطار)

اسی لئے ہدایہ میں ہے جو شخص کسی عضو پر مارے اور اس کی منفعت ختم کر دے تو اس میں کامل دیت ہے جیسا کہ ہاتھ شل ہو جائے اور آنکھ جب اس کی روشنی ختم ہو جائے تو اس میں کامل دیت ہے۔......

20/4751 ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عامر کے دو آدمیوں کی دیت، دو مسلمانوں کی دیت کی طرح [15] ادا فرمائی۔ ان دونوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد تھا۔ (ترمذی)

......اوراسی میں ایک مقام پر یہ ہے کہ اگر کوئی مار کر عقل ضائع کردے تو اس میں بھی دیت ہے۔ اور کسی کی سماعت یا بصارت، قوت شامہ یا قوت ذائقہ کو زائل کردے تو اس میں بھی دیت ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک منفعت مقصودہ ہے۔

[15] قولہ: ودی العامریین بدیة المسلمین (یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر قبیلہ کے دو آدمیوں کی دیت، دو مسلمانوں کی دیت کی طرح ادا فرمائی) یعنی مسلمان کی اور ذمی کی دیت اگرچہ وہ مجوسی ہو برابر ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چھ ہزار (6000) درہم ہے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "**عقل الکافر نصف دیة المسلم**" کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

اور کامل دیت ان کے (امام مالک کے) پاس بارہ ہزار درہم ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے نصرانی اور یہودی کی دیت چار ہزار درہم ہیں اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہیں کیونکہ اسی طرح مروی ہے۔ اور یہ ان کا قول قدیم ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے "قول جدید" میں سو اونٹ کا ایک ثلث (تہائی) ہے یا یہ نہ ہو تو سو اونٹوں کی ایک تہائی قیمت ہے اور مجوسی کے لئے بھی اسی طرح ہے۔

اور ہماری دلیل سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی حدیث شریف ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دیت جن کا آپ ﷺ سے معاہدہ تھا، جب ان کو عمرو بن امیہ ضمریؓ نے قتل کیا تو آپ ﷺ نے سو اونٹ ادا فرمائے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "**دیة کل ذی عهد فی عهده الف دینار**" معاہدہ کرنے والے کی دیت جب تک معاہدہ قائم ہے ہزار دینار ہے۔

اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہما ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر قرار دیتے تھے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ کفر کا نقص تو عورت اور غلام کے نقص سے زیادہ ہے تو اس کی (کفر کی) دیت اس سے کم ہونی چاہئے۔ اور اس لئے بھی کہ غلامی کفر کا اثر ہے اور جب کفر کے اثر میں دیت کم ہے تو اولیٰ کم ہونا چاہئے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ عورت اور غلام کی دیت کا کم ہونا اس کے عورت ہونے یا غلام ہونے کے نقص کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صفتِ ملکیت کے نقص کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت نکاح کی ملکیت نہیں رکھتی اور غلام مال کی......

21/4752 ۔ حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ آدمی جس سے عہد ہے جب تک وہ اپنے عہد پر ہے اس کی دیت ہزار دینار ہے۔ (مراسیل ابوداؤد)

22/4753 ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار میں ہیثم بن ابوالھیثم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم نے فرمایا ہے معاہد (جس سے معاہدہ ہے) کی دیت آزاد مسلمان کی دیت ہے۔

23/4754 ۔ حضرت خشف بن مالک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ خطاء کی دیت میں 16؎ بیس بنت مخاض، بیس20 ابن مخاض بیس بنت لبون، بیس جذعہ اور بیس حقہ کا فیصلہ فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

اور قول صحیح کے مطابق یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ پر موقوف ہے اور ملاعلی قاری نے فرمایا اس حدیث کو موقوف تسلیم کیا جائے تب بھی اس میں حرج نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اس لئے کہ مقادیر (مقداروں کا تعین) رائے سے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ حدیث جب مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے مروی ہوتی ہے تو اس کا اعتبار مرفوع میں ہوتا ہے۔

اور حضرت خشف رحمۃ اللہ علیہ کی امام نسائی نے توثیق کی ہے۔ اور ابن حبان نے ان کو ثقات

......ملکیت نہیں رکھتا جب کہ آزاد مردان دونوں کا مالک ہے۔ اسی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ گئی اور ان دونوں کی قیمت کم ہوگئی۔ اور اس مفہوم میں کافر، مسلمان کے برابر ہیں تو ضروری ہے کہ اس کا بدل مسلمان کے بدل کے برابر ہو۔ (مأخوذ از شروح کنز)

16؎ قولہ: قضٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دیۃ الخطأ الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ خطا کی دیت میں جو فیصلہ فرمایا) اس حدیث شریف کی بنا پر

قتل خطا کی دیت میں پانچ قسم کے سو اونٹ ہیں (20) ابنِ مخاض (ایک سالہ اونٹ)

(20) بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) (20) بنت لبون (دوسالہ اونٹنی)

(20) حقے (تین سالہ اونٹ) (20) جذع (چارسالہ اونٹ)......

میں ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے، حضرت عمرؓ سے اور اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اس لئے یہ معروف ہیں۔ کیونکہ معروف قرار دیئے جانے کے لئے کم از کم دو سے روایت کرنا ہے۔ حضرت شمنی نے کہا ہے کہ جن صاحب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں سے دیت ادا فرمائی ہے اس کے بارے میں ہمارے اصحاب نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ دیت دینا تبرعاً ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم نہیں قرار دیا ہے۔

24/4755 ۔ امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا ہم کو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے سونا رکھنے والوں 17 پر دیت میں ایک ہزار دینار اور چاندی ہو تو دس

......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہمارے مذہب کے مطابق ہے البتہ آپ نے فرمایا کہ ابن مخاض (ایک سالہ اونٹ) کے بجائے ابن لبون (دو سالہ اونٹ) واجب ہے اور ان پر ہماری حجت وہ احادیث ہیں جو ہم نے بیان کیا ہے۔ (مأخوذ از التکملۃ وعینی)

17 قولہ: فرض علی اھل الذھب فی الدیۃ ألف دینار الخ (انہوں نے سونا رکھنے والوں پر دیت میں ایک ہزار دینار مقرر کیا) جانو اس بات کو کہ اصل دیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ صرف اونٹ ہیں اور ما باقی اقسام مصلحت پر مبنی ہیں، شریعت کے مقرر کردہ نہیں ہیں۔ پس اس کی جو قیمت بھی واجب ہوگی۔

اس حدیث سے اور سابق حدیث ''علی اھل الذھب ألف دینار'' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ تین انواع اونٹ، سونا، اور چاندی اصل ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ اور ان کا تعین یا تو رضامندی سے ہوگا یا قاضی کے فیصلہ سے ہوگا اور اسی پر قاضی حضرات کا عمل ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کا حق قاتل کو ہے۔ اس کا حضرت امام قہستانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

اور اس سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے صحابہ رضوان اللہ تعالی عنہم کی موجودگی میں جب اس کا فیصلہ فرمایا تو کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا اس لئے یہ اجماع کے قائم مقام ہو گیا۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ نے فرمایا اونٹ، سونا، چاندی اور گائے دو سو اور بکری دو ہزار اور لباس دو سو جوڑے سب اصل ہیں۔ اس اختلاف کا فائدہ قاتل کو اختیار دینے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اختیار صرف تین قسموں میں سے رہے گا اور صاحبین کے پاس چھ قسموں میں رہے گا۔ اس اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کہ قاتل مقتول کے ولی سے دو سو گایوں سے بڑھ کر صلح کرے تو امام صاحب کے پاس یہ جائز ہوگا کیونکہ اس نے دیت کی جنس سے ہٹ کر دوسری چیز پر مصالحت کی ہے لیکن صاحبین کے......

ہزار درہم مقرر فرمائے تھے۔ 18 (بیہقی۔بسند امام شافعی رحمہ اللہ)

......قول پر یہ جائز نہیں جیسا کہ اگر وہ سو سے زائد اونٹوں پر یا ہزار دینار سے زائد پر مصلحت کرے تو یہ ناجائز ہے اسی طرح یہ بھی ناجائز ہوگا۔

اور بہتر بات تو وہ ہے جس کو امام صاحب نے اختیار کیا ہے جیسا کہ ’’المضمرات‘‘ میں ہے کیونکہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث شریف کے ظاہری معنی کو اختیار کر کے فرمایا ہے کہ دیت کی چھ انواع ہیں کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیت کی چھ قسمیں کی ہیں اور ہر قسم کی ایک مقدار مقرر کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک وقت میں ان سب کا فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ پس اس سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کی مقدار کو بیان کرنا ہے۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دیت اونٹ، درہم اور دینار میں سے دی جائے گی اور اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی مشہوری احادیث موجود ہیں۔

اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے گائے، بکری اور کپڑوں کے جوڑے کو شرع میں اختیار فرمایا تھا کیونکہ ان کا مال یہی تھا۔ چونکہ دیت میں ان کے لئے ان چیزوں کی ادائی آسان تھی۔ان پر سہولت کی خاطر آپ نے اس کو اختیار کیا۔

اس سے راوی کو یہ گمان ہوا کہ آپ کا یہ بیان ان قسموں میں دیت کی مقدار مقرر کرنے کے لئے تھا۔ پس جب وظائف اور عطایا جاری ہوئے تو ان کے اکثر اموال درہم، دینار اور اونٹ تھے۔ پس آپ نے دیت کا فیصلہ اسی میں سے فرمایا۔ پھر گائے، بکری کو دیات میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ چیزیں مکانات، غلام، باندیوں کے درجے میں ہیں۔ اسی طرح اونٹ کو بھی اس میں شمار نہیں کیا جانا چاہئے تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث اس بارے میں مشہور ہیں۔اس کی وجہ سے ہم خاص طور پر اونٹ میں قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(ماخوذ از مرقات، نیل الاوطار، ردالمحتار، بنایۃ، ہدایۃ مبسوط)

18 قولہ: ومن الورق عشرۃ آلاف درھم، (اور چاندی ہو تو دس ہزار درہم)

حضرت شمنی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس دیت سونا ایک ہزار دینار یا چاندی دس ہزار درہم یا اونٹ ایک سو ہیں۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے چاندی بارہ ہزار درہم ہے اور حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور حضرت امام اسحاق رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ کیونکہ چاروں اصحاب سنن نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے یہ روایت تخریج کی ہے۔ قبیلہ بنی عدی کے ایک صاحب قتل کئے گئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائی۔

اور ہماری دلیل جو امام ثوری کا اور حضرت امام شافعی کے اصحاب میں سے ابو ثور کا بھی قول ہے۔ امام بیہقی کی روایت ہے جو حضرت امام شافعی کی سند سے ہے کہ انہوں نے کہا ہم کو امام محمد بن حسن نے بیان فرمایا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے سونا رکھنے والوں کے لئے دیت میں سونے کے ایک ہزار دینار اور چاندی میں دس ہزار درہم مقرر کئے ہیں۔......

25/4756۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علاج کیا جب کہ وہ طبیب نا تجربہ کار ہو تو وہ (تاوان کی ادائی کا) ضامن ہے 19۔ (ابوداؤد، نسائی)

......امام شافعی رحمہ اللہ سے جو مروی ہے اس کی تأویل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درہم کا فیصلہ فرمایا تو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتداء عہد میں چھ درہم کا وزن چھ مثقال کے مساوی تھا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے تک یہ وزن قائم رہا۔ پھر اس کے بعد چھ درہم کا وزن سات مثقال کے برابر ہو گیا۔

حضرت تاج الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس روایت کردہ حدیث شریف کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے بارہ ہزار درہم کو جو واجب فرمایا ہے تو وہ چھ مثقال کے وزن کے اعتبار سے تھے جو سات مثقال کے حساب سے دس ہزار درہم ہوتے ہیں۔ (مأخوذ از مرقات و بنایۃ)

19 **قولہ فھو ضامن**: یعنی وہ معالج اس کی دیت کا ضامن ہے اور چونکہ مریض کی اجازت تھی اس لئے قصاص اس سے ساقط ہو جائے گا اور طبیب کی جنایت اکثر فقہاء کے پاس عاقلہ (پدری رشتہ دار) پر ہے۔ (مأخوذ از لمعات و مرقات)

خلاصۂ کلام جیسا کہ بذل المجھود میں ہے معالج (ڈاکٹر) جب اپنے ہاتھ سے کسی چیز کا علاج کرے مثلاً رگ کاٹے یا جلد چیرے یا کسی آلہ سے داغ دے یا اپنے ہاتھ سے دوا پلائے اور اس کو منھ میں ڈالے اور وہ عضو تلف ہو جائے تو اس کی جنایت سے ڈاکٹر پر دیت لازم آئے گی۔ لیکن جب ڈاکٹر اس کے لئے کوئی نسخہ لکھ دے اور مریض کے لئے اس کی وضاحت کر دے اور اس کو مریض اپنے ہاتھ سے کھائے تو اس کے لئے کوئی ضامن نہیں ہے۔

(2/166) بَابُ مَا لَا يُضْمَنُ مِنَ الْجِنَايَاتِ
ان جرائم کا بیان جن کا' تاوان نہیں

1/4757 ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوپائے کے زخمی کردینے کا ضمان (تاوان) نہیں 1 کان میں ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں 2 اور کنویں میں گرنے سے ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں ۔ (بخاری، مسلم)

---

1 **قولہ العجماء جرحها جبار** (چوپائے کے کسی کو زخمی کردینے کا ضمان (تاوان) نہیں) اس سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ جانور دوسرے کے مال کو خراب کردے اور اس کے ساتھ اس کا مالک نہ ہو تو اس پر ضمان نہیں خواہ رات میں ہو یا دن میں ۔

اور اگر اس کے ساتھ اس کا مالک ہو اور اس کو پیچھے سے ہانک رہا ہو تو ہر حالت میں تلف شدہ کا اس پر ضمان ہے اور اگر اس کا مالک سامنے ہو یا اس پر سوار ہو تو اس پر ان چیزوں کا ضمان ہے جن کو چوپائے نے منہ یا ہاتھ سے تلف کیا ہے ۔

اور جس کو (چوپائے) نے پیر سے تلف کیا ہے اس کا ضمان نہیں ہے البتہ اگر ساتھ رہنے والا اس کو تلف کرنے پر ابھارے یا اس کا قصد کرے تو ایسی صورت میں چونکہ اس کی طرف سے زیادتی پائی جارہی ہے اسی لئے وہ ضمان دے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانور دن میں اگر دوسرے کا مال تلف کردے اور مالک ساتھ نہ ہو تو اس پر ضمان نہیں ہے اور اگر مالک اس کے ساتھ ہو خواہ سوار ہو یا پیچھے سے ہانک رہا ہو یا سامنے ہو یا وہ جانور اس کے پاس ٹھہرا ہوا ہو ہر حالت میں اس پر ضمان ہے خواہ ہاتھ سے تلف کرے یا پیر سے یا منہ سے ۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ **العجماء جرحها جبار** مطلق ہے اور عام ہے، اس کے عموم پر عمل کرنا ضروری ہے البتہ زیادتی ہو تو وہ اس سے خارج ہے۔ (ماخوذ از عمدۃ القاری والمسوی)

اور التعلیق المجد میں ہے کہ ضمان کا نہ ہونا زخم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام نقصانات بھی اس کے ساتھ شامل ہیں۔

حضرت عیاض رحمۃ الہ علیہ فرماتے ہیں کہ زخم جو خاص طور پر ذکر کیا گیا وہ اکثریت کے اعتبار سے ہے یا یہ کہ وہ دوسرے اور نقصانات کے لئے ایک مثال کے طور پر ہے۔

2 **قولہ: والمعدن جبار والبئر جبار** (کان میں ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں اور کنویں میں گرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جانے کا ضمان نہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو اجرت پر کان کھودنے کے لئے لگائے اور وہ کنواں یا کان اس کھودنے والے کے اوپر گر جائے اور اس کی جان لے لے تو اس کا ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ قتل براہ راست اس کی طرف سے نہیں ہے، نہ اس کے سبب سے ہے۔ (ماخوذ از موطا امام محمد، التعلیق المجد)

2/4758۔ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں جیشِ عسرت (غزوہ تبوک) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک رہا۔ اور میرا ایک نوکر تھا جس کی ایک شخص سے لڑائی ہوگئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کتر دیا۔ جس کا ہاتھ کترا گیا تھا اس نے اپنے ہاتھ کو کترنے والے کے منہ میں اس طرح کھینچا کہ اس کا سامنے کا دانت اُکھڑ کر گر گیا وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے دانت کا تاوان نہیں دلایا۔ 3 اور آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ شخص اپنا ہاتھ تیرے منہ میں چھوڑے رکھتا، تاکہ تو سانڈ کی طرح اس کو چبا ڈالے۔ (بخاری ومسلم)

3/4759۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہی فرمایئے اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال چھین لینے آئے (تو کیا میں اپنا مال اس کے حوالہ کردوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! تم اس کو اپنا مال لینے نہ دو۔ اس نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے لڑے تو حضور ﷺ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑو۔ اس نے عرض کیا، بتلایئے اگر وہ مجھے مار ڈالے؟ آپ نے فرمایا (ایسی صورت میں) تم شہادت کا درجہ پاؤ گے۔ اس نے عرض کیا اگر میں اس

---

3 قولہ: فاهدر ثنيته (دانت کا کوئی تاوان نہیں دلایا) اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت یہ کہتی ہے: کوئی آدمی کسی کا ہاتھ کتر ڈالے اور وہ ہاتھ کو کترنے والے کے منہ سے کھینچ لے اور اس کا کھینچنا کترنے والے کے کسی دانت کو اکھاڑ دے تو اس دانت کی اس پر کوئی دیت نہیں۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا شریح رضی اللہ عنہما سے اسی طرح کی روایت ہے اور یہ قول کوفیین کا اور اما شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا ہے اور ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ جس کو کترا گیا ہے اگر وہ کترنے والے کو کسی دوسری جگہ زخمی کردے تو اس پر اس کا ضمان آئے گا ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دانت کی دیت کا ضامن ہے اور اس باب کی یہ حدیث پہلے حضرات یعنی حنفیہ وشافعیہ کی دلیل ہے۔ (عمدۃ القاری)

اور نیل الاوطار میں ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنایت اگر مجنی علیہ (جس پر زیادتی کی گئی ہو) پر خود اس کے کسی سبب سے ہو جیسے مذکورہ قصہ یا اس جیسا کوئی واقعہ ہو تو اس میں قصاص اور تاوان نہیں ہے اور جمہور کا مذہب یہی ہے لیکن اس میں یہ شرط ملحوظ رہے گی کہ جس کو کترا گیا ہے اسے اپنے ہاتھ کو یا کسی اور عضو کو اس سے آسان طریقہ سے چھڑا لینے کی قدرت نہ ہو اور یہ کترنا اس کے لئے تکلیف دہ ہو۔ مگر ظاہر حدیث سے اس کا شرط نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرط قواعد کلیہ کی بناء پر قید لگانے کے باب سے ہے۔

کو مار ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گا۔4 (مسلم)

4/4760۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے تو وہ شھید ہے (بخاری، مسلم)

5/4761۔ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے تو وہ شہید ہے۔ اور جو اپنے خون (جان) کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ بھی شھید ہے اور جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے 5 اور جو کوئی اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا

---

4 **قولہ: قال ارأیت ان قتلته قال هو فی النار** (آپ بتلائیں اگر میں اس کو مار ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ دوزخ میں جائے گا) اس حدیث کی رو سے ناحق کسی کا مال لینے کا ارادہ رکھنے والے کو قتل کر دینا جائز ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ کیونکہ حدیث کا حکم عام ہے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے بعض اصحابِ امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر وہ معمولی سی چیز کو طلب کیا ہے تو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کا قول درست نہیں اس معاملہ میں جمہور کا قول ہی درست ہے۔ اور اس حدیث شریف سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مال چُرانے والے کو جب قتل کر دیا جائے تو اس میں اس کے لئے نہ دیت ہے اور نہ قصاص۔ اور یہ بھی مسئلہ کہ مدافعت کرنے والا اگر اس میں قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔ (عمدۃ القاری) اور مرقات میں ہے اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کے مال یا جان کو فوت کرنے یا اس کے بیوی بچوں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا گیا ہو تو اس آدمی کو اجازت ہے کہ اس ارادہ کرنے والے کو اچھے طریقے سے اس کی مدافعت کرے اگر وہ بغیر لڑائی کے باز نہ آئے اور اس وقت اس کو قتل کر دے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

درمختار میں ہے جو آدمی کسی کے محارم پر زیادتی کرے تو ایسے آدمی کو قتل کرنے کی اس کو اجازت ہے۔ اور اگر وہ ایسی صورت میں اپنے لئے گواہ نہ پائے تو دنیا کے احکام میں تو اس سے قصاص لیا جائے گا اور آخرت کے احکام اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ کوئی غیر آدمی کسی کے پاس رات میں داخل ہو اور اس کے گھر سے مال چرا کر لے جا رہا ہے اور مالک مکان اس کا پیچھا کر کے مار ڈالے تو ایسی صورت میں اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے ''قاتل دون مالک'' اپنے مال کی حفاظت کے لئے تم لڑ سکتے ہو۔

اور اگر وہ مال لینے کے ارادہ سے آیا اور اس کو قتل کرنے کے سوا دفع کرنے کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ اس کو مال لینے سے پہلے ہی قتل کر دے تو بھی اس کا یہی حکم ہے۔ ''صدر الشریعۃ''۔

5 **قولہ: ومن قتل دون ماله فهو شهيد** (اور جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے) درمختار میں ہے کہ اپنے مال کی حفاظت میں قتال کرنا جائز ہے اگر چہ کہ مال نصاب سے کم ہو اور اسی طرح ......

جائے وہ بھی شہید ہے۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

6/4762۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی تمھارے گھر میں جھانکے اور تم نے اسے اجازت نہیں دی ہے اور پھر اگر تم کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو6 تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔(بخاری ومسلم)

......لڑنے والے کو قتل کر دینا بھی جائز ہے کیونکہ حدیث شریف ''من قتل دون ماله فهو شهيد '' (جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے) مطلق ہے۔(فتح القدیر)

6قوله :ففقأت عينه ما كان عليك من جناح (پس تم اس کی آنکھ کو پھوڑ دو تو تم پر کوئی حرج نہیں) کتاب ''القنیۃ'' میں ہے کہ جو کوئی کسی آدمی کے گھر کے دروازہ میں نظر ڈالے اور وہ آدمی اس کی آنکھ کو پھوڑ دے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے جب کہ بغیر آنکھ پھوڑے کے اس کو دفع کرنا ممکن نہیں تھا اور اگر بغیر آنکھ پھوڑے اس کو دفع کرنا ممکن ہو تو ضمان ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دونوں صورتوں میں بھی ضامن نہیں ہوگا اور اگر اپنا سر اندر داخل کیا (گھر والے نے) اس کو پتھر سے مار کر سر پھوڑ دیا تو بالاتفاق اس پر ضمان نہیں ہے۔اختلاف صرف گھر کے باہر سے دیکھنے والے کے بارے میں ہے۔(درمختار)

اور ردالمحتار میں اور معراج الدرایۃ میں ہے: جو آدمی کسی انسان کے گھر میں دیکھے گھر کے سوراخ یا دروازے کے شگاف یا اس جیسی چیز سے دیکھے تو گھر کا مالک اس کو لکڑی سے چبھو کر یا کنکر پھینک کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو ہمارے پاس وہ اس کا تاوان دے گا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ضمان نہیں دے گا،ان کی دلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائے اگر کوئی آدمی بغیر اجازت کے تم پر جھانکے تو تم اس کو کنکر سے مار کر آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی حرج نہیں۔اور ہماری دلیل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد گرامی في العين نصف الدية (آنکھ میں نصف دیت ہے) اور یہ عام ہے اور اس لئے کہ محض کسی کی طرف دیکھنا اس کو نقصان پہنچانے کو جائز نہیں کرتا جیسا کہ کوئی آدمی کھلے ہوئے دروازے میں سے دیکھ لے اور جیسا کہ گھر میں چلے جائے اور دیکھ لے یا اس کی بیوی کی شرمگاہ کے علاوہ کسی حصہ کو مس کرے تو (اس کے جرم پر) اس کی آنکھ نکال دینا جائز نہیں ہے اور اس لئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد لا يحل دم امرئی مسلم الا باحدی ثلاث النفس بالنفس و الثيب الزانی والمارق لدينه التارک للجماعة '' (تین چیزوں میں کسی ایک چیز کے بغیر کسی مسلمان کا خون کرنا جائز نہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس کی عصمت (جان کی سلامتی) کے ساقط نہ ہونے کا مقتضی ہے۔اور حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اس سے مقصود اس طرح کے عمل کو سختی سے روکنا ہے۔انتھی......

امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث شریف اس بات پر محمول ہے کہ کوئی آدمی کسی کے گھر کے دروازے میں سے دیکھے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں دے گا بشرطیکہ بغیر آنکھ پھوڑے اس کو ہٹانا ممکن نہ ہو اور اگر آنکھ پھوڑے بغیر اس کو ہٹانا ممکن ہو تو تاوان دینا پڑے گا۔

7/4763۔سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں دروازے کے سوراخ سے جھانکا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مدریٰ (کنگھی جس سے سَلائی جڑی ہوتی ہے) تھی جس سے آپ ﷺ اپنا سر مبارک کھجا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں یہ مدریٰ تیری آنکھ میں گھونپ دیتا۔اور فرمایا: اجازت حاصل کرنا نگاہ کی حفاظت کے لئے ہے۔(بخاری، مسلم)

8/4764۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اجازت لینے سے پہلے کسی کے گھر میں پردہ ہٹا کر اپنی نگاہ ڈالی اور اس گھر والوں کی ستر کو دیکھے تو وہ ایسے جرم کا مرتکب ہوا جسکا کرنا اس کے لئے جائز نہیں تھا۔اور جس وقت اس نے نگاہ ڈالی اگر اس وقت کوئی آدمی اس کے سامنے آکر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو آنکھ پھوڑنے والے کو میں سرزنش نہیں کرونگا۔ہاں اگر کوئی مرد کسی ایسے دروازے پر سے گذرے جس پر نہ کوئی پردہ پڑا ہوا ہو اور نہ بند ہے اور اس کی نظر گھر کے اندر کے آدمیوں پر پڑ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ گناہ تو گھر والوں پر ہوگا۔(ترمذی)

9/4765۔سیدنا عبداللہ مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ پتھر پھینک کر مار رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ مت پھینکو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پھینک کر مارنے سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ اس سے نہ کوئی شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی دشمن کو مارا جاسکتا ہے البتہ وہ کبھی دانتوں کو توڑ دیتا ہے اور آنکھوں کو پھوڑ دیتا ہے۔(بخاری ومسلم)

......اور حضرت شمنی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے۔

وقولہ : کما لو دخل بیتہ الخ (جیسا کہ کسی کے گھر میں چلے جائے) یہ اس قول کے مخالف ہے جس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے مگر یہ کہ ان کی ذکر کردہ صورت کو محمول کیا جائے ایسی صورت پر جس کے بغیر اس کو دفع کرنا ناممکن ہو۔اور یہاں جو مسئلہ ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ اس کو دفع کرنا اس کے بغیر بھی ممکن ہے ''فلیتأمل'' اس کو غور سے سمجھو۔واللہ تعالی اعلم۔

10/4766۔حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار میں گذرے اوراس کے پاس تیر ہوں۔تو اس کی نوک کو پکڑ رکھے۔ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو اس سے کچھ نقصان پہنچے۔(متفق علیہ)

11/4767۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی پر ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیا خبر کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے کھینچ لے،تو یہ دوزخ کے گڑھے میں گر جائے۔(متفق علیہ)

12/4768۔اورانہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے بھائی کو کسی لوہے کی چیز سے اشارہ کرے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔یہاں تک کہ وہ اسے (ہاتھ میں سے) رکھ دے اگر چیکہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔(بخاری)

13/4769۔حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنھم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(متفق علیہ)۔

اور امام مسلم نے یہ زیادہ کیا کہ ''جو ہم کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

14/4770۔حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہم پر تلوار سونت لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(مسلم)

15/4771۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جہنم کے سات دروازے ہیں،ان میں سے ایک دروازہ ان کیلئے ہے جو میری امت پر تلوار اٹھائے یا آپ ﷺ نے فرمایا''محمد (ﷺ) کی امت پر''(امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)

16/4772۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نیام تلوار لینے دینے سے منع فرمایا۔(ترمذی وابوداؤد)

17/4773۔حضرت حسنؓ نے حضرت سمرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کے درمیان تسمہ کاٹنے سے منع فرمایا۔7 (ابوداؤد)

---

7 قولہ: نھی ان یقد السیر بین اصبعین (آپ ﷺ نے تسمہ کو دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر کاٹنے سے منع فرمایا) تسمہ کٹنے کے بعد چاقو پھسل کر یعنی دونوں انگلیوں کا درمیانی حصہ نہ کٹ جائے۔ابن ملک نے فرمایا کہ ان دونوں حدیثوں میں جو منع وارد ہے وہ تنزیہی اور شفقت کے طور پر ہے۔(مرقات)

18/4774۔ حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن حکیم، ملک شام میں چند کسانوں ے پاس سے گذرے جنھیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، اوران کے سروں پر تیل ڈالا گیا تھا۔ انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گیا کہ ان لوگوں کو خراج کے بارے میں سزا دی جارہی ہے۔ تو ہشام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالی ان لوگوں کو سزا دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ (مسلم)

19/4775۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری عمر دراز ہو تو قریب ہے کہ تم ایسی قوم دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم جیسی کوئی چیز ہوگی۔ وہ صبح کرینگے اللہ کے غضب میں اور شام کریں گے اللہ کی ناراضگی میں۔

20/4776۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ شام کرینگے اللہ کی لعنت میں۔ (مسلم)

21/4777۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخیوں کی دو قسمیں ہیں (ان جیسی) میں نے نہیں دیکھا، ایک وہ قوم جن کے ساتھ گائے کی دم طرح کوڑے ہونگے جن سے وہ لوگوں کو مارینگے، اور دوسری وہ عورتیں جو لباس پہن کر بھی ننگی ہونگی، مائل کرنے والی، مائل ہونے والی، جن کے سر موٹی اونٹنیوں کے کوہان کی طرح ہلتے ہونگے، وہ نہ جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبوں اتنی اتنی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے۔ (مسلم)

22/4778۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر مارنے سے بچے کیونکہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(3/167) بَابُ الْقَسَامَةِ
قسامت (قسم کھانا) کا بیان 1

1/4779۔ حارث بن ازمع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ایک آدمی قبیلہ وادعہ اور ایک دوسرے قبیلہ کے درمیان مارا گیا۔ اور لاش وادعہ سے قریب تھی تو حضرت عمر رضی

1۔ قولہ: القسامة...... قاف (ق) کے زبر سے ہے۔ قسامہ سے مراد وہ قسمیں ہیں جو اس محلّہ والوں سے لی جاتی ہیں جس محلّہ میں مقتول پایا گیا ہو۔ یہ ہمارے پاس ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس وہ قسمیں ہیں جو قاتل کا علم نہ ہونے کی وجہ سے مقتول کے ان اولیاء سے لی جاتی ہیں جو اس کے خون کے دعویدار ہیں۔

قسامہ کا سبب: محلّہ یا قائم مقام محلّہ میں مقتول کا پایا جانا۔

قسامہ کا رکن: ان کا یہ کہنا ہے "بالله ما قتلناه ولا علمناله قاتلا" اللہ کی قسم ہم نہ اس کو قتل کئے ہیں اور نہ ہم کو اس کے قاتل کا کوئی علم ہے۔

قسامہ کی شرط: قسم کھانے والے کا مرد، آزاد اور عاقل ہونا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قتل خطا کے قسامہ میں عورتیں شامل ہوں گی جب قتل عمد کے قسامہ میں شامل نہیں ہونگی۔

قسامہ کا حکم: قسم کھانے کے بعد دیت کے وجوب کا فیصلہ کرنا خواہ دعویٰ قتل عمد کا ہو یا قتل خطاء کا

قسامہ کی حدیث شریعت کے اصول میں سے ایک اصل اور دین کے احکام میں سے ایک اہم ضابطہ قانون ہے۔ اور بندوں کے مصالح کا ایک اہم رکن ہے۔ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور تمام اہل علم نے اسی کو اختیار کیا ہے اگر چہ اس حدیث سے استدلال کے طریقے میں قدرے اختلاف ہے۔

بعض قائلین نے اس امر میں اختلاف کیا کہ اگر قتل عمد ہو تو اس سے قصاص واجب ہوگا یا نہیں۔ اہل علم کی اور ایک جماعت نے وجوب قصاص کا حکم فرمایا اور یہ قول امام مالک، امام احمد، امام اسحاق کا اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول قدیم ہے۔ فقہاء کوفہ اور امام شافعی کے قول راجح کے مطابق قصاص واجب نہیں ہوگا بلکہ دیت واجب ہوگی۔

قسامہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ قسم کون کھائے گا۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور نے فرمایا ورثہ قسم کھائیں گے اور ان کے قسم کھانے کی وجہ سے حق واجب ہوجائے گا۔ امام اعظمؒ کے اصحاب نے فرمایا پچاس اہلیان شہر سے قسم لی جائے گی اور ولی ان میں سے پچاس کا انتخاب کرے گا۔ وہ قسم کھائیں گے کہ اللہ تعالی کی قسم ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور ہم اس کے قاتل کو بھی نہیں جانتے۔ جب وہ قسم کھالیں تو ان پر اور اہل محلّہ اور ان کے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (مرقات)

اللہ عنہ 2وادعہ سے فرمائے تم میں سے پچاس آدمی اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم قتل نہیں کئے اور ہم قاتل کو بھی نہیں جانتے پھر تم کو دیت دینا ہوگا۔تو آپ سے حارث نے کہا ہم قسم کھائیں اور جرمانہ (دیت) بھی دیں۔تو آپ نے فرمایا ہاں۔(طحاوی اور ابن ابی شیبہ عبدالرزاق اور بیہقی نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے)

2/4780۔اور امام بیہقی کی ایک روایت میں سلیمان بن یسار سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے قسامت میں مدعی علیہم کی قسموں سے آغاز کیا۔

3/4781۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ علیہم الرضوان کی جماعت کی موجودگی میں اس کا فیصلہ فرمائے ان میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا پس یہ اجماع ہوگیا۔

2قولہ: **فقال عمر لوادعة يحلف خمسون رجلا الخ** (حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے وادعہ کے لوگوں سے فرمایا: تم میں سے پچاس آدمی اللہ کی قسم کھائیں) یعنی ہمارے پاس مقتول کا ولی قسم نہیں کھائے گا اگرچیکہ شائبہ رکھتا ہو۔اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر وہاں کوئی شائبہ ہے تو مقتول کے اولیاء سے پچاس قسمیں لی جائیں گی خواہ دعوی قتل عمد کا ہو یا قتل خطاء کا اور مدعی علیہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔یہی قول صحیح ہے اور ان کے قول قدیم میں ہے کہ جب وہ قسم کھائے کہ انہوں نے عمداً قتل کیا ہے تو اس کا قصاص لیا جائے گا۔امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی کا یہی قول ہے۔اور اگر مقتول کے اولیاء قسم کھانے سے انکار کریں تو اہل محلّہ سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالیں تو بری ہوجائیں گے اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان پر دیت کا فیصلہ دیا جائے گا۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف دو موقعوں پر ہے۔

1۔ہمارے پاس مدعی قسم نہیں کھائے گا برخلاف ان کے۔

2۔اہل محلّہ کا قسم کے ذریعہ سے بری ہونے کے مسئلہ میں

لوث سے مراد ایسا قرینہ حالیہ ہے جس سے دل میں مدعی کا سچا ہونا معلوم ہوتا ہے اس طور پر وہاں کسی خاص معین آدمی پر قتل کی علامت ہو یا کوئی واضح بات ہو جو مدعی کے حق میں کھلی دشمنی کے پائے جانے کی گواہی دے یا کسی عادل آدمی کی گواہی یا غیر عادل لوگوں کی ایک جماعت کی گواہی اس بات پر ہو کہ اس محلّہ والوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ لوث، (شائبہ) کی شرط اس لئے ہے کہ اگر کسی قسم کا شائبہ نہ ہو تو ان کا مذہب ہمارے ہی مذہب کی طرح ہے۔

ہمارے دلائل میں وہ احادیث شریفہ ہیں جن کا ذکر متن میں آیا ہے۔ونیز ہماری دلیل حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے ''اگر لوگوں کو ان کے دعوی کی بناء پر فیصلہ دے دیا جائے تو کتنے لوگ کتنے ایک لوگوں کے......

4/4782۔ اور ابن ابی شیبہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قسامت میں مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ فرمائے۔

5/4783۔ بزار کی روایت میں ہے جو ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انصار آئے اور عرض کئے ہمارے ساتھی خون میں لت پُت ہو گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ ان کے قاتل کو جانتے ہیں تو انہوں نے کہا نہیں جانتے سوائے اس کے کہ یہود نے ان کو قتل کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے کہ ان میں سے پچاس آدمیوں کا انتخاب کرو پس وہ اللہ تعالی کی مضبوط قسم کھائینگے پھر تم ان سے دیت لو چنانچہ وہ (ایسا ہی) کئے۔

6/4784۔ اس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے مطابق فیصلہ دے دیا جائے تو لوگ کتنے ایک لوگوں کے جان و مال کا دعوی کرینگے لیکن قسم مدعی علیہ پر ہے۔

......جان اور مال کا دعوی کریں گے۔ لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے"۔ اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے جان و مال کے مقدمات میں یکسانیت رکھی ہے اور ان دونوں میں ایک ہی طریقہ سے فیصلہ فرمایا۔

ہوسکتا ہے کوئی یہ کہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے موافق ہیں کیونکہ آپ نے جاہلیت کے دور میں ابو طالب کے قسامہ کی حدیث لائی ہے اور ان کی قسامت ہمارے قسامت کے موافق ہے۔ اور شاید امام بخاری اس بات کا اشارہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ قسامت اسی طرح برقرار ہے جس طرح وہ جاہلیت کے دور میں تھی۔ اور اس طرح کا واقعہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں ایک ہی ہوا ہے۔ لیکن اس بیان میں اختلاف ہے۔ (مأخوذ از شروح کنز، العرف الشذی)۔ اس کی مزید تفصیل ہے جو اس کو جاننا چاہتا ہے وہ بذل المجھود اور شرح معانی الآثار دیکھے۔ (باب القسامۃ)

(4/168) بَابُ اَهْلِ الرِّدَّةِ 1 وَالسُّعَاةِ بِالْفَسَادِ

(مرتدین اور فساد کے لئے کوشاں رہنے والوں کا بیان)

اللہ بزرگ و برتر کا فرمان ہے: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰئهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ''.

ترجمہ: اللہ تعالی کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے 2 تا کہ ان کے لئے ان چیزوں کو بیان کردے جن سے ان کو بچنا ہے۔ (9، سورۃ توبہ، آیت نمبر: 115)

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ''.

ترجمہ: تم اپنے گھروں میں تین دن (تک) فائدہ اٹھالو۔ (11، سورہ ہود، آیت نمبر: 65)

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ، ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ، فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

اس کے سوا نہیں کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے

---

1 قولہ: اهل الردة ''اہل ردت'' سے مراد مرتد ہیں خواہ مرد ہوں کہ عورت۔ مرتد کے لغوی معنی پلٹ جانے والا ہے اور شرعی معنی دین اسلام سے پلٹ جانے والا ہے۔

ردت کا رکن:۔ ایمان لانے کے بعد زبان پر کلمہ کفر لانا ہے۔

ثبوتِ ارتداد کے لئے شرط:۔ عقل، ہوش و حواس، رضا و رغبت ہے۔ مجنون، مدہوش، جس کی عقل میں فتور ہو، ناسمجھ بچہ اور جو نشے میں ہو اور وہ جس کو ارتداد پر مجبور کیا گیا ہو، ایسے تمام لوگوں کے ارتداد کا لحاظ نہیں۔ بالغ ہونا یا مرد ہونا ثبوتِ ارتداد کے شرائط میں نہیں ہے۔

2 قولہ: و ما كان الله ليضل الخ اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں پر دلائل قائم کرنے اور ان کے دلائل کے باطل ہونے کو واضح کرنے کے بعد ہی ان کو قتل کرنا واجب ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس کی دلیل ہے کیونکہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالی اپنے بندوں کا اس وقت تک مؤاخذہ نہیں کرتا جب تک وہ ان کو وہ سب کچھ نہ بتادے جو ان کو کرنا ہے اور جو ان کو چھوڑنا ہے۔ (عمدۃ القاری)

لئے دوڑتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ جلاوطن کئے جائیں یہ تو ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے مگر جو لوگ تمہارے قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں (تو ان سے تعرض نہ کرو) اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ خوب بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔(5،سورہ مائدہ،آیت نمبر:33/34)

1/4785 ۔حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس چند بے دین (مرتد) لائے گئے تو آپ نے ان کو جلا دیا یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو نہیں جلاتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے پر کہ تم اللہ کے عذاب (کی طرح) سے عذاب مت دو، میں ضرور ان کو قتل کر دیتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو آدمی اپنا دین 3 بدل دے تم اس کو قتل کر دو۔(بخاری)

---

3 قوله: من بدل دينه فاقتلوه ۔ہمارے پاس یہ حدیث شریف اس بات پر محمول ہے کہ اگر وہ مہلت طلب نہ کرے تو فوری قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ظاہر روایت میں ہے۔اور اگر اس پر اسلام پیش کرنے کے بعد غور وفکر کے لئے مہلت طلب کرے تو تین دن اس کو قید کیا جائے گا۔اگر اس مدت میں توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔(وقایہ) اور قدوری میں بھی ہے کہ اس جیسے معاملہ میں احادیث مشہورہ کی بناء پر اس کو تین دن کی مہلت دینا ضروری ہے اور مبسوط میں بھی اس کے وجوب کا حکم ہے۔صاحبِ مبسوط نے کہا کہ اگر وہ مہلت مانگتا ہے تو تین دن کی مہلت دی جائے گی کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس (مرتد) کو کسی قسم کا شبہ پیدا ہوگیا ہے۔لہذا اس کے شبہ کو دور کرنا ہم پر ضروری ہے یا وہ حق معلوم کرنے کے لئے غور وفکر کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو ایسی صورت میں بھی مہلت دینا ضروری ہے اور جب وہ مہلت طلب کرے تو امام کے ذمہ ہے کہ اس کو مہلت دے۔اور شریعت نے غور وفکر کے لئے تین دن کی مدت مقرر کی ہے۔جیسا کہ خیار شرط کے مسئلہ میں ہے۔پھر انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی اس باب میں مذکور حدیث شریف جس سے مہلت دینا واجب معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے اس نے مہلت طلب کی ہو۔نیز سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا اظہار براءت کرنا بھی مہلت کے وجوب کا متقاضی ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ کے دو اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ اگر وہ فی الحال توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ حضرت معاذؓ کی حدیث کی بناء پر اس کو قتل کر دیا جائے اور کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "من بدل دينه فاقتلوه" میں مہلت دینے کی کوئی قید نہیں ہے۔ابن منذر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے۔(مأخوذ از عمدۃ الرعایۃ، مبسوط، وقایہ، فتح القدیر)......

2/4786 ۔امام مالکؒ، حضرت عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن عبد قاری سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک صاحب حاضر ہوئے پس آپ نے ان سے لوگوں کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے آپ کو بتلایا پھران سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مغربتہ کے متعلق کچھ خبر ہے تو انہوں نے عرض کیا جی ہاں وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اسلام لانے کے بعد کافر ہوگیا تھا۔آپ نے فرمایا پھرتم نے اس کے ساتھ کیا کیا۔انہوں نے کہا کہ ہم نے اس کو قریب کیا پھراس کی گردن اڑادی۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تم نے اس کو تین دن تک قید کیوں نہیں کیا اور ہر دن اس کو ایک روٹی کھلاتے اور اس سے توبہ کرنے کے لئے کہتے شاید کہ وہ توبہ کرلیتا اور اللہ تعالی کے حکم کی طرف لوٹ آتا۔پھرحضرت عمرؓ نے کہا اے اللہ میں نہ اس وقت موجود تھا،اور نہ میں نے اس کا حکم دیا اور وہ بات جب مجھے پہنچی تو میں اس سے راضی بھی نہیں ہوا۔(مالک)

......کتاب رحمت الامۃ میں مذکور بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ جو آدمی اسلام سے مرتد ہوجائے تو اس کو قتل کردینا واجب ہے۔البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا اس کو فوری قتل کرنا ضروری ہے یا اس کو توبہ کے لئے کہا جائے گا،پھر کیا توبہ کا موقعہ دینا واجب ہے یا مستحب ہے اور اگر اس کے باوجود وہ توبہ نہ کرے تو اس کو مہلت دی جائے گی یا نہیں۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو توبہ کا موقعہ دینا واجب نہیں ہے فوری قتل کیا جائے گا۔البتہ وہ خود مہلت طلب کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی۔اور امام اعظمؒ کے بعض اصحاب کا قول ہے کہ اگرچیکہ وہ مہلت طلب نہ کرے مگر مہلت دینا مستحب ہے۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کو توبہ کیلئے کہنے کے وجوب کے بارے میں دوقول ہیں۔راجح قول کے مطابق اس کو توبہ کرنے کے لئے کہنا واجب ہے اور مہلت دینے سے متعلق دوقول ہیں۔قول راجح یہ ہے کہ اس کو اگرچیکہ وہ مہلت طلب کرے مہلت نہیں دی جائے گی اگر وہ ارتداد پر اصرار کرے تو فوری قتل کردیا جائے گا۔اور فتح القدیر میں ہے کہ ایام مہلت جو تین دن مقرر کئے گئے ہیں اس لئے کہ یہ مدت عذر کو قبول کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے۔کیونکہ حبان بن منقذ کی حدیث میں ہے کہ غور وفکر کرنے کیلئے خیار کی مدت تین دن مقرر کی گئی ہے تا کہ وہ دھوکہ نہ کھا جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عبد صالح (حضرت خضر علیہ السلام) کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس میں یہ ہے کہ اگر میں آپ سے اس کے بعد پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ مت رکھئے: اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ، قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا. (سورۃ الکہف،آیت نمبر:76) یہ تیسرا موقعہ تھا۔اور التعلیق الممجد میں ہے یہ تحدید اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہے: تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ .(سورہ ہود 65) تم اپنے گھر میں تین دن تک فائدہ اٹھالو۔

3/4787 ۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ کہ جو کوئی آدمی اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو تم اس کو اسلام کی دعوت دو پس اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو۔اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی گردن ماردو اور جو کوئی عورت اسلام سے برگشتہ ہو جائے تو اس کو دعوت دو اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو اور اگر وہ انکار 4 کرے تو اس کا سرمونڈھ دو۔ (معجم طبرانی بسند حسن)

4/4788 ۔حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صدقہ کرنے پر ابھارتے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔5 (ابوداؤد)

---

4 قولہ: و ان ابت فاستبتها (اور اگر وہ انکار کرے تو اس کا سرمونڈھ دو) تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ مرتد مرد کو قتل کیا جائے جب کہ وہ اسلام کی طرف نہ لوٹے اور کفر ہی پر جما رہے۔اور مرتدہ عورت کے قتل کے بارے میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو مرتد مرد کی طرح قرار دیا اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا مرتدہ کو قتل نہ کیا جائے یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''من بدل دينه فاقتلوه '' (جو کوئی اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کردو) کے عموم سے عورت مستثنیٰ ہے پس امام صاحب کے پاس عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔امام صاحب کی دلیل اس حدیث شریف کی عمومیت ہے ''نهى عن قتل النساء والصبيان '' آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا و نیز متن کی مذکورہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔(مأخوذ از مرقات، عمدة القاری، رحمة الامة)

5 قولہ :وينهانا عن المثلة حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ درمختار میں ہے ''ونهينا عن غدر و غلول و عن مثلة بعد الظفر بهم و اما قبله فلا بأس بها '' اور ہم کو منع کیا گیا ہے دھوکہ دینے اور خیانت کرنے سے اور ان پر قابو پالینے کے بعد مثلہ کرنے سے بھی البتہ ان پر قابو پانے سے پہلے اس میں کوئی حرج نہیں۔ شامی نے کہا کہ امام زیلعیؒ نے فرمایا ہے یہ اچھا ہے اور اس کی نظیر آگ میں جلانا ہے اور فتح القدیر میں مثلہ کے جائز ہونے کو ان پر قابو پانے سے پہلے کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جب کہ یہ صورتِ حال جنگ میں پیش آئے۔

جیسے کوئی مقابلہ میں لڑنے والا وار کرکے کان کاٹ دے پھر وار کرکے آنکھ پھوڑ دے پھر وار کرکے ہاتھ اور ناک کاٹ دے۔(انتھی)

اسی طرح ''بذل المجھود'' میں ہے اور مرقات میں ہے کہ حضرت ابن الملک نے فرمایا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مثلہ سے منع فرمانے کے بعد قبیلہ عکل کے لوگوں سے جو کچھ آپ نے کیا ہے وہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے بھی چرواہوں کے ساتھ ویسا ہی کیا تھا۔یا اس وجہ سے کہ ان کا جرم نہایت سنگین تھا۔کیوں کہ وہ مرتد ہوگئے اور خونریزی کئے اور ڈاکہ زنی بھی کئے پھر اموال چھین لئے۔اور امام کو اختیار ہے کہ وہ کسی سیاست و مصلحت کی بناء پر مختلف سزاؤں کو جمع کرسکتا ہے۔

5/4789 ۔نسائی بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

6/4790 ۔حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ عکل کے چندلوگ آکر اسلام لائے۔مدینہ کی آب وہوا ان کو ناموافق ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ زکوٰۃ کے اونٹوں کے پاس جائیں،اوران کا پیشاب اوردودھ پئیں 6۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اورصحت مند ہوکر مرتد ہوگئے اوراونٹوں کے چرواہوں کوقتل کردیا اوراونٹوں کو ہانک کرلے گئے۔آپ ﷺ نے ان کو پکڑنے کے لئے ان کا پیچھا کروایا۔پس ان کو لایا گیا۔آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ پیر کاٹے اوران کی آنکھوں میں سلائیاں پھیریں پھران کو داغ نہیں دیا گیا یہاں تک وہ مرگئے۔

7/4791 ۔اور ایک روایت ہے کہ انہوں (صحابہؓ) نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیری۔

8/4792 ۔ایک روایت میں ہے سلائیاں لانے کا حکم فرمایا پس ان کوگرم کیا گیا،ان کی آنکھوں میں پھیرا اوران کو پتھریلی زمین میں ڈال دیا وہ پانی مانگتے رہے مگر ان کو پانی نہیں دیا گیا

6قولہ: فیشربوا من ابوالھا والبانھا. پس وہ ان کے پیشاب اوردودھ پئیں۔حضرت ابن الملک نے فرمایا اس میں اس بات پردلیل ہے کہ مسافروں کے لئے صدقہ کے اونٹوں کا دودھ پینا جائز ہے اور بوقت ضرورت حرام شئے کے ذریعہ علاج بھی جائز ہے اوربعض علماء نے شراب کے ذریعہ علاج کواسی پرقیاس کیا ہے مگراکثر حضرات نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ طبائع کا اس کی طرف میلان رہتا ہے برخلاف دیگر نجاستوں کے (کہ ان کی طرف طبائع کا میلان نہیں ہوتا) ہمارے ائمہ میں سے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے البتہ امام اعظم رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ نجس ہے اورنجس (ناپاک) سے علاج کرنا جائزنہیں ہے۔

امام محمد اورشافعی رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ماکول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاسکتا ہے جیسے اونٹ،گائے،بکری وغیرہ ان کا پیشاب پاک ہے۔

دیگرحضرات نے اس حدیث شریف کے بارے میں فرمایا کہ یہ منسوخ ہے۔(مأخوذ ازمرقات،عمدۃ الرعایہ)

اورنورالانوار میں ہے کہ حاکم کی حدیث میں عرینیین کی حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔اس طرح سے کہ عرینیین کی حدیث میں مثلہ کا جوذکر آیا ہے وہ بالاتفاق حاکم کی حدیث سے منسوخ ہے کیونکہ مثلہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے۔

یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

امام بیہقی نے کتاب معرفت میں فرمایا اس حدیث کو منسوخ ہونے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ ابن سیرین اور قتادہ سے مروی ہے اور یہی بات حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یا اس حدیث کو محمول کیا جائے گا 7 اس بات پر کہ آپ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو انہوں نے چرواہوں کے ساتھ کیا تھا۔

9/4793۔اور امام حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک نیک صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے انہیں عذابِ قبر میں مبتلا پایا۔آپ ﷺ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے اعمال کے بارے میں دریافت فرمایا۔انہوں نے عرض کیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتے تھے۔پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا پیشاب سے بچتے رہو کیونکہ اس سے اکثر عذابِ قبر ہوتا ہے۔امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے اور تمام محدثین اس کی صحت پر متفق ہیں۔

10/4794۔حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ ﷺ ضرورت کے لئے تشریف لے گئے۔ہم نے ایک سرخ رنگ کا پرندہ دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ہم نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا تو وہ پھڑ پھڑانے لگا۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کس نے اس کے بچوں سے اس کو تکلیف پہنچائی۔تم اس کو اس کے بچے واپس کردو 8 اور آپ ﷺ نے چیونٹیوں کا گھر دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اس کو کس نے جلایا ہے۔ہم نے عرض کیا ''ہم نے''آپ ﷺ نے فرمایا آگ سے عذاب دینا کسی کے لئے سزاوار نہیں سوائے آگ کے پروردگار

---

7 قولہ: اویحمل علی انه فعل بهم مافعلوا بالرعاء (آپ ﷺ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو انہوں نے چرواہوں کے ساتھ کیا تھا) یہ مثلہ نہیں ہے اس لئے کہ مثلہ وہ ہے جو ابتداء ہو اور وہ کسی کے بدلہ میں نہ ہو۔(عمدۃ الرعایہ)

8 قولہ: ردوا ولدها الیها (تم اس کو اس کے بچے اس کو واپس کردو) یہ امر استحبابی ہے کیونکہ پرندوں کے بچے کا شکار جائز ہے (مرقات)

کے۔9 (ابوداؤد)

11/4795 ۔سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آگ سے سزا صرف اللہ ہی دیتا ہے۔(بخاری)

12/4796 ۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہوں کہ آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی جو کم عمر اور عقل کے کھوٹے ہوں گے لوگوں کے اچھے کلام پیش کریں گے اور ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔تم ان سے جہاں بھی ملو ان کو قتل کردو۔10 کیونکہ ان کے قتل میں، قتل کرنے والے کے لئے قیامت کے دن ثواب ہے۔(متفق علیہ)

---

9 قولہ: لاینبغی ان یعذب بالنار الارب النار ۔(آگ سے عذاب دینا کسی کے لئے سزاوار نہیں سوائے آگ کے پروردگار کے) ہدایہ کتاب الکراہیہ میں ہے کسی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام کے گلے میں لوہے کا ایسا طوق ڈالے جس کی وجہ سے وہ سر نہ ہلا سکے جیسا کہ ظالموں کی عادت ہے۔ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ یہ دوزخیوں کی سزا ہے اور یہ مکروہ ہے۔جس طرح آگ سے جلانا مکروہ ہے اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے۔صاحبِ ردالمحتار نے کتاب الجہاد میں قتال کی کیفیت کے تحت جو درمختار میں و حرقھم کے ضمن میں ہے جو بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔

لیکن جلانا یا غرق کرنا اس کا جواز جیسا کہ شرح السیر میں ہے مقید ہے اسی صورت میں ہوگا کہ ان پر اس کے سوا کسی اور طریقہ سے بڑی مشقت اٹھائے بغیر قابو پانا ممکن نہ ہو۔اگر ان پر قابو پاسکیں تو پھر یہ (جلانا ڈبونا) ناجائز ہے۔

10 قولہ: فاقتلوھم (ان کو قتل کردو)۔ان کو قتل کرنا ہمارے پاس اس لئے نہیں کہ مرتد ہوگئے ہیں بلکہ ان کی بغاوت کی وجہ سے ہے۔امام کی اطاعت سے نکل جانے والوں کی تین (3) قسمیں ہیں۔

1۔ **قطاعِ طریق (ڈاکو)**: ان کا حکم آئندہ آئے گا۔

2۔ **بغاۃ (باغی لوگ)**: جیسا کہ فتح القدیر میں ہے یہ مسلمان قوم ہے امام عدل کے خلاف بغاوت کئے ہیں۔لیکن وہ خوارج کی طرح مسلمانوں کا خون کرنا اور ان کی عورتوں کو قیدی بنانا جائز نہیں سمجھتے ہیں۔مطلب یہ کہ یہ لوگ تاویل کرکے امام کے خلاف بغاوت کئے ہیں۔ورنہ وہ قطاعِ طریق ہیں۔

3۔ **خوارج**: وہ ایک ایسی قوم ہے جن کو طاقت حاصل تھی اور امام کے خلاف یہ تاویل کرتے ہوئے بغاوت کی کہ وہ کفر و معصیت کے اعتبار سے باطل پر ہے۔اور اپنی تاویل کے ذریعہ امام کے خلاف جنگ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔اور ہم (مسلمانوں) کے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں اور ہماری عورتوں کو قیدی بنالیتے ہیں اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ علیہم الرضوان کو کافر قرار دیتے ہیں اور یہاں وہ خوارج مراد ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف ......

13/4797۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب میری امت میں اختلاف اور تفرقہ ہوگا۔ اور چند لوگوں کی ایسی جماعت نکلے گی جو گفتگو تو بہت اچھی کرے گی مگر کام بُرے کرے گی۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے ہنسلی سے آگے نہیں بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر واپس نہیں آئینگے یہاں تک کہ تیر اپنے کمان میں واپس آجائے وہ بدترین مخلوق اور بدطینت ہیں۔

خوشخبری ہے ان حضرات کے لئے جو ان کو قتل کریں اور ان کے لئے جن کو وہ لوگ قتل کریں۔ وہ کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہوں حالانکہ وہ کسی چیز میں بھی ہم میں سے نہیں ہیں۔ جو نکہ انکو قتل کرے گا تو وہ اللہ سے ان سب میں قریب تر رہے گا۔ (صحابہؓ نے) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کی نشانی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سر منڈھانا ہے۔ (ابوداؤد)

14/4798۔ شریک بن شہابؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں تمنا کرتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی صحابی سے میں ملاقات کروں اور خوارج کے بارے میں ان

......خروج کئے ہیں کیونکہ ان کے اور باغیوں کے درمیان مدارِ فرق یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خون کو اور ان کی عورتوں کو کافر قرار دے کر قیدی بنانا جائز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ عورتوں کو بغیر کفر کئے کہ گرفتار نہیں کیا جاتا۔

خوارج کے تعین میں ویکفرون اصحاب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم (اور وہ ہمارے نبی ﷺ کے اصحاب کو کافر قرار دیتے ہیں) یہ قول شرط نہیں ہے بلکہ یہ اُن خوارج کا بیان تھا جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی ورنہ خوارج کے بارے میں صرف اتنی بات کافی ہے کہ جس امام کے خلاف وہ خروج کرتے ہیں اس کو کافر سمجھتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے متبعین کے بارے میں ہے جو نجد سے ظاہر ہوئے تھے۔ اور حرمین شریفین پر قبضہ کر لئے تھے اگرچیکہ وہ حنبلی مذہب کی طرف اپنی نسبت رکھتے ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کے خلاف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اسی لئے وہ اہل سنت والجماعت کے قتل کو اور ان کے علماء کے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ 1233ھ میں اللہ تعالی نے ان کی قوت کو توڑ دیا اور ان کے شہروں کو اجاڑ دیا اور مسلمانوں کی فوجوں کو اُن پر ظفر مندی عطا فرمائی۔ (ردالمحتار باب البغاوۃ)

فتح القدیر میں تحقیق سے لکھا ہے کہ ان کا حکم باتفاق فقہاء باغیوں کا حکم ہے اور خواہر زادہ نے ہمارے اصحاب سے جو نقل کیا ہے اس حدیث شریف میں دلیل ہے وہ ''جنگ کا آغاز کرنے سے پہلے ہم آغاز کردیں گے۔ کیونکہ اگر......

سے دریافت کروں پس ابوبرزہؓ سے عید کے دن ان کے چند ساتھیوں کے ساتھ میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوارج کا ذکر کرتے سنا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کانوں سے سنا ہوں اور اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کو دیکھا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو تقسیم کیا اور سیدھے اور بائیں جانب جو اشخاص تھے ان کو عطاء فرمایا اور جو پیچھے تھے ان کو کچھ نہیں دیا۔ آپ ﷺ کے پیچھے سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا محمد (ﷺ) آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ وہ کالا تھا اور اس کے بال کٹے ہوئے تھے۔ اس پر دو سفید کپڑے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت غصہ میں آ کر فرمایا خدا کی قسم تم میرے سوا کسی کو مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا نہیں پاؤ گے۔ پھر فرمایا آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی یہ انہی میں سے ہے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کی ہنسلی سے آگے نہیں جائے گا۔ وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے باہر نکل جاتا ہے۔ ان کی نشانی سر منڈھانا ہے۔ وہ ہمیشہ نکلتے رہیں گے اور ان میں کا آخری مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔ جب تم ان لوگوں سے ملو گے۔ تو ان کو بداخلاق اور بدطینت پاؤ گے۔ (نسائی)

15/4799۔ حضرت ابو غالب سے روایت ہے کہ ابوامامہؓ نے دمشق کے راستہ میں چند سروں کو لٹکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا (یہ) دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں۔

......فی الحقیقت ان کے جنگ کا انتظار کیا جائے تو بعض دفعہ مدافعت کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اس حکم کا مدار ضرورتِ دفع شر پر ہے اور یہی اس کی دلیل ہے۔

امام قدوری نقل کئے ہیں کہ ان سے پہلے آغاز نہ کرے یہاں تک کہ وہ آغاز کریں فقہاء کے کلام سے مذہب اول ظاہر ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ فی الحقیقت جنگ کا آغاز نہ کریں تو قتال جائز نہیں اور جس کسی کو امام ان سے جنگ کے لئے طلب کرے اس کو قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ جو امور معصیت نہیں ہیں ان میں امام کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ پھر کس قدر ضروری ہو جاتی ہے امام کی اطاعت ان امور میں اگر وہ قدرت رکھتا ہے تو اس کی اطاعت ان پر واجب ہو جاتی ہے ورنہ قدرت نہ ہو تو ایسے وقت گھروں میں بیٹھے رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان واقعات کو جو جماعت صحابہ علیہم الرضوان سے مروی ہیں کہ وہ فتنوں کے زمانوں میں (گھروں میں) بیٹھ گئے تھے۔ اور بعض دفعہ ان میں سے بعض حضرات کو اس جنگ کے جائز ہونے میں تردد تھا۔ ان کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔

اور بہترین مقتول وہ لوگ ہیں جن کو انہوں نے قتل کیا ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی یَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ جس دن چند چہرے روشن ہوں گے اور چند چہرے سیاہ ہوں گے (3 آل عمران 106)۔ ابوامامہؓ سے پوچھا گیا کیا آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔ انہوں نے کہا اگر میں آپ ﷺ سے ایک مرتبہ، دو مرتبہ، تین مرتبہ (یہاں تک کہ انہوں نے سات مرتبہ تک گنایا) نہ سنتا تو میں تم سے اس کو بیان نہ کرتا۔

(ترمذی، ابن ماجہ۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن فرمایا)

16/4800۔ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی آدمی میری امت کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہوئے نکلے تو تم اس کی گردن ماردو۔ 11 (نسائی)

17/4801۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت دو فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان دونوں کے درمیان سے ایک جماعت مارقہ (دین سے نکل جانے والی) ظاہر ہوگی اور لوگوں میں جو سب سے زیادہ حق پرست ہوگا وہ ان کو قتل کرنے کا ذمہ لے گا۔ (مسلم)

18/4802۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا، تم میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ (متفق علیہ)

19/4803۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب دو مسلمان آپس میں ملیں اور ان میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی اپنے دوسرے ساتھی کو قتل کرتا ہے وہ دونوں اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔

---

11 قولہ :فاضربوا عنقه ۔امام نووی نے فرمایا اس حدیث شریف میں اس بات کا حکم ہے کہ جو آدمی امام (خلیفہ) کے خلاف بغاوت کرے جب کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو یا اس طرح کے کام کے لئے نکلا ہو تو اس سے جنگ کی جائے۔ اور پہلے اس کو روکا جائے اس کے باوجود وہ باز نہ آئے تو اس سے جنگ کی جائے اور اس کو قتل کئے بغیر اس کا شر ختم نہ ہوتا ہو ایسی صورت میں اس کو قتل کر دیا جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ (مرقات)

20/4804۔ اوران ہی سے روایت ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے مدبھیڑ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کا کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیونکہ وہ اپنے ساتھی کے قتل کرنے پر حریص تھا۔ 12 (متفق علیہ)

21/4805۔ حضرت ابن ابی لیلی سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بیان کیا کہ وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے۔ ایک صاحب ان میں سے سو گئے ان کے ساتھ جو رسی تھی اس کے پاس دوسرے صاحب جا کر اس کو پکڑ لئے تو یہ ڈر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے۔ (ابوداؤد)

22/4806۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ ہلال بن عویمر اسلمی کو رخصت کیا پس چند لوگ آئے اور وہ اسلام لانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ابو بردہؓ کے ساتھیوں نے (لاعلمی کی وجہ سے) ان کا راستہ روکا 13 جبرئیل علیہ

---

12 قولہ: **کان حریصا علی قتل صاحبہ** ابن الملک نے کہا ہے اس حدیث میں یہ ہے کہ حرام کام پر حرص کرنا بھی قابل مواخدہ کاموں میں سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک اگر قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ اس کو قتل کرنے کی طرح ہے جب کہ انکا مقصود اپنی طرف سے مدافعت کرنا نہ ہو البتہ ان میں سے کوئی مدافعت کی غرض سے دوسرے کو قتل کردے جب کہ اس کو قتل کئے بغیر مدافعت کے لئے کوئی صورت نہ تھی تو ایسی صورت میں وہ قابل گرفت نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں قتل کی شرعاً اجازت ہے۔ (مرقات)۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ حدیث شریف ''جب دو مسلمان تلوار لے کر آپس میں ملیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے'' یہ حکم اس وقت ہے جب کہ دونوں کا لڑنا محض حمیت اور عصبیت (بے جا طرف داری) کی بنیاد پر ہو جیسا کہ دو گاؤں والوں اور دو محلے والوں میں ہوتا ہے ان کا لڑنا محض دنیا طلبی اور اقتدار کے لئے ہو۔

قولہ: 13 **فقطع علیھم اصحاب ابی بردۃ الطریق** اس کے معنی یہ ہیں کہ گزرنے والوں کو اور مسافروں کو راستہ سے روکا۔ یہ عبارت کسی چیز کو حذف کرنے اور اس کا مفہوم ملحوظ رکھنے کے باب سے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس عبارت میں ''الطریق'' سے راستہ گزرنے والے مراد ہیں۔ اور یہ محل کہہ کر حال یعنی جگہ کہہ کر جگہ میں رہنے والے مراد لینے کے باب سے ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں ''الطریق'' ''فی الطریق'' کے معنی میں ہے اور اس کو ''**السرقۃ الکبری**'' بڑی چوری کہا جاتا ہے۔ کتاب بنایہ میں ہے جانو اس بات کو کہ لوٹ لینے والوں کے حکم سے متعلق چند شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ان کو اس قدر شوکت وقوت ہو کہ گزرنے والوں کو اس کی مدافعت کرنے کی قوت نہ ہو۔......

......دوسری شرط یہ ہے کہ شہر سے دور ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دارالاسلام میں ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ مال مقدارِ نصاب ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مال والوں میں ڈاکوؤں کا کوئی حرمت والا رشتہ دار نہ ہواور اگر ان کے درمیان حرمت والا رشتہ ہوتو ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔چھٹی شرط یہ ہے کہ توبہ کرنے سے پہلے ان کو پکڑلیا گیا ہو۔(عمدۃ الرعایۃ)

کتاب رحمۃ الامۃ میں ہے قاطعِ طریق کی حد سے متعلق ائمہ کے مابین اختلاف ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی اورحضرت امام احمد رحمہم اللہ تعالی کے پاس ان کی حد آیت میں مذکورہ ترتیب کے مطابق ہے۔اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس اس ترتیب کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس میں امام کوقتل کرنے ،قید کرنے ،سولی پر چڑھانے اور مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹنے اور قوت توڑ دینے کا حقِ اجتہاد حاصل ہے۔ پھر ترتیب کے قائلین کے مابین کیفیت ترتیب میں اختلاف ہے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مال لے کرقتل بھی کردیں تو امام کواختیار ہےخواہ مخالف سمت سے ہاتھ پیر کاٹے خواہ ان کوقتل کرے اور سولی دے خواہ صرف قتل کردے اور سولی نہ دے۔اور سولی کا طریقہ امام اعظم سے مشہور قول کے مطابق یہ ہے کہ زندہ سولی پرلٹکا دے اور نیزے سے اس کا پیٹ پھاڑ دے یہاں تک وہ مر جائے اور تین دن سے زیادہ سولی پرلٹکائے نہ رکھے۔

اوراگر وہ قتل کریں لیکن مال نہ لیں تو امام ان کوبطور حدقتل کردے گا اور اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے کی پرواہ نہ کرے۔اور اگر وہ کسی مسلمان یا ذمی کا مال لیں اور لیا ہوا مال ان کی جماعت پرتقسیم کردیا جائےتو ہر ایک کودس درہم یا اس کی قیمت کے مطابق ملتا ہےتو امام مخالف سمت سے ان کا ہاتھ، پاؤں کاٹ دے گا۔

اوراگر وہ کسی کوقتل نہیں کئے اور مال لینے سے پہلے گرفتار کر لئے گئے تو امام ان کوقید کرے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کریں یا مرجائیں۔اوران کی قوت توڑ دینے کا یہی طریقہ ہے۔

اورامام مالک رحمہ اللہ فرمائے ہیں اگرمحاربین پکڑے جائیں تو امام اپنی رائے اور اجتہاد سے مناسب سزادے گا۔ جوآدمی ان میں سے صاحب رائے اورقوت والا ہے اس کوقتل کرے اور جوصرف قوت والا ہوتو اس کی صرف قوت توڑ دی جائے خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امام کواختیار ہےخواہ ان کوقتل کرے اور سولی دے اور ہاتھ پیر کاٹ دے اور اگر وہ قتل نہ کریں اور مال بھی نہ لئے ہوں تو امام اپنی رائے کے مطابق ان کواوران کے جیسے لوگوں کواس طرح کے عمل سے روکنے کے لئے مناسب تجویز کرے گا۔اورنفی یعنی قوت کوتوڑنے کا طریقہ ان کے پاس یہ ہے کہ وہ جس شہر میں ہیں وہاں سے دوسرے شہر میں نکال دئے جائیں اور وہاں ان کوقید کردیا جائے اور سولی کا طریقہ امام مالک کے پاس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے طریقہ کے مطابق ہے۔امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما فرمائے کہ اگر ان کوکسی آدمی کے قتل کرنے یا مال چھین لینے سے پہلے پکڑلیا جائےتو ان کی قوت توڑ دی جائے۔اورنفی یعنی قوت کوتوڑ دینے کے طریقہ سے متعلق ان میں اختلاف ہے۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمائے ان کی قوت توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ بھاگ جائیں تو ان کا پیچھا کیا جائے۔اورحضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دوروایتیں ہیں ایک روایت تو اسی طرح کی ہے۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ ان کوایک جگہ سے دوسری جگہ بھگایا جاتا رہے گا ان کوکسی ایک شہر میں جمنے کا موقعہ نہیں دیا جائے گا۔......

السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حد کا حکم لے کر آئے کہ جو کسی کو قتل کرے اور مال چھین لے 14 تو اس کو سولی دی جائے اور جو آدمی کسی کو قتل کرے اور مال نہ لے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو مال چھین لے اور قتل نہ کرے تو اس کا ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں۔ اور جو

......اور اگر وہ مال لیں اور کسی کو قتل نہ کئے ہوں تو دونوں ائمہ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں گے۔ پھر ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر وہ قتل کریں اور مال بھی چھین لیں تو دونوں نے فرمایا کہ ان کو قتل کرنا اور سولی دینا قطعی طور پر ضروری ہے۔ اور اگر وہ قتل کریں لیکن کسی کا مال نہ لئے ہوں تو دونوں ائمہ کے پاس ان کا قتل ضروری ہے اور قتل کے بعد سولی پر لٹکانا بھی ہے۔ اور بعض شافعیہ کے پاس زندہ حالت میں سولی پر لٹکایا جائے گا پھر قتل بھی کیا جائے گا۔ سولی کی مدت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے پاس تین دن ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے پاس کم از کم اتنی دیر کہ اس کو سولی دینا کہا جاسکے۔

محاربین کے قتل سے متعلق مقدار نصاب کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی کے پاس مقدار نصاب کا اعتبار ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اس کا اعتبار نہیں کئے ہیں۔

اور اگر کئی محاربین جمع ہوں اور ان میں سے بعض نے قتل کیا اور مال کو لیا اور بعض ان کے مددگار بنے تو کیا ان سب پر محاربین کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ مدد کرنے یا پشت پناہی کرنے پر ان کے احکام تمام حالتوں میں محاربین کی طرح ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدد کرنے اور پشت پناہی کرنے پر قید اور جلاء وطن وغیرہ کے ذریعہ تعزیر کی جائے گی۔

14 قولہ: من قتل واخذ المال صلب۔ صاحب نورالانوار نے کہا ہے: بیشک اللہ تعالی نے محاربین اور فسادیوں یعنی ڈاکوؤں کے لئے چار سزائیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک سزا نہ دی جاسکے تو اس کے بعد کی دی جائے گی۔ 1۔ قتل کرنا 2۔ سولی دینا 3۔ ہاتھوں اور پیروں کو مخالف جانب سے کاٹنا 4۔ ان کی قوت توڑنا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلمہ ''او'' اپنی حالت پر ہے لہذا امام کو ان سزاؤں کے درمیان اختیار رہے گا لیکن ہمارے پاس حرفِ ''او'' کلمہ ''بل'' کے معنی میں ہے۔ جو اضراب کے لئے آتا ہے کیونکہ ڈاکہ زنی کے جرائم چار قسموں پر تھے یعنی 1۔ صرف مال لے لینا۔ 2۔ صرف قتل کرنا 3۔ قتل کرنا اور مال لے لینا دونوں ایک ساتھ۔

4۔ مال لئے اور قتل کئے بغیر ڈرانا دھمکانا پس ان چار جرموں کے بالمقابل چار سزائیں ذکر کی گئیں۔

البتہ اصحاب عقل وفہم کے فہم و دانش پر اعتماد کرتے ہوئے نص قرآن میں جرائم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سزا جرم کے بقدر ہوتی ہے اگر جرم سخت ہو تو سزا بھی سخت ہوگی اور اگر جرم ہلکا ہو تو سزا بھی ہلکی ہوگی۔ اور حکیم مطلق کے شایانِ شان نہیں کہ وہ سخت ترین جرم کو ہلکے جرم کی طرح کر دے یا اس کے برعکس معمولی جرم کو سخت ترین جرم کے برابر کر دے۔ اب نظمِ قرآن کا مفہوم اس طرح ہوگا۔

ان یقتلوا اذا قتلوا فقط وہ صرف قتل کریں تو انہیں قتل کیا جائے گا۔ **او یصلبوا اذا ارتفعت ......**

آدمی مسلمان ہوکر آئے تو اس کے زمانہ شرک میں جو کچھ اس سے ہوا اسلام اس کو مٹادے گا۔

23/4807۔اور عطیہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے جو حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو کوئی راستہ کو خوفناک بنائے 15 وہ قتل نہ بھی کرے اور مال نہ بھی لوٹے تو اس

......**المحاربة**ان کو سولی دی جائے گی جب کہ محاربہ سخت ہو جائے جان کو قتل کرنے اور مال کو لوٹ لینے کی وجہ سے۔ ان کے ہاتھ پیر کاٹ دئے جائیں گے جب کہ وہ صرف مال لے لیں۔ان کی قوت توڑ دی جائے گی اگر وہ راستہ کو خوفناک بنادیں (اور راہ گیروں کو دہشت زدہ کردیں)اور یہ بیان بعینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوا ہے۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نہ ان کی مدد کریں اور نہ ان کے خلاف مدد کریں پس کچھ لوگ اسلام کا ارادہ کرکے حاضر ہوئے تو ابو بردہ کے ساتھیوں نے ان کا راستہ روکا۔چنانچہ جبریل علیہ السلام ان کے بارے میں حد کا حکم لے کر آئے کہ جو کوئی قتل کرے اور مال لوٹ لے اس کو سولی دی جائے گی اور جو قتل کرے اور مال نہ لے تو اس کو صرف قتل کیا جائے گا اور جو مال لوٹے اور قتل نہ کرے تو اس کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں گے۔اور جو صرف خوفزدہ کرے تو اس کو جلاوطن کردیا جائے گا۔لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سولی دینے کے حکم کو صرف اسی حالت کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ نہیں کہ یہ حالت صرف سولی کے ساتھ ہی خاص ہے کہ اس حالت میں سولی کے سوا کوئی اور چیز جائز ہی نہ ہو۔بلکہ آپ نے امام کے لئے چار سزاؤں میں اختیار رکھا ہے۔اگر وہ چاہے تو ہاتھ پیر کاٹے پھر قتل کرے یا سولی دے اور اگر وہ چاہے تو قتل کرے یا بغیر کاٹے کے سولی دے کیونکہ جنایت میں اتحاد و تعدد (اس کے ایک یا ایک سے زیادہ ہونے) کا احتمال ہے لہذا اس میں دونوں جہتوں کا لحاظ رکھا جائے گا۔(انتھی)

اور قمر الاقمار میں ہے:مؤلف کے قول''**تحتمل الاتحاد و التعدد**''کا مفہوم یہ ہے کہ پہلی صورت چونکہ اس میں صرف ڈاکہ ڈالنا ہی ہے لہذا سزا بھی ایک ہی ہوگی اور دوسری صورت مال لینے اور جان کو قتل کرنے کی ہے اس لئے سزا بھی متعدد ہوگی۔چنانچہ قطع، ہاتھ پیر کاٹنے مال لوٹنے کا بدلہ ہے اور قتل کرنا قتل کرنے کا بدلہ ہے۔

15 قوله: من أخاف الطريق ولم يقتل ولم ياخذالمال نفی (جو کوئی راستہ کو خوفناک بنائے وہ قتل نہ بھی کرے اور مال نہ بھی لوٹے) صاحبِ نور الانوار نے فرمایا ہے''نفی''سے مراد جلاء وطن کرنا نہیں ہے۔جیسا کہ ظاہر الفاظ سے اس کا وہم ہوتا ہے۔بلکہ''نفی''سے مراد زمین کے اوپر ان کی قوت توڑ دینا ہے اس طرح کہ ان کو قید کردیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں یعنی زمین کی آبادی میں وہ سرگرم نہ رہنے پائیں۔

اور ردالمحتار میں ہے آیت شریفہ (5 مائدہ 33) میں''نفی''سے مراد قید کردینا ہے کیونکہ تمام زمین سے نکال دینا اور دور کردینا تو محال ہے ایک شہر سے کسی دوسرے شہر کی طرف نکال دے تو ان سے دوسرے شہر والوں کو اذیت و تکلیف ہوسکتی ہے۔پس اب قید کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی۔اور قید کئے ہوئے شخص کو بھی زمین سے نکالا ہوا کہتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کی پاکیزہ چیزوں اور اس کی لذتوں سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتا اور اپنے دوست واحباب اور عزیزوں سے مل نہیں سکتا۔اور کمالین میں ہے نفی کے معنی امام شافعیؒ کی تفسیر کے مطابق ایک شہر سے نکال کر دوسرے شہر کو بھیج دینا ہے اور امام اعظم کے پاس اس کے معنی قید کرنا ہے اور اس کو آپ نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت کیا ہے۔

کی قوت توڑ دی جائے۔(قید کردیا جائے گا)۔

(امام محمد نے اس کو امام ابویوسف رحمہ اللہ سے روایت کی ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب ''الام'' میں اس کی روایت کی ہے اور محدث عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ،عبد بن حمید، امام بیہقی رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے بھی اس کی روایت کی ہے۔)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ارشاد ''صلب'' (اس کو سولی دی جائے گی) کے بارے میں فرمایا سولی اسی حالت کے ساتھ خاص ہے (اس کے سوا دیگر حالتوں میں سولی نہیں ہے) البتہ ایسی حالت میں سزا صرف سولی کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ اس حالت میں بجز سولی کے کوئی دوسری سزا درست ہی نہ ہو۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ حاکم کو ان چار سزاؤں کے درمیان اختیار ہے، اگر وہ چاہے تو

1۔قطع کرکے قتل کردے یا 2۔قطع کرکے سولی پر چڑھائے

یا 3۔اگر وہ چاہے تو قتل کردے یا 4۔بغیر ہاتھ کاٹے کے صرف سولی پر چڑھائے۔

کیونکہ جنایت اتحاد اور تعدد کا احتمال رکھتی ہے لہذا اس میں دونوں جہتوں کی رعایت رکھی جائے گی۔

24/4808۔حضرت امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیمؒ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا ہے اگر وہ مال نہ بھی لے اور قتل بھی نہ کرے تو بھی اس کو تکلیف دہ سزا دی جائے گی اور قید کیا جائے گا آنکہ وہ ٹھیک ہو جائے۔

25/4809۔عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے عمر بن خطابؓ سے کہا کہ میں نے سواد کی زمین میں سے کچھ زمین خریدی ہے۔16 تو عمرؓ نے فرمایا تم اس میں اس زمین کے (پہلے) مالک کی طرح ہو۔

16۔قولہ :انی اشتریت ارضا الخ (میں نے زمین خریدی ہے)

اسی لئے ہدایہ میں ہے کہ مسلمان کسی سے خراجی زمین خرید سکتا ہے۔اور اس سے خراج لیا جائے گا اور یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ نے خراجی زمینوں کو خریدا پھر وہ اس کا خراج ادا کرتے رہے۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسی زمین کا خریدنا اور اس سے خراج حاصل کرنا اور مسلمان کا اس کو ادا کرنا بغیر کراہیت کے درست ہے۔(انتھی)۔

کتاب المعرفۃ میں ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بات تو وہی ہے جو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالی نے فرمائی ہے (کہ خراجی زمین خریدی جاسکتی ہے) کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت خباب بن ارت حضرت حسین بن علی اور حضرت شریح کی زمینات خراجی تھیں۔

26/4810۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خشعم کی طرف ایک فوجی دستہ روانہ فرمایا تو اس قبیلہ کے کچھ لوگ سجدہ کر کے (اسلام کی) حفاظت میں آ گئے مگر تیزی سے ان کا قتل ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کے لئے آدھی دیت کا حکم فرمایا 17

اور فرمایا میں مشرکین کے درمیان قیام پذیر مسلمان سے بری ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کیوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے۔ 18 (ابوداؤد)

17۔ قولہ : فأمر لهم بنصف العقل یہ خطأ فی القصد ہے (یعنی سمجھنے میں غلطی ہے) اور وہ اس طرح کہ کسی آدمی کو حربی سمجھ کر مارا مگر وہ مسلم تھا ایسی صورت میں ہمارے پاس کامل دیت ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا خطابی نے کہا ہے حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے اس میں کامل دیت اس لئے نہیں دلائی کہ انہوں نے کافروں کے درمیان اقامت پذیر رہ کر خود اپنے خلاف مدد کی ہے۔

اس کی مثال اس آدمی کے جیسی ہے جو اپنی جنایت اور دوسرے کی جنایت سے ہلاک ہو جائے تو ایسی صورت میں دیت میں سے اس کی جنایت کا حصہ ساقط ہو جاتا ہے۔ (ہدایۃ، رحمۃ الامۃ، مرقات)

18۔ قولہ: لا تراء ی ناراهما (دونوں کی آگ ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے) عالمگیری میں ہے ان میں سے کسی کو بھی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی گھر یا مکان خریدے اسی طرح ان میں سے کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں سکونت اختیار کرے امام حسن بن زیاد نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔

اور عام کتابوں کی روایت کے مطابق ان کو دارالاسلام میں قیام کرنے کی اجازت دی جاسکتی۔ بشرطیکہ وہ عرب کا کوئی شہر جیسے سرزمین حجاز نہ ہو۔ کیونکہ ان کو یہاں سکونت پذیر رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، محیط میں اسی طرح ہے۔

شمس الائمہ امام حلوائی فرماتے ہیں یہ اجازت اس وقت ہے کہ جب کہ ان کی تعداد کم ہو ان کے قیام پذیر رہنے سے کوئی تعطل پیدا نہ ہو اور مسلمانوں کی کسی جماعت کی قلت کا باعث نہ بنے لیکن جب وہ تعداد میں زیادہ ہوں اور ان کے رہنے سے تعطل یا مسلمانوں کی قلت ہوتی ہو تو ان کو مسلمانوں کے درمیان رہنے سے روک دیا جائے گا۔ اور ان کو حکم دیا جائے گا کہ وہ ایسے حصے میں رہے جہاں مسلمانوں کی جماعت نہ ہو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امالی میں یہ بات موجود ہے۔ انتھی۔

درمختار میں ہے تمرتاشی نے شرح الجامع الصغیر میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کو نقل کرنے کے......

27/4811۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان غفلت سے قتل کر دینے کو روکتا ہے مومن غفلت سے قتل نہیں کرتا۔19 (ابوداؤد)

......بعد کہ ان کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مسلمانوں کے شہروں میں ان کے جو مکانات ہیں بیچ دیں اور وہاں سے نکل جائیں، شہر کے باہر قیام پذیر ہوں۔تاکہ ان کا کوئی خاص محلّہ نہ رہے۔

امام نسفیؒ سے نقل کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ مذکورہ بالا ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شہر کے اندر کوئی ایسا خاص محلّہ نہ ہو کہ جس میں ان کو مسلمانوں کی طرح کوئی قوت ہو۔اب رہا ان کا مسلمانوں کے درمیان مغلوب ہو کر رہنا تو یہ ممنوع نہیں ہوگا۔(فتاوی اَلۡاِسۡکُوبِیّ)

19 قولہ: **لایفتک مؤمن ای کامل الایمان** یعنی کامل مؤمن دھوکے سے قتل نہیں کرتا کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب کسی غافل کافر کے پاس سے گزرتے تو وہ اس کو متنبہ کرتے اگر وہ اسلام کی دعوت دینے کے بعد انکار کر دیتا تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کر دیتے تھے۔ہدایہ میں ہے جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہوتے اور کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کر لیتے تو اسلام کی طرف ان کو دعوت دیتے اور ''مرقات'' میں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا محمد بن مسلمہؓ خزرجی کو صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ کعب بن اشرف کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔سیدنا عبداللہ بن عتیکؓ اوسی کو چند صحابہؓ کے ساتھ رافع کی طرف اور سیدنا عبداللہ بن انیسؓ جہنی کو سفیان بن خالد کی طرف روانہ کیا تھا تو اس حدیث میں اور ان قضایا میں جس میں آپ ﷺ نے اس طرح قتل کا حکم فرمایا تھا کس طرح تطبیق ہوگی؟ تو (اس کے جواب میں) ہم کہیں گے ہوسکتا ہے غفلت میں قتل کرنے کی ممانعت ان واقعات کے بعد کی ہو اور یہی بات ظاہر ہے۔کیونکہ پہلا واقعہ تیسرے سال کا ہے، دوسرا واقعہ چوتھے سال کا اور تیسرا جنگ خندق کے بعد پانچویں سال کا ہے۔اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ساتویں سال جنگ خیبر کے موقعہ پر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو کیونکہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو معصوم بنایا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ حکم آسمانی ہو کیونکہ ان مقتولین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غدر اور عہد شکنی کرنا ظاہر ہو چکا تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی گفتگو سے پیش آئے تھے جس کا ذکر تک جائز نہیں ہے۔آپ ﷺ کے ساتھ ان کی ایذارسانی اور ان کا آپ ﷺ کے خلاف حد درجہ بھڑکانا بہت زیادہ ہو چکا تھا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قاضی نے اسی صورت کو اختیار کیا ہے اور اس کی تلخیص کرتے ہوئے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان ایسے غلط کام سے روکتا اور اس کو حرام قرار دیتا ہے۔کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس طرح کا کام کرے کیونکہ مقصود اگر مسلمان کو قتل کرنا ہے تو ظاہر ہے (کہ وہ ناجائز ہے) اگر وہ کافر ہے تو اس کو پہلے سے پہلے آگاہ کرنا اور توبہ کے لئے مہلت دینا ضروری ہے۔کیونکہ مقصود بالذات قتل کرنا نہیں ہے بلکہ طلب کمال ہے۔اور بقدر امکان اسلام کے لئے آمادہ کرنا ہے۔اور یہ ایسی صورت میں ہے کہ وہاں کوئی دوسری دینی وجہ نہ ہو۔اور اگر کوئی دوسری وجہ ہے مثلاً جب یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے کفر پر ہے اور مسلمانوں کے قتل پر حریص ہے اور اس کے لئے کسی بھی موقع کی تاک میں رہتا ہے۔اور اس کے سوا اس کو روکنے کی کوئی صورت کارگر نہ ہو تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں۔

28/4812۔ جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب غلام شرک کی طرف بھاگے 20؎ تو اس کا خون حلال ہے۔ 21؎ (ابوداؤد)

29/4813۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودی عورت سخت سست کہتی اور آپ کی گستاخی کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک صاحب نے اس کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دیا 22؎ (تاوان نہیں لگایا)۔ (ابوداؤد) اور یہ قتل سیاست پر محمول کیا جائے گا اور اس سے عقد ذمہ ختم نہیں ہوتا ہے کیونکہ

20؎ قولہ: اذا ابق العبد الی اهل الشرک یعنی اسلام سے مرتد ہوجائے یا مشرکین کی طرف بھاگ جائے۔ اگر وہ مشرکین کی طرف بھاگا ہے کہ وہ شرک کی طرف لوٹ رہا ہے تو اس پر اس کی سزا جاری ہوگی۔ اس کا خون حلال ہوگا اس کا قتل جائز ہوگا۔ لیکن جب وہ اسلام پر باقی رہے تو اس وقت اس حکم کو تشدید اور تغلیظ پر محمول کریں گے (بذل المجھود)

21؎ قولہ: فقد حل دمه اس کا خون حلال ہے یعنی اگر اس کو کسی نے قتل کیا تو وہ ضمان نہیں دے گا اگرچہ کہ وہ مرتد نہ ہوا ہو۔ اسی طرح لمعات میں ہے۔

اور مرقات میں ہے کہ اس کے قاتل پر کوئی چیز نہیں ہے اور اگر اس کے ساتھ ساتھ مرتد ہوجائے تو وہ بدرجہ اولیٰ قتل کیا جائے گا۔

حضرت علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور یہ اگر اپنے دین سے مرتد نہ بھی ہو تو اس نے مشرکوں کے پڑوس میں جا کر اور دارالاسلام چھوڑ کر ایسی حرکت کی ہے جس کی بناء اس کا خون حلال ہوا یعنی اس کا بدلہ نہیں ہے۔

جب کہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایتراای ناراهما (ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو دکھائی نہ دے)

22؎ قولہ: فابطل النبی صلی الله علیه وسلم دمها (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل قرار دیا) حضرت مظہر نے فرمایا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی اگر اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کے بارے میں زبان درازی سے باز نہ آئے تو وہ حربی مباح الدم ہے۔ (جس کا خون حلال ہے) اور اپنے ذمہ کے معاہدہ کو توڑ دینا ہے اور اسی کو امام شافعی نے اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے اصحاب (حنفیہ) کے پاس اس کی وجہ سے اس کا ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مسلمان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہے تو اس کا ایمان باطل ہوجاتا ہے تو اسی طرح اس کی وجہ سے ذمی کا بحالت ذمہ امان بھی ختم ہوجائے گا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سست کہنا یا اس جیسے کوئی گستاخانہ کلمات کہنا کفر ہے اور وہ اپنے کفر پر قائم ہے اور اس کا یہ کفر عقدِ ذمہ کے منافی نہیں ہے۔

جس طرح اس کا سابقہ کفر عقدِ ذمہ کے مانع نہیں ہے اسی طرح اس کا حالیہ کفر بھی ذمہ کا مانع نہیں ہوگا۔ اور اس بات پر وہ احادیث بھی شاہد ہیں جو کتب صحاح میں ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہودی آپ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتے اور السام علیکم کہتے تھے۔ اور السام کے معنی موت ولعنت کے ہیں۔ اس کے باوصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم......

......ان کی طرف کوئی التفات نہیں فرماتے تھے۔ ونیز ہماری دلیل وحجت ذوالخویصرہ کی بھی حدیث ہے۔

اور یہودیہ کی اس حدیث میں اس کے عہد ذمہ کے ٹوٹ جانے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کو سیاسی مصلحت پر محمول کیا جائے گا۔

صاحب ردالمختار نے فرمایا ہے کہ میں نے حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب ''الصارم المسلول'' میں دیکھا ہے کہ حنفیہ کے اصول میں ہے کہ جن چیزوں میں ان کے پاس قتل نہیں ہے جیسے غیر دھاری دار آلہ سے قتل کرنا۔اور عورت کی شرمگاہ کے علاوہ میں جماع کرنا۔جب ان کو بار بار کیا جائے تو امام کو حق حاصل ہے کہ اس کے مرتکب کو قتل کردے اور اسی طرح اگر وہ اس میں مصلحت سمجھتا ہے تو اس کو مقررہ حد سے زیادہ سزا دے۔اور اس قسم کے جرائم میں قتل سے متعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ سے جو روایات آئی ہیں ان کو حنفی حضرات اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ آپ نے اس میں کوئی مصلحت سمجھی ہے۔اور وہ حضرات اس کو سیاسۃً قتل کرنا کہتے ہیں۔حاصل کلام یہ کہ امام کو اختیار ہے کہ جو جرائم کہ وہ بار بار کرنے سے ایسے بڑے ہوجاتے ہوں کہ ان جیسے جرائم میں قتل کا حکم ہے۔تو اس کے مرتکب کو وہ تعزیراً قتل کرسکتا ہے اسی لئے اکثر حضرات نے فتوی صادر کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ذمی سب وشتم کرتے جائے تو اس کو قتل کردیا جائے گا اگرچہ کہ وہ پکڑے جانے کے بعد اسلام قبول کرے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کا یہ قتل کیا جانا سیاسۃ ہے۔حضرت علامہ عینی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہنے والے کو قتل کردیناہی میرے پاس مختار ہے۔

امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی آپ کی متابعت کی ہے اور خیر رملی رحمہ اللہ نے بھی اسی پر فتوی دیا ہے کہ تعزیراً قتل کیا جائے گا اور فرمایا کہ اس سے ذمہ کے ختم نہ ہونے سے اس کو قتل نہ کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ ذمہ کو توڑنے کے سلسلہ میں انھوں نے جو بحث کی ہے اس کا خلاف مذھب ہونا مسلم ہے۔البتہ قتل کے بارے میں انہوں نے جو بحث کی ہے۔تو اس میں کوئی مخالفت نہیں۔

جب تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ تعزیراً قتل کیا جاسکتا ہے تو پھر اگر کوئی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب وشتم کرے تو اس کو بھی تعزیراً قتل کیا جائے گا۔خاص طور پر جب کہ وہ علانیہ طور پر یا بار بار ایسا کیا ہو۔بلکہ ایسے شخص کا سیاسۃً قتل واجب ہونے کی فقہاء نے صراحت کی ہے۔

ابوالسعود مفتی روم نے یہی فتوی دیا ہے بلکہ اکثر حضرات حنفیہ نے یہی فتوی دیا کہ جب وہ اکثر نازیبا کلام کرے جیسا کہ ہم نے الصارم المسلول کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے۔اور امام ابن ہمام کے کلام **اذا اظھرہ یقتل بہ** (جب وہ علانیہ ایسا کرے تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کردیا جائے گا) کا یہی مطلب ہے۔پس آپ کا یہ کلام مخالف مذہب نہیں ہے۔

صاحب شفاء رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ تمام لوگ جنھوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں عیب لگایا یا آپ ﷺ کی ذات مقدسہ میں یا آپ ﷺ کے نسب مبارک میں یا آپ ﷺ کے دین حنیف میں یا آپ ﷺ کے خصال جمیلہ میں سے کسی خصلت طیبہ میں تنقیص کی یا آپ ﷺ کی شان عظیم میں نازیبا الفاظ سے عیب لگانے یا بعض وعناد کے طور پر یا آپ ﷺ کی شان کو گھٹانے کے لئے کسی چیز سے تشبیہ دی یا آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے منصب عظیم سے کم کسی چیز کی بطور مذمت کرے یا اپنے قول وفعل وغیرہ سے آپ ﷺ کی شان کو ہلکا ظاہر کرے یا آپ ﷺ پر آئی ہوئی ابتلائات کی وجہ سے، یا آپ ﷺ پر طاری بعض بشری عوارض کی وجہ سے آپ ﷺ کی تحقیر کرے تو ایسا......

30/4814 ۔امام احمد اور امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی گزرا اور اس نے ''السام علیک'' کہا۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''وعلیک'' فرمایا۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟ اس نے ''السام علیک'' (تجھ پر موت آئے) کہا ہے۔صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم اس کو قتل نہ کردیں۔آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو تم وعلیکم کہہ دو اور پہلے گزر چکا ہے کہ ذوالخویصرہ نے کہا تھا یا رسول اللہ عدل کیجئے پھر بھی آپ ﷺ نے اس کے قتل سے منع فرمایا۔

31/4815 ۔حضرت سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جادوگر کی سزا تلوار سے ماردینا ہے۔23 (ترمذی)

......آدمی حقیقت میں آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ قتل کردیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔اور اس پر صحابہ کرامؓ کے عہد سے آج تک تمام اہل علم اور اصحاب فتوی ائمہ کا اجماع ہے۔

(ماخوذ از مرقات،شرح الوقایہ،عمدۃ الرعایۃ،نیل الاوطار،درمختار،ردالمختار وغیرہ)

23 قولہ: حد الساحر ضربۃ بالسیف (جادوگر کی سزا تلوار سے ماردینا ہے)۔صاحب ردالمختار نے فرمایا فتح القدیر میں ہے جادو کے حرام ہونے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کے جائز ہونے کا اعتقاد کفر ہے اور ہمارے اصحاب (احناف)،امام مالک،امام احمد رحمہم اللہ سے مروی ہے جادو کے سیکھنے اور کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے خواہ اس کی حرمت کا عقیدہ رکھے یا نہ رکھے۔اس کو قتل کردیا جائے گا۔اس بارے میں مرفوع حدیث موجود ہے۔حد الساحر ضربۃ بالسیف یعنی تلوار سے اس کو قتل کردینا۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ کافر ہوگا مگر یہ کہ وہ اس کو جائز سمجھے۔

اور ''خانیہ'' میں ہے ایک شخص نے میاں بیوی میں تفریق ڈالنے کی غرض سے شعبدہ بازی کی۔تو علماء نے کہا ہے کہ وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کردیا جائے گا۔اگر وہ اس شعبدہ کو مؤثر سمجھتا ہے اور اس کے ذریعہ میاں بیوی میں تفریق کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے حضرت شیخ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جادو کو مطلقاً کفر کہنا غلطی ہے بلکہ اس کی حقیقت کے بارے میں بحث کرنا ضروری ہے اگر اس میں ایمان کے شروط میں سے کسی لازم اور ضروری چیز کا رد ہے تو یہ کفر ہے ورنہ نہیں۔پھر جو جادو کفر ہے اس پر مردوں کو قتل کیا جائے گا عورتوں کو نہیں۔اور جو جادو کہ کفر نہیں ہے لیکن اس میں جان کو ہلاک کرنا ہے اس کا حکم ڈاکوؤں کی طرح ہے اور اس میں مرد و زن برابر ہیں۔

اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور جو کہتے ہیں کہ توبہ قبول نہیں کی جائے گی تو وہ غلط ہے کیونکہ فرعون کے جادوگروں کی توبہ قبول کی گئی ہے۔انتھی۔

(16) كِتَابُ الْحُدُوْدِ 1

مقررہ سزاؤں کا بیان

اللہ بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے: ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيُ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ، وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ''.

---

1 قولہ: الحدود (حدود) حد ایسی سزا ہے جو اللہ تعالی کے حق کے بطور مقرر کی گئی ہے۔

عقاب اور عقوبت میں فرق

ارتکاب جرم کے باعث انسان کو جو تکلیف آخرت میں لاحق ہوتی ہے اس کو عقاب کہا جاتا ہے۔ اور جو تکلیف دنیا میں لاحق ہوتی ہے اس کو عقوبت کہا جاتا ہے۔

حد کا رکن...... حد کو قائم کرنے کے لئے امام یا اس کا نائب ہونا

شروط حد ﴿ شروط حد میں یہ ہے کہ جس پر حد قائم کی جارہی ہے وہ صاحب اعتبار (ذی عقل و باہوش) صحت مند ہو لہذا دیوانے پر اور اس پر جو حالت نشہ میں ہو حد قائم نہیں کی جائے گی اسی طرح بیمار اور ضعیف الخلقت پر جب تک وہ صحتمند نہ ہوجائیں، حد قائم نہیں کی جائے گی۔

اسباب حدود ﴿ زنا کا ارتکاب یا تہمت لگانا یا شراب نوشی کرنا۔

حدود کی حکمت ﴿ جس پر حد قائم کی جارہی ہے اس کا آئندہ باز رہنا۔

اور حد کی تعریف میں مقرر کئے جانے کی قید تعزیرات سے احتراز کے لئے ہے کیونکہ تعزیر کی مقدار شریعت میں مقرر نہیں ہے بلکہ یہ حاکم وقت کی رائے کے حوالے ہے اور اللہ تعالی کے حق کے بطور قید لگا کر قصاص سے احتراز مقصود ہے کیونکہ قصاص دلوں کی شفاء کے لئے ہے اور یہ قصاص بندوں کا حق ہے۔

تقدیرات (شریعت کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں وغیرہ) کی چار قسمیں ہیں

1۔ ان میں سے ایک تقدیر وہ ہے جس میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی تو وہ حدود ہیں۔

2۔ دوسری تقدیر جس میں کمی وزیادتی ہوسکتی ہے۔ جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا اور کوئی نفس نہیں جانتا وہ کل کیا کمائے گا...... کیونکہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ آج آنے والے وقت میں اور پرسوں کیا کمائے گا۔

3۔ وہ تقدیر جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی البتہ کمی ہوسکتی ہے جیسے خیار شرط امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس (تین دن سے زیادہ کا خیار نہیں رہے گا البتہ تین دن سے کم کی شرط کرسکتے ہیں)

4۔ وہ تقدیر ہے جس میں کمی نہیں ہوسکتی زیادتی ہوسکتی ہے۔ جیسے مدت سفر (قصر کے لئے تین دن کی مسافت) (ماخوذ از شروح کنز)

زانیہ 2 اور زانی پس تم ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تم کو ان دونوں پر اللہ کے دین میں ترس نہ آئے۔ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اور حاضر رہے ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت۔ (24۔سورۃ النور، آیت نمبر:2)

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

" فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ، مَّنْضُوْدٍ .مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ".

جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اور اس پر مسلسل سخت پتھر برسائے جو آپ کے رب کے پاس نشان زدہ تھے۔ (11۔سورہ ہود، آیت نمبر:82/83)

---

2 قولہ: الزانية و الزاني الخ (زانیہ اور زانی) آزاد مرد اور آزاد عورتوں کے لئے سزا دو قسم کی ہے۔

1۔ سو کوڑے لگانا جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

2۔ شادی شدہ کے لئے رجم۔ (سنگسار کرنا) جو سورۂ احزاب میں مذکور تھا۔

اللہ تعالی کا ارشاد: اذا زنى الشيخ و الشيخة فارجمو هما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم ہ اور ایک روایت میں البتہ کے بعد "بما قضيا من اللذة" زائد ہے۔

جب شیخ یا شیخہ (شادی شدہ) زنا کرے تو قطعی طور پر ان دونوں کو سنگسار کرو ان کی شہوت رانی کی وجہ سے۔ اللہ کی طرف سے بطور عبرت ناک سزا، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اور یہ آیت منسوخ التلاوت ہے۔ جیسا کہ محدث ابوعبید، امام حاکم اور دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔ اور امام بخاری اور امام مالک موطا میں اور اسی سند سے امام محمد نے موطا میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے اپنی آخری حیات میں دوران خطبہ ارشاد فرمایا تم آیتِ رجم کے بارے میں ہلاک ہونے سے بچو مبادا کہ کوئی کہنے والا ایسا کہے کہ ہم اللہ کی کتاب میں دو حدوں کو نہیں پاتے ہیں۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رجم کئے ہیں اور ہم رجم کئے ہیں اور یقیناً اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کر دیا ہے تو یقیناً میں اس کو لکھتا۔ الشيخ و الشيخة فارجمو هما البتة یقیناً ہم نے اس کی قرأت کی ہے۔

امام مالک نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا رجم اللہ کی کتاب میں ثابت ہے شادی شدہ مرد اور عورتوں پر جب وہ زنا کریں اور اس پر دلیل قائم ہو یا حمل قرار پایا ہو یا اعتراف کر لیا جائے۔......

اوراللہ تعالی کاارشاد ہے:''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَاتَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا، فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ''۔

اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں پر پھر وہ چار گواہ نہ لائیں تو تم ان کو اسّی (80) کوڑے مارو اور تم ان کی گواہی کبھی قبول مت کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور (اپنی) اصلاح کرلیں تو یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔
(24۔سورۃ النور، آیت نمبر:4/5)

1/4816۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اللہ کے مقرر کردہ حدود کو، رشتہ دار ہو یا اجنبی سب پر جاری کرو۔اللہ کے معاملہ میں تم کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہ روکے۔
(ابن ماجہ)

2/4817۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

......حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لا يحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث رجل زنى بعد احصان فانه يرجم ورجل خرج محار بالله ورسوله فانه يقتل اويصلب او ينفى من الارض و رجل قتل نفسه قانه يقتل بها.** (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی وغیرہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے۔

1۔ایسا آدمی جو شادہ شدہ ہونے کے بعد زنا کرے تو اس کو رجم کیا جائے گا۔

2۔ایسا آدمی جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے جنگ کرنے نکلے اس کو قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی۔یا زمین میں اس کو بے قوت کردیا جائے گا۔

3۔اور ایسا آدمی جو کسی نفس کو قتل کرے تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام نسائی اور دوسروں نے متقارب الفاظ کے ساتھ مختلف سندوں سے اس کی روایت کی ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ رجم شادی شدہ قرآن پاک اور بکثرت احادیث شریفہ اور آثار صحابہ سے ثابت ہے بلکہ اس پر اجماع ہوا ہے۔(عمدۃ الرعایۃ)

وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے مقرر کردہ حدود میں سے کسی حد کو جاری کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔(ابن ماجہ)

3/4818۔امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی ہے۔

4/4819۔سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا جب میری براءت نازل ہوئی تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر اس کا ذکر فرمایا اور جب آپ منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک خاتون کے بارے میں حکم فرمایا اور ان کو حد لگائی گئی 3 (ابوداؤد)

5/4820۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی بکر بن لیث کے ایک آدمی نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر چار مرتبہ اقرار کیا کہ ایک عورت سے اس نے زنا کیا 4 تو آپ ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگانے کا حکم فرمایا۔وہ غیر شادی شدہ تھا۔پھر آپ ﷺ نے

---

3 قولہ: فضربوا حدھم (پس ان کو ان کی حد لگائی گئی) یہاں اس سے تہمت لگانے کی حد مراد ہے۔کتاب رحمۃ الامۃ میں ہے ائمہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب آزاد، عاقل، بالغ اور صاحب اختیار مسلمان صراحتاً زنا کی تہمت لگائے کسی ایسے آزاد، عاقل بالغ پاکباز مسلمان مرد پر جس پر زنا کی حد نہیں لگی ہے یا کسی آزاد، عاقلہ، بالغہ پاکدامن مسلمان خاتون پر جو لعان نہیں کی اور نہ اس پر حد زنا لگی ہے اور وہ (تہمت لگانے والا) دارالحرب میں نہیں ہے اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ حد کو قائم کرنے کا اپنی طرف سے مطالبہ کرے تو اس پر اسّی (80) کوڑے حد لازم آئے گی اور اسّی (80) سے زائد نہیں لگائی جائے گی۔اور غلام کی حد تہمت لگانے میں تمام فقہاء کرام کے پاس آزاد آدمی کی حد کا نصف ہے۔12

4 قولہ: انہ زنی بامرأۃ و کان بکرا فجلدہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مائۃ الخ تم یہ بات یاد رکھو کہ زانیہ اور زانی کبھی شادی شدہ ہوتے ہیں اور کبھی غیر شادی شدہ ہوتے ہیں۔حدیث شریف میں کوڑے لگانے کا مذکورہ حکم یہ غیر شادی شدہ کے لئے ہے۔اور پھر یہ بات کہ غیر شادی شدہ کے لئے ہمارے پاس صرف کوڑے لگانا ہے یعنی غیر شادی شدہ کی حد ہمارے پاس صرف کوڑے لگانا ہے۔اور نفی (شہر بدر کرنا) دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔شہر بدر کرنا حد میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ امر سیاسی ہے اور امام کی رائے کے حوالے ہے وہ چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا غیر شادی شدہ کی مکمل حد نفی کے ساتھ ہے یعنی ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا بھی (حد میں) ہے یعنی کوڑے لگانے کے بعد زانی اور زانیہ کے درمیان ایک سفر کی مسافت کی دوری......

...... پیدا کرنا۔نفی حدِ زنا کا (امام شافعی کے پاس) ایک حصہ ہے اور دونوں کا مجموعہ مکمل حد ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث شریف اور سورہ نور کی آیت کریمہ ہے کیونکہ وہ آیت حد کے بیان کے لئے ہے۔اور مقام بیان میں کسی چیز کے بارے میں سکوت اختیار کرنا اس کے مکمل ہونے کی دلیل ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالی نے ''فاجلدوا'' (تو تم کوڑے مارو) کو جزا قرار دیا ہے۔اور جزا نام ہے مکمل بدلے کا۔پس مکمل حد صرف کوڑے لگانا ہے۔

اور ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے کا قول کتاب اللہ پر زیادتی ہے۔اور زیادتی ہمارے پاس نسخ ہے اور نسخ خبر واحد سے درست نہیں۔

اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ نفی (جلاوطن کرنا) حد کے طور پر نہیں بلکہ اس کو امر سیاسی قرار دیا جائے۔ علماء اصول نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کوڑے اور نفی دونوں کا ذکر ہے۔اور اس کی موافقت میں وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کئے ہیں ''**ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قضی فیمن زنی ولم یحصن بنفی عام و باقامة الحد علیه**'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو اس کے لئے ایک سال کے لئے جلاوطن کرنے اور اس پر حد قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

حضرات حنفیہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ امام شافعی رحمۂ اللہ جن احادیث کو بیان کئے ہیں وہ منسوخ ہیں اور بخاری شریف کی اس حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ شہر بدر کرنا واجب حد میں داخل نہیں ہے کیونکہ نفی پر حد کا عطف کیا گیا ہے۔پس اس کو محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ بطور زجر و سیاست یہ عمل فرمائے ہیں۔

اور اسی پر محمول کیا جائے گا امام ترمذی وغیرہ کی روایت کو کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے زانی کو کوڑے لگایا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا۔اور سیدنا علی کرم اللہ وجھہ کا قول جس کی محدث عبدالرزاق نے تخریج کی ہے ''**کفی بالنفی فتنة**'' '' جلاوطن کرنا فتنہ کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے'' اس کی تائید کرتا ہے۔

اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی سزا میں جلاوطن کئے تھے تو ہرقل سے جاملا اور عیسائیات کو اختیار کرلیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اب اس کے بعد میں کسی مسلمان کو شہر بدر نہیں کروں گا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کا شہر بدر کرنا ایک سیاسی و تعزیری امر تھا۔حد کے طور پر نہیں کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ جیسے خلیفہ حد کے قائم نہ کرنے پر قسم نہیں کھا سکتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جلاء وطن کئے جانے کا ثبوت رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور کبار صحابہ سے بلاشبہ قولاً وفعلاً ثابت ہے۔......

اس سے اس عورت کے متعلق گواہ طلب کئے تو اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ اس نے جھوٹ کہا تو آپ ﷺ نے تہمت کی حد (80) کوڑے لگانے کا حکم فرمائے۔ (ابوداؤد)

ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر جلاوطن کرنا ضروری ہوتا تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم اس کو چھوڑتے نہیں تھے۔

6/4821۔ اوراس کی تائید اس روایت سے ہے جس کو محدث عبدالرزاق نے، اورامام محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ان (زانی، زانیہ) کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے ان دونوں کی قوت توڑ دینا کافی ہے۔

7/4822۔ اور ایک روایت میں جو امام محمد بن حسن نے ابراہیم نخعی سے کی ہے انہوں نے کہا اس کی قوت توڑ دینا اس کے فتنہ کو ختم کردینے کے لئے کافی ہے۔

8/4823۔ عبدالرزاق نے ابن مسیّب سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی سزا میں خیبر کی طرف شہر بدر کردیا تو وہ ہرقل (بادشاہ روم) سے جاملا اور نصرانی بن گیا تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اس کے بعد اب میں کسی مسلمان کو شہر بدر نہیں کرونگا۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں فرمایا ہے کہ ہم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔

9/4824۔ حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے کہ حضرت

......لیکن ان روایات میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ یہ جلاء وطن کیا جانا حد کا ایک جز ہے۔ اور صرف کوڑے لگانا مکمل حد ہے پس مناسب بات یہی ہے کہ صرف کوڑے لگانے سے حد قرار دیا جائے جیسا کہ آیت کریمہ میں اس پر دلالت موجود ہے اور جلاء وطن کئے جانے کو جو کہ احادیث سے ثابت ہے سیاسی اور تعزیری امر قرار دیا جائے اور اگر وہ حدیث جس میں شادی شدہ زانی کو رجم کرنے اور کوڑے لگانے کا بیان ہے اسی (سیاست) پر اس کو بھی محمول کیا جائے تو یہ کوئی بعید بات نہیں۔ پس اس سے متعصبین کا حنفیہ کے خلاف یہ کہنا باطل ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تغریب (شہر بدر کرنے) کے بارے میں مروی احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ نے اس باب میں تمام آیات واحادیث پر عمل کیا ہے اور ہر ایک کو مناسب مقام میں رکھا ہے۔ اور جو کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ جلاوطن کرنا حد کا ایک جز ہے اور آیت میں جو مذکور ہے وہ حد کا ایک حصہ ہے تو اس کو واضح دلیل لانا چاہئے۔

(تفسیرات احمدیہ، تعلیق مجد، عمدۃ الرعایۃ، شروح کنز)

سعد بن عبادہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محلّہ کے ایک آدمی کو لے کر آئے۔ جو اپاہج و بیمار تھا اور وہ اہل محلّہ کی باندیوں میں سے کسی کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پایا گیا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے شاخوں کا ایک گٹھا لو5 جس میں سو چھڑیاں ہوں اور اس کو اس سے ایک مرتبہ مارو۔ اس کی روایت شرح السنہ میں ہے۔

(امام ابن ماجہ نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے)

10/4825۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ماعز بن مالک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کئے یہ کمبخت6 زنا کیا ہے7۔ آپ اس پر حد قائم

---

5 قولہ: خذوا له عثكالًا فيه مائة شِمْرَاخ درمختار اور ردالمختار میں ہے مریض زنا کرے تو اس کو رجم کیا جا سکتا ہے اور اس کے صحت یاب ہونے تک کوڑے نہیں لگائے جائیں گے مگر اس کے اچھے ہونے کی امید ختم ہو جائے تو اس پر کوڑے اس طرح لگائے جائیں کہ خفیف انداز میں مارا جائے جو اس کے لئے قابل برداشت ہو۔

فتح القدیر میں ہے ایسی بیماری جس سے شفاء کی امید نہ ہو جیسے سل کی بیماری یا کمزور اعضاء کا ہو تو ہمارے پاس اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سو کاڑیوں کے مٹھے سے ایک مرتبہ مارا جائے گا اور اس کے لئے تمام کاڑیاں بدن سے لگنا ضروری ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ کاڑیوں کا پھیلا ہوا ہونا ضروری ہے اور عثکال اور عثکول کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں۔

6 قولہ: ان الاٰخر یعنی خیر کے مقامات سے پیچھے رہنے والا۔ اس کنایہ سے انہوں نے اپنی ذات مراد لی ہے۔ (تنسیق النظام)

7 قولہ: قد زنى فاقم عليه الحد فرده رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ زنا گواہ اور اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ اور اقرار یہ ہے کہ بالغ عاقل اپنے نفس پر اپنی چار مجلسوں میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرے۔ اور جب بھی اقرار کرے قاضی اس کو واپس لوٹا دے بالغ اور عاقل ہونے کی شرط لگانا اس لئے ہے کہ بچے اور دیوانے کا قول غیر معتبر اور حد کو واجب نہیں کرتا۔ اور چار مرتبہ کی شرط ہمارا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ اقرار کافی ہے۔

دوسرے تمام حقوق کی طرح۔ نیز امام شافعی اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ نے عسیف (مزدور) کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور ہماری دلیل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار مجلسوں میں چار مرتبہ (زنا کا) اقرار مکمل ہونے تک حد کو مؤخر فرمایا۔ اگر ایک مرتبہ اقرار کافی ہوتا چار مرتبہ کی ضرورت نہ ہوتی اور آپ ﷺ حد کے واجب ہونے کی خاطر اس کو مؤخر نہ کرتے اور اس لئے بھی کہ اُس کی شہادت کا نصاب زائد تعداد کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا زنا کے معاملہ میں اس کے سنگین ہونے کی وجہ سے اقرار کو چار مرتبہ ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ مؤمن کی ستر پوشی ہو سکے۔ (مأخوذ از ہدایہ وبنایہ) اور کتاب "تنسیق النظام" میں ہے کہ بکثرت روایت سے چار مرتبہ اقرار کا وجوب ثابت ہے ورنہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار مجالس میں اقرار ہونے تک اقامت حد کو، واجب ہونے کے باوجود......

کیجئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لوٹا دیا پھر وہ دوسری مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو اسی طرح فرمایا۔ پھر وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو اسی طرح فرمایا پھر چوتھی مرتبہ وہ حاضر ہو کر عرض کئے کہ یہ کمبخت زنا کیا ہے آپ اس پر حد قائم کر دیجئے۔
تو آپ ﷺ نے ان کے بارے میں اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کیا تم ان کی عقل میں کچھ فتور پاتے ہو تو انھوں نے کہا ''نہیں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کو لے جاؤ اور رجم کر دو۔ 8

......مؤخر کرتے رہے اور اس سے اعراض کرتے رہے اور ان کو واپس کر دیتے رہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے۔
اب رہا مزدور کی حدیث (یعنی مزدور جو زنا کا مرتکب ہوا تھا) کی حدیث میں ''یا انیس ان اعترفت اربع مرات'' (اے انیس اگر وہ عورت چار مرتبہ اقرار کرے) یہ الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن کسی چیز کا ذکر نہ ہونے سے اس چیز کا فی الواقع نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور امام طحاوی نے فرمایا ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی حد کے واجب ہونے کے لئے اقرار زنا کا چار مرتبہ ہونا ضروری ہے۔ جو اس طرح اقرار کرے گا اس پر حد جاری ہوگی اور جو اس سے (چار مرتبہ سے) کم اقرار کرے گا تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اور سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی شراحہ ہمدانیہ کے معاملہ میں اسی پر عمل کیا کیونکہ انہوں نے ان کو چار مرتبہ واپس کیا۔
اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے عسیف کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ آپ ﷺ کے ارشاد ''اے انیس اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کرے تو اس کو رجم کر دو'' اس میں چار مرتبہ ذکر نہیں ہے تو ہو سکتا ہے حضرت انیس کو حد زنا کے وجوب کے لئے اعتراف کا جو طریقہ ہے وہ معلوم رہا ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز وغیرہ کے معاملہ میں صحابہ کو یہ بات بتائی تھی اور انیس کو یہ بات معلوم ہے کہ کس اقرار سے حد واجب ہوتی ہے اسی لئے آپ ﷺ نے ان کو اس کا حکم دیا ہو۔
8 قولہ: فارجموہ: لا نہ کان محصنا (ان کو رجم کر دو کیونکہ وہ شادی شدہ تھے) شادی شدہ کے بارے میں رجم متواتر المعنی احادیث و اخبار سے ثابت ہے اگر چیکہ اس کی تفصیلات خبر واحد یا مشہور سے آئی ہیں۔ اور اس کی تائید الشیخ والشیخۃ اذا زنیا (الآیۃ) کی قرأت سے ہوتی ہے اگر چیکہ یہ آیت منسوخ التلاوۃ ہے اور یہ مجموعہ اللہ تعالی کے ارشاد ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا'' (الایۃ) (سورۃ النور، آیت نمبر: 2) کے عموم کے لئے شادی شدہ کے حق میں مخصص ہے اور غیر شادی شدہ اپنی حالت پر اس جلد (کوڑے مارنے) کے حکم میں باقی رہے گا۔ اور یہ مجموعہ قطعی متواتر ہے جو اس کا ناسخ بن سکتا ہے۔ کتب صحاح میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول مروی ہے جس کو آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔ وایم اللہ لو لا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبتھا۔ اللہ کی قسم اگر اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اس کو ضرور لکھ دیتا۔ پھر حضرت ماعز بن مالک اسلمی کی حدیث جس کی اصحاب صحاح ستہ نے تخریج کی ہے اور امام مالک اور دوسروں نے بھی مختلف الفاظ اور مختلف مضامین کے ساتھ مطول اور مختصر بکثرت صحابہؓ سے روایت کی ہے۔ جیسے حضرت عبادہ بن صامت، ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید، بریدۃ بن الخصیب اسلمی، اور جابر بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین اور یہ حدیث مشہور ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ اور اس کی بکثرت روایتیں ہیں اور......

راوی نے کہا کہ ان کو لے جایا گیا اور پتھروں سے سنگسار کیا گیا اور جب ان کے قتل میں دیر ہونے لگی تو وہ بہت پتھر والے ایک مقام میں جا کر ٹھہر گئے تو مسلمان ان کے پاس پہنچ کر ان کو پتھروں سے سنگسار کئے یہاں تک کہ ان کو قتل کر دئے۔

جب یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کیوں تم ان کا راستہ چھوڑ نہیں دئے۔9 لوگ ان کے بارے میں مختلف ہو گئے کسی کہنے والے نہ کہا یہ ماعز کو خود کو ہلاک کر لئے۔

...... صحیحین وغیرہ میں معتدد روایتیں موجود ہیں کہ جن سے زنا کا اپنے اوپر اقرار کرنے والے کے لئے چار مرتبہ گواہی کا شرط ہونا ظاہر ہے۔ ابوداؤد شریف میں نعیم بن ہزال کی حدیث میں ہے۔ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **انک قد قلتھا اربع مرات** الخ (تم تو اس کا 4 مرتبہ اقرار کر کے بتلاؤ کس کے ساتھ یہ حرکت کی ہے تو انہوں نے کہا فلاں خاتون کے ساتھ) اور یہ بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ ایسا ہی ضروری اور واجب ہے جیسے کہ مزنیہ (جس کے ساتھ زنا کیا گیا) کے بارے میں سوال ضروری ہے و نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وجوب حد کے ارکان میں سے ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے تھے کہ غامدیہؓ (خاتون) اور حضرت ماعز بن مالکؓ اپنے اعتراف کر لینے کے بعد اگر رجوع کر لیتے یا راوی نے یہ کہا اپنے اعتراف کر لینے کے بعد وہ دونوں پھر لوٹ کر نہ آتے تو آپ ﷺ ان دونوں کو طلب بھی نہ کرتے۔ آپ ﷺ نے تو ان دونوں کو رجم کا حکم چوتھی مرتبہ میں فرمایا۔ اور اس طرح کی کتب صحاح میں بکثرت روایتیں موجود ہیں۔ (تنسیق النظام)

9 قولہ: **فقال ھلا خلیتم سبیلہ**۔ (آپ نے فرمایا کیوں تم ان کا راستہ چھوڑ نہیں دیئے) اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا۔ اقرار کرنے والا اس پر حد قائم ہونے سے پہلے یا اس کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کو قبول کر لیا جائے گا۔ اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ابن ابی لیلی کا یہی قول ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی کیونکہ اس کے اقرار سے حد واجب ہو چکی ہے اب اس کے رجوع کرنے اور انکار کرنے سے باطل نہیں ہوگی کہ جس طرح گواہی کے ذریعہ واجب ہو تو ساقط نہیں ہوتی اور یہ قصاص اور حد قذف کی طرح ہے جو ساقط نہیں ہوتے لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا رجوع کر لینا ایک خبر ہے جس میں اقرار کی طرح سچائی کا احتمال ہے۔ اور اس کو جھٹلانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ اس لئے اس کے اقرار میں شبہ پیدا ہو گیا۔ برخلاف حقوق کے جیسے قصاص اور حدِ قذف کہ اس میں اس کو جھٹلانے والا موجود ہے۔ لیکن جو خالص حق الشرع ہیں ان کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ عمدۃ الرعایہ میں ہے اگر اقرار کرنے والا حد جاری کرنے سے پہلے یا اس کے درمیان میں اپنے قول یا فعل کے ذریعہ اس سے رجوع کر لے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ قول کے ذریعہ رجوع کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے کَذَبْتُ فِی اقْرَارِی میں اپنے اقرار میں جھوٹ بولا ہوں۔ یا یوں کہے **ما اقررت بالزنا** میں زنا کا اقرار نہیں کیا ہوں۔ اور فعل کے ذریعہ رجوع کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ رجم کے وقت وہ بھاگ جائے اسی طرح شادی شدہ ہونے کے اقرار سے رجوع کر لے تو یہ بھی درست ہے۔ (البحر، الخانیہ) نیز یہ مذکورہ حدیث شریف بھی ہماری دلیل ہے۔

اور ایک کہنے والے نے کہا میں ان کے لئے توبہ کی امید کرتا ہوں یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یقیناً اس نے ایسی توبہ کی ہے 10؎ کہ لوگوں کی ایک بڑی

10؎ قولہ: فقال لقد تاب توبۃ الخ (یقیناً ایسی توبہ کی) تنسیق النظام میں ہے کہ حد توبہ ہونے اور گناہ کا کفارہ ہونے اور اخروی مؤاخذہ کو ختم کردینے کے مسئلہ میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ حدود زواجر ہے جو اس طرح کی برائی سے رک جانے اور دنیا کے نظام کو بہتر رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ اور یہ کفارات نہیں ہیں۔ اصولِ فقہ کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ اس مسئلہ میں شارحین حنفیہ اور عام شارحینِ ہدایہ سوائے ابن ہمام کے اس کے درپے نہیں ہوئے یہ اس لئے کہ نصوصِ قرآنیہ حدود کے کفارات نہ ہونے پر ناطق ہیں۔ جیسے حدود فی القذف کے بارے میں قرآن پاک کی آیت ہے۔ ''وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ،اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا '' یہی لوگ فاسق ہیں مگر وہ لوگ جو توبہ کریں۔ (سورۃ النور، آیت نمبر: 4/5) اور قطاع الطریق (ڈاکوؤں) کے متعلق آیت کریمہ ہے: ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ .اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا ۔ (سورۃ المائدۃ، آیت نمبر: 33/34) ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے مگر وہ لوگ جو توبہ کریں۔

ان کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں۔ اس لئے قطعی کی موافقت کے لئے ظنی کی تاویل کرنا ضروری ہے۔ جب کہ مسلم شریف میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے واقعہ کے متعلق حضرتِ بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت موجود ہے۔ ثم جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و هم جلوس فسلم ثم جلس الخ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے سلام کیا پھر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمائے کہ ماعز بن مالک کے لئے تم استغفار کرو۔ راوی نے کہا کہ صحابہ نے دعا کی، اللہ ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے۔ اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ فقال ویحک ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ آپ نے فرمایا افسوس ہے اللہ تم پر رحم کرے، واپس جاؤ اور اللہ سے مغفرت چاہو اور اس کی جناب میں توبہ کرو۔ پس اس سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حد ایک دوسری چیز ہے۔ اور گناہ و استغفار حد کے بعد بھی رہ سکتا ہے۔ اور ابوداؤد اور دوسرے محدثین کی ایک حدیث میں صراحت ہے کہ (ایک واقعہ میں) ہاتھ کاٹا گیا اور ان کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ سے استغفار کر اور اس کی جناب میں توبہ کر۔ تو انہوں نے کہا میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر آپ نے تین مرتبہ دعا فرمائی کہ اللھم تب علیہ اے اللہ تو اس کی توبہ قبول فرما۔ فاطمہ مخزومیہ جس نے چوری کی تھی اس کے واقعہ میں صحیحین وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی سند سے روایت ہے۔ فتابت و حسنت توبتھا وہ توبہ کی اور اچھی توبہ کی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حد ہی توبہ ہوتی تو از سرِ نو توبہ کی ضرورت نہ رہتی۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ضروری ہے کہ حدیث شریف کو محمول کیا جائے۔ ایسی صورت پر جب کہ سزا کے وقت میں توبہ کرے۔ کیونکہ اپنے ضرب اور رجم کے وقت اس فعل سے جس کے سبب اس کو یہ مزہ چکنا پڑا توبہ بھی کیا ہوگا۔ تمام اَدِلّـہ واحادیث کو جمع کرنے کے بعد اس کو اسی طرح سے مقید کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بات طئے ہے کہ ظنی کو قطعی سے معارضہ کے وقت مقید کیا جاتا ہے۔ لیکن قطعی کو مقید نہیں کیا جاتا ہے۔

جماعت یہ توبہ کرتی تو ان کی یہ توبہ قبول ہو جاتی۔

پس جب یہ بات لوگوں تک پہنچی تو ان کے بارے میں نیک توقع کئے اور حضور سے دریافت کئے کہ ان کے جسم کا کیا معاملہ کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کے ساتھ وہ معاملہ کرو [11] جو اپنے اموات کے ساتھ کفن، نماز اور دفن کا کرتے ہو تو راوی نے کہا تب ان کے ساتھی ان کو لے کر گئے اور ان پر نماز پڑھے۔(مسلم، امام ابوحنیفہ نے اس کی روایت کی ہے)

11/4826۔امام مسلم نے اسی کے ہم معنی روایت کی ہے مگر انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ ماعز بن مالک اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) میں اپنے نفس پر ظلم کیا اور مجھ سے زنا ہو گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ (ﷺ) مجھے پاک کریں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس لوٹا دیا جب دوسرا دن آیا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کئے یا رسول اللہ مجھ سے زنا ہو گیا۔تو آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ بھی انہیں واپس لوٹا دیا۔

12/4827۔امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت بریدہ نے کہا کہ ہم اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ ماعز بن مالک اگر تین مرتبہ اپنے اعتراف کے بعد گھر میں بیٹھ جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلب نہیں کرتے تھے۔اس کے سوا نہیں کہ ان کو چوتھی مرتبہ کے بعد سنگسار کیا گیا ہے۔

13/4828۔امام احمد ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ ماعز بن مالک حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں اس وقت آپ کے پاس تھا اور ایک مرتبہ اعتراف کئے۔آپ ﷺ ان کو واپس لوٹا دئے [12] پھر وہ اعتراف

---

[11] قولہ:''قال اصنعوا به ماتصنعون بموتاكم: من الكفن والصلوة عليه والدفن''۔
(ان کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے اموات کے ساتھ کفن، نماز اور دفن کا کرتے ہو) اسی لئے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا اور کفن پہنایا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

[12] قولہ: فرده ثم جاء (آپ ﷺ نے ان کو لوٹا دیا پھر وہ آئے) صاحب مرقات نے فرمایا اس حدیث شریف میں ان کے آنے کی تعداد کی صراحت ہے۔اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مقام سے چلے گئے ہوں اور پھر آئے ہوں اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جا کر واپس آئے تو یہ ایک دوسری مجلس قرار پاتی ہے۔

کئے تو دوسری مرتبہ بھی میں آپ ﷺ کے پاس تھا آپ ﷺ ان کو واپس لوٹا دئے تو وہ پھر آئے اور اعتراف کئے تیسری مرتبہ بھی میں آپ ﷺ کے پاس تھا آپ ان کو واپس لوٹا دئے تو میں نے ان سے کہا اگر تم چوتھی مرتبہ اعتراف کرو تو تم کو رجم کردیں گے۔

راوی نے کہا کہ انہوں نے چوتھی مرتبہ اعتراف کیا تو آپ ﷺ نے انہیں روکا اور ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہم ان کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ان کے لئے حکم دیا گیا تو وہ سنگسار کئے گئے۔

14/4829۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یہ کمبخت نے زنا کیا ہے۔تو آپ نے ان سے فرمایا تیرا بھلا ہو تجھے کیا معلوم زنا کیا ہے۔آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا تو ان کو ہٹا کر نکال دیا گیا۔تو پھر وہ دوسری مرتبہ آئے اور آپ سے اسی طرح عرض کئے تو آپ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کو ہٹا کر نکال دیا گیا۔پھر تیسری مرتبہ حاضر ہوکر انہوں نے ایسا ہی کہا تو آپ ﷺ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کو ہٹا کر نکال دیا گیا۔پھر وہ چوتھی مرتبہ حاضر ہوکر اسی طرح عرض کئے تو آپ نے فرمایا کیا تم نے ادخال 13 واخراج کیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔تو آپ نے ان پر رجم کرنے کا حکم فرمایا۔(صحیح ابن حبان)

اور امام طحاوی نے فرمایا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے شراحہ کے معاملہ میں اس پر عمل کیا۔ اور انکو چار مرتبہ واپس لوٹایا۔

15/4830۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا جب ماعز بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا شاید تم نے تو بوسہ دیا 14 یا دبایا اس کو دیکھا ہوگا انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ۔تو بغیر کنایہ کے آپ

---

13 **قولہ: ادخلت واخرجت قال نعم**:اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ چار مرتبہ اس کا اقرار پورا ہو جائے گا تو زنا کے بارے میں پوچھے کہ زنا کیسے ہوتا ہے اور وہ کہاں زنا کیا کس کے ساتھ کیا۔پس جب وہ اس کی وضاحت کردے تو حد اس پر ضروری ہوجاتی ہے۔

14 **قولہ: لعلک قبلت او غمزت الخ**:صاحب ہدایہ نے فرمایا امام کے لئے اقرار کرنے والے کو رجوع کرنے کے لئے تلقین کرنا مستحب ہے اور وہ اس سے اس طرح کہے شاید تو لمس کیا ہے یا بوسہ دیا ہے وغیرہ۔

ﷺ نے صریح الفاظ میں فرمایا واقعی تم نے زنا کیا؟ تو وہ عرض کئے ہاں تو اس وقت آپ ﷺ نے ان کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ (بخاری)

16/4831 ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آواز دیا یا رسول اللہ بلا شبہ مجھ سے زنا ہوگیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کئے تو وہ جس جانب سے آتا تو آپ ﷺ رخ ہٹا لیتے پھر ادھر آکر کہا میں زنا کا مرتکب ہوگیا ہوں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پھر اعراض کئے اور جب 15؎ چار مرتبہ وہ گواہی دیا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا کیا تجھ کو جنون ہوگیا 16؎ تو انہوں نے کہا نہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا تو شادی شدہ ہے؟ تو اس نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا ان کو لے جاؤ اور رجم 17؎ کردو۔

ابن شہاب نے کہا مجھے ان صاحب نے بتایا جنہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے فرماتے ہوئے سنا کہ ہم ان کو مدینہ میں رجم کئے اور جب ان کو پتھر لگے تو وہ بھاگنا شروع کئے 18؎ تو ہم ان کو مقام حرہ میں پائے پھر رجم کئے۔19؎ یہاں تک کہ ان کی موت واقعہ ہوگئی۔ (متفق علیہ)

15؎ **قولہ: فلما شهد اربع شهادات الخ** یعنی چار مرتبہ چار مجلسوں میں گواہی دیا ہو بشرطیکہ ہر مرتبہ غائب ہوکر اگر اسی چیز کی گواہی دیا ہو اور وہ دلیل سے ثابت ہوچکی ہو تو ایسی چار گواہیاں چار گواہوں کے درجے میں ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے چار طرف سے آنے کی بناء پر استدلال کئے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار مرتبہ اس کا اقرار کرنا شرط ہے۔ (مرقات)

16؎ **قولہ:** اَبِکَ جُنُوْنٌ (کیا تجھ کو جنون ہے) اس میں اشارہ ہے کہ مجنون کا اقرار باطل ہوتا ہے اور اس پر حدود جاری نہیں ہوتے۔

17؎ **قولہ: فارجموه:** اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ رجم کرنا کافی ہے اور اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ (مرقات)

18؎ **قولہ :هرب**:اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ جس پر رجم کیا جائے گا اس کو باندھا نہیں جائے گا اور گڑھے میں بھی اتارا نہیں جائے گا۔کیونکہ ایسی کوئی چیز ہوتی تو اس کے لئے بھاگنا ممکن نہ ہوتا۔ (مرقات)

19؎ **قولہ: فرجمناه حتى مات**:ابن ہمام نے فرمایا اگر وہ اقرار کیا تھا اور رجم کرتے وقت بھاگ جائے تو پیچھا نہیں کیا جائے گا۔اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔اور اگر اس پر گواہی دی گئی تھی تو پیچھا کیا جائے گا اور رجم کیا جائے گا یہاں تک کہ موت واقع ہوجائے کیونکہ اس کا بھاگنا ظاہر ہے وہ رجوع ہے اور اس رجوع پر اقرار کی صورت عمل کیا جائیگا۔گواہوں کی صورت میں نہیں۔ (مرقات)

17/4832 ۔ بخاری شریف میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور روایت میں ’’قال نعم ‘‘ (انہوں نے کہا ہاں) کے بعد یہ ہے۔ پس ان کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم دیا تو عیدگاہ میں ان کو رجم 20 کیا گیا۔ اور جب ان کو پتھر لگے تو وہ بھاگے اور پکڑے گئے پھر ان پر رجم ہوا یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہوئی۔ پس حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھائی سے یاد کیا اور ان کی نماز پڑھی۔

18/4833 ۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ماعز بن مالک نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے تو آپ نے ارشاد فرمایا ’’ویحک ‘‘ اللہ تم پر رحم کرے۔ واپس جاؤ اور اللہ سے استغفار کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو اور راوی نے کہا کہ وہ کچھ دور واپس گئے 21 پھر آئے 22 اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کر

---

20 قولہ: فرجم بالمصلی: اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس کو کھلی زمین میں لے جائیں گے۔ اور عمدۃ الرعایہ میں ہے۔ فضاء سے مراد ’’میدان اور کشادہ مقام ہے‘‘ اور اس کی اصل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو مصلّٰی میں رجم کرنا ہے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں روایت آئی ہے اور مصلی ان دنوں کشادہ مقام میں تھا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کشادہ مقام رجم کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اور اس میں رجم کرنے والوں کو آپس میں پتھر لگنے کا امکان بھی نہیں ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مصلّٰی سے مراد نماز جنازہ کی جگہ ہے۔

اسی لئے دوسری روایت میں بقیع غرقد کا ذکر ہے۔ جو مدینہ طیبہ میں جنازوں کی جگہ ہے۔

اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ جنازہ کی نماز کی جگہ مسجد کے حکم میں بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مسجد کے حکم میں ہوتی تو اس میں رجم سے اجتناب کیا جاتا۔ تاکہ وہ خون آلود نہ ہو جائے۔ (مأخوذ از ردالمحتار اور مرقات)

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ عیدگاہ اور نماز جنازہ کے مقام کے بارے میں اختلاف ہے اور قول راجح ہے کہ وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے اگرچہ کہ جواز اقتدار میں وہ مسجد کی طرح سے ہے کہ وہ ایک ہی مکان کی طرح ہے۔ (تبیین)

21 قولہ: فرجع غیر بعید: ای رجوعا غیر بعید ’’یعنی کچھ دور گئے‘‘ (مرقات)

22 قولہ :ثم جاء الخ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ماعز اور غامدیہ خاتون ان دونوں نے توبہ پر کیوں اطمینان نہیں کیا۔ جب کہ ان سے گناہ ساقط ہو جاتے ان کا مقصد حاصل ہو جاتا۔ اور کیوں وہ دونوں اقرار پر جمے رہے یہاں تک کہ ان کو رجم کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حد سے ان کا پاک ہو جانا یقینی ہے خاص طور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مشاہدہ فرمائے ہوں۔ اب رہا توبہ تو اس میں اندیشہ ہے کہ وہ توبہ توبہ نصوح نہ ہو توبہ کے شروط میں سے کوئی شرط پائی نہ جائے۔ (مرقات)

دیجئے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا۔ یہاں تک کہ جب چوتھی مرتبہ میں ان سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز سے تمہیں پاک کروں۔ تو انہوں نے کہا زنا سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ان کو دیوانگی ہے بتایا گیا کہ وہ دیوانے نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا کیا انہوں نے شراب پی ہے۔ 23؎ تو ایک صاحب نے اٹھ کر ان کو سونگھا۔ تو وہ شراب کی بو نہیں پائے۔ تو آپ نے فرمایا کیا تم نے زنا کیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ تو ان کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ رجم کئے گئے اور لوگوں کے لئے دو یا تین دن کا وقفہ گزرا تھا کہ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمائے ماعز بن مالک کے لئے تم استغفار کرو۔ 24؎ یقیناً وہ ایسی توبہ کئے ہیں ایک امت پر وہ تقسیم کی جائے تو ان کے لئے کافی ہو جائے گی۔ پھر آپ کے پاس قبیلہ ازد کے ایک غامدیہ خاتون آئی اور عرض کی یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تم پر رحم کرے تم واپس جاؤ، استغفار کرو اور اللہ کی جناب میں توبہ کرو۔ تو انہوں نے عرض کیا، آپ مجھے بار بار واپس کر دینا چاہتے ہیں۔ جیسے ماعز کو واپس کئے تھے۔ جب کہ یہ زنا سے حمل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا تو حاملہ ہے؟ وہ کہی ہاں آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تاوقتیکہ تیرا وضع حمل ہو

23؎ قوله :اشرب خمراً؟ فقام رجل فاستنكهه فلم يجد ريح خمر

امام نووی نے فرمایا کہ حضرات مالکیہ اور جمہور اہل حجاز نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جس آدمی کے منہ سے شراب کی بو آئے اس پر حد جاری کی جائے گی اگر چیکہ اس کی شراب نوشی سے متعلق کوئی ثبوت نہ ہو اور وہ اقرار بھی نہ کیا ہو۔ لیکن شافعیہ اور حنفیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ محض شراب کی بو سے حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ حد جاری کرنے کے لئے گواہ کا ہونا یا اس کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اس حدیث شریف میں مالکیہ کے استدلال کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

24؎ قوله: فقال استغفروا لماعز بن مالك لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم (تم ماعز کے لئے استغفار کرو بلاشبہ وہ ایسی توبہ کئے ہیں کہ اگر وہ ایک امت میں تقسیم کی جائے تو ان سب کے لئے کافی ہو جائے گی) اگر تم یہ سوال کرو کہ ان کی توبہ قبول ہو چکی تو ''استغفروا لماعز'' (تم ماعز کے لئے استغفار کرو) کا کیا فائدہ ہے۔ تو میں کہوں گا کہ اس کا فائدہ ایسا ہی ہے جیسا اذا جاء نصر اللہ سے واستغفرہ تک کی عبارت میں۔ اور ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا. لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ'' (سورۃ الفتح، آیت نمبر:1/2) میں۔ دوسری چیز یعنی استغفار کا حکم مزید مغفرت طلب کرنا اور مقاماتِ قرب میں ترقی اور اس پر ثابت قدمی کو طلب کرنا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالی کے اس ارشاد میں ہے: وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ. (سورۃ ہود، آیت نمبر:90) (تم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اسی کی طرف متوجہ رہو)۔ (مرقات)۔

جائے (انتظار کر) 25 راوی کہتے ہیں ایک انصاری صاحب نے ان کے وضع حمل ہونے تک ان کی کفالت کی پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کئے غامدیہ کو وضع حمل ہوا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تب تو ان کو ہم رجم نہیں کریں گے جب کہ ہم ان کے چھوٹے بچے کو اس حال میں چھوڑ دیں کہ اس کو کوئی دودھ پلانے والی نہ ہو تو ایک انصاری صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کئے یا نبی اللہ (ﷺ) اس کی رضاعت میرے ذمہ ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے لئے رجم کا حکم صادر فرمایا۔

19/4834۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا جاؤ یہاں تک کہ بچہ تولد ہو۔ جب بچہ تولد ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اس کو دودھ پلاتے رہو یہاں تک کہ اس کا دودھ چھڑا دو۔ پس جب وہ اس کا دودھ چھڑا دی تو بچہ کو اس حالت میں لے کر حاضر ہوئی کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور عرض کی یا نبی اللہ (ﷺ) اس کا میں دودھ چھڑا دی ہوں 26 اور یہ کھانا شروع کیا ہے۔

پس آپ ﷺ اس لڑکے کو مسلمانوں میں سے ایک صاحب کے حوالہ کئے اور اس خاتون کے بارے میں حکم فرمائے تو ان کے سینہ کے برابر گڑھا کھودا گیا 27 پھر آپ نے لوگوں کو حکم فرمایا تو

---

25 **قولہ: قال لها حتی تضعی مافی بطنک** اس سے ظاہر ہے کہ حاملہ پر جب تک وضع حمل نہ ہو جائے حد جاری نہیں کی جائے گی تا کہ اس گنہگار کی وجہ سے ایک بے گناہ کو ہلاک کرنا لازم نہ آئے خواہ وہ سزا حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے متعلق ہو۔ (مرقات، ہدایہ)

26 **قولها: قد فطمته وقد اکل الطعام** (اس کا دودھ میں چھڑا دی ہوں اور وہ کھانا شروع کیا ہے) اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ حاملہ کے رجم کو اگر اس کے بچے کے لئے کوئی نگرانی کرنے والا نہ ملے تو اس کو اس وقت تک مؤخر کریں گے جب تک اس کے بچے کے لئے اس کی ضرورت باقی نہ رہے۔ موخر کرنے میں بچہ کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک قول میں یہی فرمائے ہیں اور یہ دوسری روایت آپ کے اس قول کی تائید کرتی ہے اور حضرت امام صاحب کے ایک قول میں یہ ہے کہ جب حاملہ عورت زنا کا ارتکاب کرے تو اس کے وضع حمل تک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور یہی حدیث شریف آپ کے اس قول کی تائید کرتی ہے۔ (مرقات، ہدایہ)

27 **قولہ: فحفر لها الی صدرها** (پس ان کے لئے ان کے سینے تک گڑھا کھودا گیا) میں یہ احتمال ہے کہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کے حکم کے بغیر گڑھا کھودا گیا ہو، اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ گڑھا نہ کھودنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں فرمایا۔ مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور علیہ والہ والصلاۃ والسلام کے حکم سے یا آپ کی تقریر (آپ ﷺ کے سامنے ذکر ہوا آپ خاموشی اختیار فرمائے) سے ہوا ہے اسی لئے عورت کے لئے گڑھا کھودنا مستحب ہے۔ (مرقات، درمختار)

انہوں نے اس کو رجم کیا۔ خالد بن ولیدؓ ایک پتھر لے کر آگے بڑھے اور ان کو ایک پتھر مارے تو خالدؓ کے چہرہ پر خون کے چھینٹے پڑے تو خالد نے ان کو برا بھلا کہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے خالد رک جاؤ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے وہ ایسی توبہ کی ہے اگر ٹیکس وصول کرنے والے بھی ایسی توبہ کرے تو اس کی مغفرت ہوجائے پس آپ نے اس خاتون کے بارے میں (میت کو گڑھے سے باہر نکالنے کا) حکم فرمایا اور ان پر نماز پڑھی۔ اور ان کو دفن کیا گیا۔ (مسلم)

20/4835 ۔حضرت یزید بن نعیم بن ھزال سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت ماعز بن مالک یتیم تھے۔ میرے والد کے زیر پرورش تھے انہوں نے قبیلہ کی ایک لڑکی سے زنا کا ارتکاب کیا۔ تو ان سے میرے والد نے کہا تم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور جو حرکت تم کئے ہو اس کی آپ کو خبر دو تا کہ تمہارے لئے وہ استغفار کریں۔ وہ اس کا صرف اس امید میں ارادہ کئے کہ ان کے لئے کوئی راستہ نکل آئے۔ پس وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر عرض کئے یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کا ارتکاب کیا۔ مجھ پر آپ اللہ کا فرمان جاری کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے منہ پھیر لئے تو وہ پھر آئے 28 اور عرض کئے یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے زنا کا ارتکاب کیا۔ مجھ پر آپ اللہ تعالی کا فرمان جاری کیجئے۔ یہاں تک کہ اس کو چار مرتبہ کہا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے چار مرتبہ یہ جو بات کہی ہے یہ معاملہ کس کے ساتھ ہوا تو انہوں نے عرض کیا فلاں خاتون کے ساتھ تو آپ نے فرمایا کیا تم اس کے ساتھ سوئے تھے تو انہوں نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا کیا تم اس کے ساتھ مباشرت کئے تو انہوں نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس کے ساتھ مجامعت کئے؟ تو انہوں نے عرض کیا: ہاں! تو راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان پر رجم کرنے کا حکم دیا تو ان کو مقام حرہ میں لے جایا گیا جب ان پر رجم ہوا اور وہ پتھر کی تکلیف کو پائے تو گھبرا گئے اور بھاگنا شروع کئے تو عبداللہ بن انیس ان کو پالئے جب کہ ان کے ساتھی عاجز ہوچکے تھے تو انہوں نے اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی نکال کر ان کو پھینک مارا اور قتل کردیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا تم ان کو کیوں نہیں چھوڑ دئے ہوسکتا وہ توبہ کرتے اور اللہ تعالی ان کی توبہ قبول کرتا۔ (ابوداؤد)۔

---

28 قولہ: **فعاد** اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غائب ہونے کے بعد پھر لوٹ کر آئے۔ (مرقات)

21/4836۔انہیں سے روایت ہے کہ حضرت ماعز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کے پاس چار مرتبہ اقرار کئے تو آپ ﷺ ان پر رجم کا حکم دئے اور ہزال سے فرمائے اگر تم اپنے کپڑے سے ان کو چھپا دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔29

29قولہ: لو ستر ته بثوبک کان خیرا لک (اگر تم اپنے کپڑے سے ان کو چھپا دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا) حضرت ابن ھمام نے کہا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً روایت بیان کی ہے: **من نفس عن مسلم کربة من کرب الدنیا نفس الله عنه کربة من کرب الآخره و من ستر مسلما ستره الله فی الدنیا والآخره والله فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیه.**

جو آدمی کسی مسلمان سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالی اس سے آخرت کی، مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت دور کرے گا۔اور جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالی اس کی دنیا و آخرت دونوں جہاں میں پردہ پوشی کریگا۔اور اللہ بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے عقبہ بن عامر سے روایت نقل کئے ہیں کہ وہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام سے بیان کئے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی کسی عیب کو دیکھ کر اس کو چھپا دے تو گویا اس نے ایک زندہ درگور (لڑکی) کو حیات دی۔

جب عیب کی پردہ پوشی کرنا مستحب ہے تو اس کی گواہی دینا خلاف اولی ہے، نتیجتاً یہ مکروہ تنزیہی ہوا کیونکہ جب ستر پوشی کرنا مستحب ہے تو اس کے ستر پوشی نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔اور یہ اس شخص کے حق میں ضروری ہے جو کہ زنا کا عادی نہ ہو۔اور رسوائی سے بے پرواہ نہ ہو لیکن جب اس کی حالت ایسی ہو جائے کہ وہ اس کی اشاعت کرتا ہے اور رسوائی سے بے پرواہ ہو جائے بلکہ بعض دفعہ تو آدمی اس پر فخر کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی گواہی نہ دینے سے تو گواہی دینا اولی ہے کیونکہ شارع کا مطلوب یہ ہے کہ اپنے خطابات اور مفید تعلیمات کے ذریعہ زمین کو گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پاک رکھا جائے۔اور یہ چیز معاصی کے مرتکبین کے توبہ کرنے اور ان کو ان کاموں سے باز رکھنے سے ہی ہو سکتی ہے۔

جب زنا کاری یا شراب نوشی میں اسکی حرص اور اس میں اس کی لاپرواہی اور اس کی اشاعت ظاہر ہوا اور زمین کو ان چیزوں سے پاک رکھنے کی مطلوبہ غرض صرف توبہ سے حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں زمین کو پاک رکھنے کے لئے دوسرے طریقہ کو اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرا طریقہ حدود کو قائم کرنے کا ہے برخلاف اس آدمی کے جس سے ایک مرتبہ یا متعدد مرتبہ پوشیدہ طور پر لغزش ہوگئی ہو اور وہ خوف زدہ اور اس پر نادم ہو تو ایسی صورت میں دیکھنے والے کو پردہ پوشی کرنا مستحب ہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا حضرت ہذال سے حضرت ماعز کے بارے میں ارشاد فرمانا: لَوْ کُنْتَ سَتَرْتَ بِثَوْبِکَ (الحدیث) اگر تم ان کو اپنے پردہ پوشی سے چھپا دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا آپ کا یہ ارشاد اسی قسم کے افراد کے بارے میں ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔(مرقات)

ابن منکدر نے کہا کہ ہزال نے ماعز کو حکم دیا تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر حضور کو اس کی اطلاع دیں۔ (ابوداؤد)

22/4837۔ اوران کی ایک روایت میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ خاتون پر رجم کرنے کا حکم فرمایا تو ان کے لئے سینہ تک گڑا کھودا گیا۔ پھر ایک دوسری سند کا ذکر کیا جس میں اس کا اضافہ ہے۔ پھر آپ نے اس پر چنے کی برابر کنکر پھینکا 30 پھر ارشاد فرمایا تم پتھر مارو اور چہرے کو بچاؤ جب ان کی موت واقع ہوئی تو ان کو نکالنے کا حکم فرمایا اور ان پر نماز پڑھی (ابوداؤد)

23/4838۔ ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے روایت نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس جب گواہ کسی سے زنا کی گواہی دیتے تو آپ گواہوں کو حکم فرماتے کہ پہلے وہ رجم کریں پھر آپ ﷺ رجم کرتے پھر دوسرے لوگ رجم کرتے اور اگر اقرار کے

---

30 قوله: ثم رماها بحصاة مثل الحمصة الى قوله وصلى عليها ......ان احادیث کی بناء پر صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ سنگساری کا آغاز گواہ کریں اور پھر امام اور اس کے بعد دوسرے لوگ کریں جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس لئے بھی کہ کبھی گواہ شہادت دینے پر جسارت کرتا ہے پھر وہ اپنے اس عمل کو بڑا (ناپسند) کرتا ہے پھر اس سے لوٹ جاتا ہے تو اس گواہ سے رجم کا آغاز کرانے میں حد کو دفع کرنے کی ایک تدبیر ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کوڑے لگوانے پر قیاس کرتے ہوئے گواہ سے رجم کے آغاز کرانے کو شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ ہر آدمی کوڑے صحیح طریقے سے لگا نہیں سکتا۔ بعض دفعہ کوڑا ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے اور وہ ہلاک کئے جانے کا مستحق نہیں ہے لیکن رجم کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ رجم میں تو اس کی جان تلف کر دینا ہے۔ پس اگر گواہ ابتداء کرنے سے رک جائیں تو حد ساقط ہوجائے گی۔ اس لئے کہ اس کا رکنا رجوع کر لینے پر دلالت ہے۔ اسی طرح ظاہر روایت میں ہے اگر وہ انتقال کر جائیں یا غائب ہوجائیں تو شرط کے فوت ہونے کی بناء پر حد ساقط ہوجائے گی۔ اور اگر وہ زنا کا اقرار کرنے والا ہے تو امام آغاز کرے اس کے بعد دوسرے لوگ۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی طرح مروی ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پر چنے کے مثل ایک کنکر سے رجم کئے وہ زنا کا اعتراف کی تھی۔

اور اس کو غسل اور کفن دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی۔ کیونکہ حضور علیہ والہ والصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے حضرت ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے انکے ساتھ ایسا ہی کرو جیسا تم اپنے اموات کے ساتھ کرتے ہو۔ کیونکہ حق میں قتل کئے گئے ہیں جیسا کہ قصاص میں قتل کیا جاتا ہے پس ان سے غسل ساقط نہیں ہوگا۔ حضرت نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام غامدیہ پر رجم کئے جانے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھے ہیں۔

ذریعہ اس کا ثبوت ہوتا تو خود آپ ﷺ رجم کرتے پھر دوسرے لوگ رجم کرتے۔(ابن ابی شیبہ)

24/4839۔امام مسلم نے عمران بن حصین سے روایت بیان کئے ہیں کہ قبیلہ جہنیہ کی ایک خاتون حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور وہ زنا سے حاملہ تھیں اور کہی کہ یا نبی اللہ میں حد کے گناہ کا ارتکاب کی ہوں آپ اس حد کو مجھ پر جاری کردیجئے۔امام مسلم نے پوری حدیث روایت کی اور یہاں تک کہا۔پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اس کو رجم کیا گیا۔پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھے۔31 تو آپ ﷺ سے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ آپ اس پر نماز پڑھیں گے جب کہ وہ زنا کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یقیناً وہ ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ اہل مدینہ کے ستر (70) پر تقسیم کی جائے تو ضرور ان کے لئے کافی ہوجائے گی اور کیا تم کوئی توبہ اس سے افضل پائے ہو وہ اللہ تعالی کے لئے اپنی جان دیدی۔

25/4840۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا یقیناً اللہ تعالی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی اللہ تعالی نے جو نازل فرمایا ان میں سے رجم کی آیت بھی ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم بھی رجم کئے ہیں۔اور رجم کا حکم اللہ تعالی کی کتاب میں ثابت ہے شادی شدہ مردوں اور عورتوں پر جب کہ وہ زنا کئے ہوں 32 اور اس پر گواہی قائم ہوجائے یا حمل ہو یا

---

31 قولہ: **ثم صلی علیھا الخ** رجم کئے گئے آدمی پر نماز جنازہ سے متعلق علماء کا اختلاف ہے امام مالک اور احمد رحمہما اللہ نے امام اور بزرگ حضرات کا نماز پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے البتہ دوسرے لوگ پڑھیں گے۔اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اس پر امام اور اہل فضل سبھی لوگ نماز پڑھیں گے اور انہوں نے اتفاق کیا ہے کہ فاسقین اور آپس میں لڑائی اور حدود میں قتل ہونے والے اور اولادزنا پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔(مرقات)

32 قولہ: **اذا احصن** یعنی زانی اور زانیہ کبھی تو وہ شادی شدہ ہوتے ہیں اور کبھی غیر شادی شدہ اور زنا کی حد شادی شدہ کے حق میں رجم ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے معتدل انداز میں ایسے کوڑے سے جس میں گرہ نہ ہو۔اور اس میں کوڑے اور رجم کو جمع نہیں کیا جائے گا اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو جمع نہیں کئے ہیں۔چونکہ حضرت ماعز اور حضرت غامدیہ خاتون اور مزدور کی مزنیہ کے بارے میں یہ بات قطعی ہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے باسناد کثیرہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ ان کے شادی شدہ ہونے سے متعلق دریافت کرنے اور واپس جانے کی تلقین کرنے کے بعد رجم کے علاوہ آپ نے کوئی حکم نہیں فرمایا بلکہ فرمایا تم اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔اور فرمایا اے انیس تم اس کی (مالک کی) بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم......

......کردواور یہ نہیں فرمائے کہ تم کوڑے لگاؤ اور پھر رجم کرو۔ حدیث شریف کے مابقی حصے میں یہ ہے کہ وہ اعتراف کر لی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اس کو رجم کیا گیا۔

اسی طرح غامد یہ اور اس کے علاوہ جہنیہ کے بارے میں (جو غامد یہ کے سوا ہے) رجم کے حکم کے سوا آپ نے کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ اور اس طرح کا واقعہ بار بار ہوا لیکن کسی نے بھی اس پر اضافہ نہیں کیا اس لئے ہم یہ بات قطعی سمجھتے ہیں کہ رجم کے سوا کوئی اور حکم نہیں ہے۔

حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ''**خذوا عنی الی قوله الثیب بالثیب جلد مائة و رجم او رمی بالحجارة** ''اس کا منسوخ ہونا قطعی ہے اگر چیکہ اس کے ناسخ کی خصوصیت معلوم نہ ہو۔ اب رہا سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کا شراحہ کو رجم اور کوڑے لگانا۔ یا تو اس لئے ہے کہ اس کا شادی شدہ ہونا ان کے پاس کوڑے لگانے کے بعد ہی ثابت ہوا۔ یا یہ ان کی رائے ہے جو اجماع صحابہ کے مقابل میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قطعی طور پر مروی ہے کہ **ثم لا یجمع فی البکر بین الحدو والنفی** غیر شادی شدہ کے لئے حد اور جلاوطنی دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اس کے مقابل میں نہیں آسکتی۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ جلاوطنی کی بحث ابھی ابھی گزر چکی ہے۔ شادی شدہ کے رجم کی سات شرطیں ہیں۔ 1۔ آزادی 2۔ عاقل ہونا 3۔ بالغ ہونا 4۔ اسلام 5۔ وطی کا تحقق 6۔ حالتِ دخول میں اس کا نکاح صحیح ہونا 7۔ دونوں کا وطی کے وقت شادی شدہ ہونا۔ ان میں ہر ایک کا احصان دوسرے کو محصن قرار دینے کے لئے شرط ہے پس اگر باندی سے نکاح کیا یا آزاد عورت غلام سے نکاح کی تو آزادی کے بعد وطی کرنے تک وہ محصن نہیں ہوگا۔ آزادی کے بعد وطی کرنے سے یہاں تک کہ کوئی ہی احصان ثابت ہوگا۔ آزادی سے پہلے احصان نہیں کہلاتا۔ یہاں تک کہ کوئی ذمی کسی مسلمان خاتون سے زنا کرے پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ کوڑے لگائے جائیں گے۔

ایک اور شرط باقی رہ گئی جس کو ابن کمال نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کا احصان مرتد ہونے سے باطل ہوگا۔ اگر وہ دونوں مرتد ہو جائیں پھر دونوں اسلام قبول کریں تو دخول کے بغیر احصان عود نہیں کرے گا۔ اور اگر احصان باطل ہو جائے دیوانگی یا پاگل پن کی وجہ سے تو افاقہ ہونے کے بعد لوٹ کر آئے گا اور کہا گیا ہے کہ اس کے بعد وطی کرنے سے عود کریگا۔

اور یاد رکھو کہ احصان کے باقی رہنے کے لئے نکاح کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے۔ اگر زندگی میں ایک مرتبہ ہی شادی کیا پھر طلاق دے دیا اور بغیر شادی کے رہا پھر زنا کیا تو رجم کر دیا جائے گا۔ پس اگر وہ آزاد نہیں ہے یا مسلمان نہیں ہے یا عاقل و بالغ نہیں ہے یا اس سے اپنی بیوی کے ساتھ وطی نہیں ہوئی۔ یا وطی ہوئی لیکن نکاح فاسد کے ساتھ تو یہ آدمی غیر محصن ہے۔ اس کی حد کا حکم کوڑے لگانا ہے۔ یہ ہمارے پاس ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس احصان کے لئے اسلام کا ہونا شرط نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد: **من اشرک باللہ فلیس بمحصن** جو آدمی شرک کرے وہ محصن نہیں ہے۔ (ماخوذ از تفسیرات احمدیہ، شرح وقایہ، مرقات، درمختار)

اعتراف کرلیا جائے۔33 (متفق علیہ)

حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ محض حمل سے حد ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا اعتراف کرنا یا گواہی کا قائم ہونا ضروری ہے۔اوران حضرات نے ان احادیث شریفہ سے استدلال کیا ہے جو شبہات کی بناء پر حدود کو دفع کرنے کے بارے میں آئی ہیں۔

26/4841۔ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماعز بن مالک پر رجم کا حکم دئے اور اس میں کوڑے لگانے کا ذکر نہیں ہے۔

27/4842۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے زنا کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا تو حد میں اس کو کوڑے

33۔ قولہ: اذا قامت البینۃ او کان الحبل او الاعتراف اس سے معلوم ہوتا ہے زنا گواہ واقرار سے ثابت ہوتا ہے اقرار کی بحث ابھی گزر چکی ہے۔اب رہا بینہ وہ یہ ہے کہ چار گواہ کسی مرد یا عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دیں تو گواہی دینے کی صورت میں امام ان سے زنا کے بارے میں پوچھے گا کہ زنا کیا چیز ہے۔ وہ کیسے ہوا اور کہاں ہوا اور کب ہوا اور کس کے ساتھ ہوا۔ پس جب وہ اس کو بیان کریں اور کہیں کہ ہم اس کو دیکھے ہیں کہ وہ اس کی شرمگاہ میں وطی کیا جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے۔اور قاضی ان گواہوں کے بارے میں دریافت کرے گا اگر ظاہر و باطن میں ان کی پرہیزگاری معلوم ہو تو ان کی گواہی سے فیصلہ دے گا۔

واما الحبل اب رہا تنہا حمل کی بات تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ اس پر بشرطیکہ اس کا کوئی شوہر اور آقا نہ ہو تو اس پر حد جاری کرتے ہیں۔حضرت امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ اسی کو اختیار کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر وہ حاملہ ہو جائے اور اس کا کوئی شوہر یا مالک معلوم نہ ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے مجبور کیا گیا ہو تو اس پر حد لازم آئے گی سوائے اس کے کہ وہ اچانک آئی ہوئی مسافرہ ہو۔اور دعوی کرتی ہو کہ یہ حمل اس کے شوہر یا آقا سے ہے۔اور حمل ظاہر ہونے سے پہلے مجبور کئے جانے کے وقت وہ فریاد نہ کی ہو تو اس کے مجبور کئے جانے کے دعوی کو قبول نہیں کیا جائیگا۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے پاس محض حمل سے اس پر حد نہیں ہے خواہ اس کا شوہر یا آقا ہو یا نہ ہو۔خواہ وہ مسافرہ ہو یا اور کوئی ہو۔خواہ مجبور کئے جانے کا دعوی کی ہو یا خاموش رہے۔ بہرحال اس پر حد نہیں ہے۔بغیر گواہی اور بغیر اعتراف کے کیونکہ حد شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کا ارشاد ہے وہ ایک ایسا عظیم معاملہ جو انسانوں کی جان لیتا ہے اس جیسی چیز سے وہ ثابت نہیں ہوتا۔(ماخوذ از ہدیہ، شرح مسلم نووی، نیل الاوطار)

لگوائے 34 پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ اس بارے حکم فرمائے تو اس کو رجم کیا گیا۔ (ابوداؤد)

28/4843۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سے جس قدر ہو سکے مسلمانوں سے تم حدود کو دفع کرو 35 اگر اس کے چھٹکارے کا کوئی راستہ ہے تو اس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ امام کا معاف کرنے میں غلطی کر جانا بہتر ہے سزا میں غلطی کرنے سے امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔

---

34 قولہ: فجلد الحد ثم اخبر انه محصن فامر به فرجم کتاب رحمۃ الامہ میں ہے کہ کیا رجم سے پہلے کوڑے لگائے جائیں گے اور دونوں کو جمع کیا جائے گا یا نہیں۔ تو اس بارے میں امام اعظم، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالی فرمائے ہیں کہ وہ دونوں حدوں کو جمع نہیں کیا جائے گا اور صرف رجم کرنا واجب ہے۔ اور حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ان میں سے جو اظہر روایت ہے اس میں یہ ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے گا۔ اور اس حدیث شریف میں کوڑے اور رجم دونوں کو جمع کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کا احصان شادی شدہ ہونا کوڑے لگانے کے بعد ثابت ہوا بلکہ اس میں یہ ہے کہ امام جب کسی حد کے جاری کرنے کا حکم کرے پھر یہ بات ظاہر ہو کہ اس پر واجب حد دوسری ہے تو جو چیز شرعا واجب ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ (مأخوذ از مرقات)

35 قولہ: ادرؤا الحدود الخ اس حدیث کے معنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف کے معنی کے مطابق ہے جو ایک آدمی کے قصہ کے بارے میں ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کے معنی کے مطابق ہے جو ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے قصہ کے بارے میں ہے پس یہ خطاب ائمہ کے لئے ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا: کیا تجھ کو جنون ہے پھر آپ ﷺ کا ارشاد: کیا تم شادی شدہ ہو اور آپ ﷺ کا ارشاد حضرت ماعز رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے کیا ان کو جنون ہے۔ پھر آپ ﷺ کا ارشاد کیا وہ پی لئے ہیں۔ اس میں سے ہر ایک میں تنبیہ ہے کہ امام پر واجب ہے کہ وہ شبہات کی وجہ سے حدود کو دفع کرے تمام شہروں کے فقہاء کا اس بات پر اجماع کہ حدود شبہات سے دفع کردئے جاتے ہیں یہ بات کافی ہے اسی لئے بعض فقہاء نے فرمایا یہ حدیث متفق علیہ ہے اور امت نے اس کو قبول کیا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ علیہم الرضوان کے احادیث و آثار کو تلاش کرنے میں اس کا قطعی حکم مل سکتا ہے۔ پس ہم کو وہ بات معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا شائد کہ تم نے بوسہ لیا ہے یا دبایا ہے یا لمس کیا ہے آپ ﷺ ان سے ان کے زنا کا اقرار کرنے کے بعد ہر مرتبہ تلقین کرے ہیں کہ وہ اس میں سے کسی بات پر ہاں کردیں اور اس کا فائدہ اس کے سوا کیا تھا اگر وہ ہاں کہہ دیں تو آپ ﷺ ان کو چھوڑ دینگے ورنہ اور کوئی فائدہ ہے نہیں۔ اور اس کے برخلاف کوئی آدمی آپ ﷺ کے پاس قرض کا اقرار کرتا تو آپ یہ نہیں فرماتے کہ شائد وہ تیرے پاس امانت تھی جو ضائع ہوگئی اور اس جیسی کوئی اور بات تلقین نہیں کرتے تھے اور اسی طرح چور سے فرمایا جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو نے چوری کی ہے۔ (میں نہیں سمجھتا کہ اس نے چوری کی ہے) اور غامدیہ خاتون کے لئے بھی اسی طری فرمایا......

اورانہوں نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ایک روایت آئی ہے وہ مرفوع نہیں ہے مگر قابل ترجیح ہے اور یہ کوئی وجہ ضعیف نہیں کیونکہ اس بارے میں موقوف حدیث مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔

29/4844۔اوراس کوامام دارقطنی اورامام بیہقی نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے عمدہ سند کے ساتھ مرفوعاً روایت نقل کی ہے۔

30/4845۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا جواللہ کے ساتھ شرک کرے 36 تو وہ محصن (پاکدامن شادی شدہ) قرارنہیں پاتا ہے۔امام اسحٰق بن راھویہ نے اپنی مسند میں اس کی روایت کی ہے۔

31/4846۔اورامام دارقطنی نے اپنی سنن میں اس کوموقوفاً روایت کیا ہے اور حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے فرمایاعلم حدیث میں اس کومرفوع کے حکم میں قراردیا جائے گا۔یہ علم حدیث کے قاعدہ کے مطابق ہے کہ جب مرفوع اور موقوف میں تعارض ہوتا ہے تو مرفوع کاحکم لگایا جاتا ہے۔

32/4847۔اورامام دارقطنی کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

......اوراسی طرح سے سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے شراحہ سے فرمایا شائداس نے تجھ کومجبور کیا ہے شائد وہ تیری نیند کی حالت میں تجھ پرواقع ہوا ہے۔ہوسکتا ہے کہ تیرامالک اس سے تیری شادی کرادیا ہواورتواس کوچھپارہی ہو۔اوراس طرح کے واقعات کی تفصیلات موجب طوالت ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدکودفع کردینے کے لئے بلاشبہ حیلہ کرنا چاہئے اوراس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تمام سوالات اور تلقینات حدودکومکمل طورپردفع کرنے کی تدبیر کے لئے مفید ہے۔ان کے اقرار کرنے اوراس کے ثبوت کے پائے جانے کے بعد جوان سے کئے گئے ہیں۔یہ حدودکودفع کرنے کی ہی تدبیر ہے۔

اور حدودکودفع کرنا شریعت کی طرف سے قطعی الثبوت ہیں۔پس اس میں کسی قسم کا شک نا قابل التفات اور نا قابل اعتناء۔(مرقات)

36 قولہ: من اشرک باللہ فلیس بمحصن (جوآدمی اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ محصن نہیں ہے) اس سے احسان کیلئے اسلام کا شرط ہوناواضح ہے۔حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ کا یہی مذہب ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو اسلام کے شرط ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اوران کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو یہودیوں کوجوزنا کئے تھے رجم کاحکم فرمائے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کا رجم ابتدائے اسلام میں تورات کے حکم کے مطابق ہوا تھااسی لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تورات میں حدزنا کے بارے میں ان سے دریافت کئے تھے اوران کی شریعت میں احصان شرط نہیں......

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک ٹھہرانے سے وہ محصن نہیں رہتا۔

اور اس روایت میں جو عفیف بن سالم موصلی ہیں تو ابن قطان نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ ابن معین اور ابو حاتم نے بھی یہی بات کہی ہے جب ثقہ راوی کسی روایت کو مرفوعا بیان کرے اور اس کو کوئی دوسرا موقوفاً بیان کرے تو اس کے لئے مضر نہیں۔

33/4848۔ دارقطنی ، ابن ابی شیبہ اور ابن عدی نے اپنی کتاب ''الکامل'' میں کعب بن مالک سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ایک یہودی عورت سے شادی کرنا چاہے تو ان سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان سے شادی مت کرو کیونکہ وہ تم کو محصن نہیں بنا سکتی۔ (دارقطنی ، ابن ابی شیبہ، ابن عدی)

امام محمد نے کتاب الاصل میں بیان کیا ہے کہ مسلمان آدمی کو محصنہ عورت ہی محصن بنا سکتی ہے جب کہ وہ اس کے ساتھ ہم بستری کرے پھر فرمایا کہ یہ روایت حضرت عامرؒ اور حضرت ابراہیم نخعی سے ہم کو پہونچی ہے۔

34/4849۔ حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ صحابہ علیہم

......تھا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کا حکم نازل ہونے سے پہلے تورات کے حکم کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ جب قرآن کا حکم نازل ہوا تو یہ منسوخ ہوگیا اور رجم کے بارے میں شریعت کا حکم اسلام اور احصان کی شرط کے ساتھ نازل ہوا۔

اگرچیکہ یہ وحی غیر متلو ہے اور یہ بات حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد **من اشرک باللہ فلیس بمحصن** (جو اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ محصن نہیں) وغیرہ سے معلوم ہوتی اور اس کی تائید ابراہیم نخعیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے اور حنفیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے جو جوابات دئے ہیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جس کی ابن ہمام نے وضاحت کی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی اور یہودیہ پر رجم کی حد کو جاری کرنا احصان میں اسلام کے شرط نہ ہونے پر دلالت ہے۔

اور حدیث قولی: **من اشرک باللہ فلیس بمحصن** اسلام کے شرط ہونے کی دلیل ہے جب حدیث قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو ترجیح میں قولی کو فعلی پر مقدم کیا جاتا ہے نیز اسلام کی شرط لگانے میں احتیاط بھی ہے اور حدود کے باب میں احتیاط مطلوب ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس قولی حدیث کو مقدم کرنا حدود کے دفع کرنے کا موجب ہے۔ اور اس فعل کو مقدم کرنا حد کے واجب کرنے میں احتیاط کا موجب ہے اور تعارض کے وقت حدود میں دفع کرنے والے امر کو ترجیح حاصل ہے۔ (ماخوذ از تعلیق مجد، ہدایہ، عمدۃ الرعایۃ، مرقات)

الرضوان میں سے ایک صحابی کہا کرتے تھے کہ زکوۃ 37 حدود فئی اور جمعہ یہ سب سلطان کے ذمہ ہیں۔ امام طحاوی نے اس کی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ صحابہ کے درمیان ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے۔

35/4850 ۔اور محدث ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن جریر سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا جمعہ، حدود، زکوۃ اور فئی کا معاملہ سلطان کے حوالے ہے اور عطاء خراسانی سے ایسی ہی روایت ہے۔

36/4851 ۔عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے جد عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں تم حدود سے چشم پوشی 38

37قولہ: الزکوۃ والحدود والفیئی والجمعۃ الی السلطان زکوۃ، حدود، فئی اور جمعہ سلطان کے حوالے ہیں۔ یعنی ان امور کو صرف حاکمِ وقت ہی قائم کرے گا آقا کو اپنے غلام پر حاکم کے حکم کے بغیر حد جاری کرنا جائز نہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور یہ احادیث اس کے دلائل ہیں اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آقا کو اپنے غلام پر حد جاری کرنے کا حق ہے۔ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ ، فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ...... اِلٰی قَوْلِهٖ : مِنْ شَعَرٍ . (جب تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے تو وہ (آقا) اس پر حد جاری کرے......)۔

اور ہمارے اصحاب نے ان احادیث کے بارے میں جواب دیا ہے جیسا کہ غایۃ البیان وغیرہ میں ہے کہ اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا گیا ہے کہ آقا اپنے غلام پر حد قائم کرنے کا سبب ہوتا ہے اس طرح کہ وہ حاکم وقت کے پاس مرافعہ پیش کرتا ہے۔آقا امام کی بغیر اجازت یہ کام مباشرۃً نہیں کرتا۔ چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں یہ سبب پر محمول ہے کیونکہ وہ امام کے پاس مرافعہ کر کے اقامت حد کا سبب بنتا ہے۔اور یہ بات ہم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ظاہری معنی بالاتفاق متروک ہیں۔ کیونکہ یہ صیغۂ امر وجوب کا متقاضی ہے اور آقا کو اپنے غلام پر حد جاری کرنا بالاتفاق واجب نہیں ہے، ہمارے مذہب کے مطابق تو یہ بات ظاہر ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق بھی ہے کیونکہ غلام پر حد جاری کرنا آقا کے لئے ان کے پاس جائز ہے۔ مگر اس پر واجب نہیں ہے۔جب اس حدیث کے ظاہری معنی متروک ہیں اسی لئے ہم نے اس کو ہمارے مذکورہ قول پر محمول کیا ہے۔حضرتِ کا کی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلاموں کی تخصیص کا فائدہ یہ ہے کہ مالکوں کے لئے غلاموں پر حد قائم کرنے سے امتناع عائد کر کے ان کو مشقت سے بچانا ہے۔

(ماخوذ از عمدۃ القاری، تعلیق مجد، بنایہ، شروح کنز)۔

38قولہ: تعافوا الحدود فیما بینکم الخ تم آپس میں حدود سے چشم پوشی کیا کرو۔

تعافوا ۔ تعافی مصدر کا فعل امر ہے، اس میں روئے سخن عامۃ المسلمین اور اصحاب حقوق کی طرف ہے۔حکام اور امراء کی طرف نہیں ہے۔ کیونکہ عام لوگوں کو تو یہ حکم ہے کہ وہ کامل طور پر ستر پوشی کریں صاحب ہدایہ نے فرمایا پردہ پوشی مستحب ہے۔

صاحب مجمع البحار نے اس حدیث شریف کے ضمن میں فرمایا ہے لوگوں کو چاہئے کہ وہ مجھ تک اطلاع پہنچنے ......

...... سے پہلے ہی آپس میں حدود کو معاف کردیں۔ پھر جب مجھ تک اس کی اطلاع پہنچے تو حد کا نافذ کرنا میرے ذمہ ضروری ہوجاتا ہے۔صاحب ''**الاشباہ والنظائر**'' نے جو فرمایا ہے کہ حدود معاف کرنا صحیح نہیں اگرچہ کہ وہ حد قذف ہی کیوں نہ ہو برخلاف قصاص کے (کہ قصاص کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے) تو اس سے مراد یہ ہے کہ حد معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی البتہ حد اگرچہ کہ معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی اگر وہ معاف کرنے والا چلا جائے تو حاکم کو نافذ کرنے کا حق نہیں رہتا۔جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کردی۔

استیفاء (حد کا نافذ کرنا)۔بوقت مطالبہ ہوتا ہے اور اس نے تو مطالبہ ترک کردیا ہے۔البتہ اگر وہ لوٹ آئے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں حاکم حد کو نافذ کرے گا اور اس کا معاف کرنا لغو قرار پائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ابھی تک کوء مخاصمت ہی نہیں کی۔(ماخوذ از مرقات، ہدایہ، مجمع البحار، الاشباہ والنظائر، البحر الرائق)

صاحب بدائع نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ زنا، شراب نوشی، نشہ اور چوری کے حدود میں حجت کے ساتھ ثابت ہوجانے کے بعد معافی، صلح اور ابراء (مدعی علیہ کو مقررہ حق سے بری کردینے) کی کوئی گنجائش نہیں۔

کیونکہ یہ حدود خالص حقوق اللہ ہیں، اس میں بندے کا کوئی حق نہیں اسی لئے بندے کو ان کے ساقط کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اور حد قذف (تہمت لگانے کی حد) اگر وہ حجت کے ساتھ ثابت ہوجائے تو ہمارے نزدیک اس میں بھی معافی، صلح اور ابراء کی گنجائش نہیں ہے۔

اسی طرح مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) حاکم کے پاس مقدمہ پیش کئے جانے سے پہلے (تہمت لگانے والے کو) معاف کروائے یا مال لے کر صلح کرلے تو یہ باطل ہے اور بدل صلح واپس کردیا جائے گا۔اور مقذوف کو بعد ازاں (حد قذف کے) مطالبہ کا حق حاصل رہے گا۔امام شافعیؒ کے پاس یہ (معاف کرنا اور مال پر مصالحت کرنا) درست ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک قول ایسا ہی منقول ہے۔

ان حضرات کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ حد کے واجب ہونے کا سبب تہمت لگانا ہے اور تہمت لگانا دراصل تہمت لگائے ہوئے شخص کی عزت وناموس پر حملہ کرنا ہے جب کہ عزت وآبرو اس کا حق ہے۔اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کی جان کا بدل اس کا حق ہے اور (جان کا بدل) قتل عمد میں قصاص اور قتل خطا میں دیت ہے۔

لہذا بدل اس کا حق ہے اور انسان کے کسی حق کو (ضائع کرنے پر) جو سزا مرتب ہوتی ہے وہ اس کا حق ہے جیسا کہ قصاص ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ درحقیقت تمام حدود خالصۃً اللہ تبارک وتعالی کے حقوق ہیں کیونکہ یہ عوام کے منافع و مصالح کے پیشِ نظر مقرر کئے گئے ہیں۔

جیسے اس فساد کو دور کرنا جس کے (برے اثرات) ان پر مرتب ہوتے ہیں اور ان کے لئے امن وتحفظ کو حاصل کرنا۔

چنانچہ حدِ زنا اس لئے مقرر ہوئی کہ لوگوں کی عزت وآبرو کو برباد ہونے سے بچایا جاسکے۔

چوری اور ڈاکہ زنی کی حد مقرر کرنے کی غرض یہ ہے کہ (لوٹ مار کا) قصد کرنے والوں سے لوگوں کے......

کیا کرو۔ پس جو حد کی بات مجھ تک پہنچ جائے تو یقیناً وہ واجب ہوگئی۔ (ابوداؤد، نسائی)

37/4852 ۔ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اصحاب مروت کے لغزشوں کو معاف کردو 39 سوائے حدود کے۔ (ابوداؤد)

......اموال اور جانوں کو محفوظ کیا جائے اور شراب نوشی کی حد اس لئے مقرر کی گئی کہ نشہ کی وجہ سے عقلوں کو زائل اور مستور ہونے سے بچا کر لوگوں کے جانوں، مالوں اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کی جائے۔

ہر وہ جرم جس کے فساد کا اثر عوام پر پڑتا ہو اور اس کی سزا کا فائدہ بھی بالآخر عوام کو حاصل ہوتا ہو تو ایسے واجب الحد جرم کی سزا خالص اللہ کا حق ہے جس کا مقصد جلبِ منفعت اور دفع مضرت ہے تاکہ بندے کے معاف کردینے سے معاف نہ ہوجائے۔

ان حقوق کو اللہ تبارک وتعالی کی طرف منسوب کرنے کا یہی مفہوم ہے۔ اور یہ مفہوم حدِ قذف میں پایا جاتا ہے کیوں کہ اس حد کے نفاذ کے ذریعہ عوام کے لئے حفاظت وصیانت اور دفعِ مضرت کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا دیگر حقوق کی طرح حدِ قذف بھی اللہ ہی کا حق ہے (انتھی ملخصاً) اور صاحب مبسوط نے کہا ہے کہ قاضی جب تہمت لگانے والے پر حد قذف کا فیصلہ کردے پھر جس پر تہمت لگائی گئی وہ کسی عوض کے ساتھ یا بغیر کسی عوض کے معاف کردے تو بھی ہمارے پاس حد ساقط نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ حد ساقط ہوجائے گی اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

اور ہمارے پاس اصل مسئلہ یہ ہے کہ حدِ قذف میں اللہ کے حق کو غلبہ ہے۔ اور اس میں بندہ کا حق اس کا تابع اور فرع ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس میں بندہ کا حق غالب ہے۔ اور اس اصل کی بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ بندہ کے معاف کرنے سے یہ معاف نہیں ہوتا کیونکہ بندہ اپنے خالص حق کو معاف کرسکتا ہے۔ اور اللہ تعالی کے حق کو معاف کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔ اگرچہ کہ اس میں اس کا کچھ حق شامل ہو مثلاً عدت کیونکہ اس میں اللہ کا حق ہے اسی لئے وہ شوہر کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ ہمارے مذہب کی روایت سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے آئی ہے۔ (مبسوط) اس مسئلہ میں جو تفصیل چاہے وہ کتاب مبسوط کی طرف مراجعت کرے۔

39 قولہ: اقیلوا ذوی الھیئات الخ ہیئت کسی چیز کی صورت کو کہتے ہیں اور ہیئت سے انسان کے اخلاق و کردار کی حالت مراد ہے اور اصحاب مروّت اور صاحبِ تقوی، خطباء، ائمہ ان کے علاوہ وہ لوگ جو مختلف حقوق رکھتے ہیں، مراد ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا کہ آئندہ زمانہ میں لوگ بدل جائیں گے کہ بڑے درجے والوں کے ساتھ درگزر کرنے اور پردہ پوشی کرنے میں اس حد تک تجاوز کرنے سے کام لیں گے کہ ان پر اور ان کے ساتھ رہنے والوں پر ان سے ڈر کر یا کسی طمع کی بناء پر حدود قائم کرنا بھی چھوڑ دیں گے۔

اس لئے آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ جس طرح کم درجہ کے لوگوں پر حدود جاری کرتے ہیں اسی طرح ان پر بھی حدود جاری کئے جائیں۔ معافی صرف ان لغزشوں میں ہوگی جو موجبِ حد نہیں ہیں۔ (لمعات، مرقات)

38/4853۔سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت کو زنا پر مجبور کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد کو دفع فرمادیا40 البتہ اس آدمی پر جس نے اس کا ارتکاب کیا حد جاری فرمائی۔

راوی نے اس خاتون کے لئے مہر مقرر کئے جانے کا ذکر نہیں کیا41 (ترمذی)

39/4854۔امام محمد کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لوگوں میں سے آزاد ہو یا غلام اگر کسی عورت کو غصب کرلے یعنی زنا کرے تو اس پر حد ہے اور مہر نہیں ہے۔ اور انہوں نے کہا جب مہر واجب ہوتا ہے تو حد جاری نہیں کی جاتی اور جب حد لگائی جاتی ہے تو مہر باطل ہوجاتا ہے۔اور امام محمد فرماتے ہیں جب عورت کو مجبور کیا جائے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ اور جو اس کو مجبور کیا ہے اس پر حد جاری ہوگی۔اور جب حد واجب ہوگی تو مہر باطل ہوجائے گا۔ایک جماع میں حد اور مہر دونوں واجب نہیں ہوتے۔اور اگر کسی شبہ کی بناء حد جاری نہ ہو تو اس پر مہر واجب ہوتا ہے امام ابوحنیفہؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ہمارے اکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔

40/4855۔امام ترمذی اور امام ابوداود کی روایت میں وائل بن حجر سے مروی ہے کہ ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز کے ارادہ سے نکلی تو اس سے ایک آدمی ملا اور اس پر چھا گیا اور اس سے اپنی حاجت کو پوری کرلیا۔عورت نے چیخ ماری تو وہ مرد چلا گیا۔مہاجرین کی ایک جماعت گزری تو اس عورت نے کہا کہ وہ آدمی میرے ساتھ ایسا عمل کیا۔وہ اس آدمی کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تو چلی

40قولہ :فدرأ عنها الحد الخ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد کو دفع فرمادیا) صاحب در مختار اور صاحب ردالمحتار نے کہا ہے کہ جس کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس پر حد نہیں ہے۔امام صاحب نے اسی مسئلہ کی طرف رجوع کیا ہے۔ابتداء میں امام صاحب نے فرمایا کہ اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ آلہ تناسل کے انتشار کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔اور یہ رضامندی کی نشانی ہے۔ برخلاف عورت کے (جس کو مجبور کیا گیا ہو) اس پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔اور یہ قول مطلق ہے جو صاحبِ اقتدار کے سوا دوسروں سے اکراہ پر بھی شامل ہے۔صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق ہے کیونکہ اکراہ صاحب اقتدار کے علاوہ سے بھی ہوسکتا ہے۔اور یہ وقت و زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ہے۔

41قولہ: ولم يذكر انه جعل لها مهرا الخ ثاحب عرف الشذی نے کہا کہ حد اور مہر دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔

جا اللہ نے بخش دیا۔ اور جو آدمی زنا کیا تھا اس کے متعلق فرمایا تم اس کو رجم کردو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر اہل مدینہ ایسی توبہ کرتے تو ان سے توبہ قبول کرلی جاتی۔

41/4856۔ حضرت نافع سے روایت ہے صفیہ بنت ابی عبید نے انکو بتایا کہ حاکم وقت کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خمس میں حاصل ہونے والی باندی پر چھا کر اس کو مجبور کیا یہاں تک کہ اس نے زنا کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو کوڑے لگوائے اور اس باندی کو کوڑے نہیں لگائے کیونکہ اس کو مجبور کیا گیا تھا۔ (بخاری)

42/4857۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہوں جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے تو وہ قوم قحط سالی کا شکار ہوجاتی ہے۔ اور جس قوم میں رشوت پھیل جاتی ہے تو وہ قوم رعب میں گرفتار کرلی جاتی ہے۔

43/4858۔ عکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی کو قوم لوط کا عمل (لواطت) کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔ 42 (ترمذی، ابن ماجہ) یہ حدیث ہمارے پاس تعزیر

---

42 قولہ: فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ (فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو) لواطت کے حرام ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ بڑی بے حیائی کے کاموں میں سے ہے۔ البتہ لوطی کی حد کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام شافعی کے قول ظاہر میں اور امام یوسف، امام محمد رحمہم اللہ کے پاس فاعل (لواطت کا عمل کرنے والے) کی سزا زنا کی حد ہے۔ یعنی اگر وہ شادی شدہ ہے تو رجم (سنگسار) کردیا جائے گا۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کو سو (100) کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور مفعول (جس کے ساتھ لواطت کی گئی ہے) کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں سو کوڑے لگانا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا ہے خواہ مرد ہو یا عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ کیونکہ دبر میں لواطت کرنے سے محصن نہیں ہوجاتا لہذا محصن کی حد نہیں لگائی جائے گی۔

امام مالک، امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کے پاس لوطی کو خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو رجم (سنگسار) کیا جائے گا اور امام شافعی کے ایک قول میں ہے کہ فاعل اور مفعول بہ دونوں کو ظاہر حدیث کے مطابق قتل کیا جائے گا اور قتل کرنے کی کیفیت کے بارے میں دو قول ہیں

1۔ دیوار وغیرہ گرا کر ان دونوں کو قتل کردیا جائے۔

2۔ یا ان دونوں کو کسی بلند مقام سے ڈھکیل دیا جا کر قتل کردیا جائے جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا تھا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ یہ (لواطت) زنا کی طرح ہے ان کی اس عبارت سے ظاہر......

اور سیاسی مصلحت پر محمول ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کا حکم فرمایا ہے اور قتل کرنا حد نہیں ہے حد تو کوڑے لگانا یا رجم کرنا ہے۔

44/4859۔ رزین کی ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ان دونوں کو جلا دیا۔ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ان دونوں پر دیوار گرا دی۔

...... ہے کہ یہ نفس زنا نہیں ہے لیکن اس کا حکم زنا کا حکم ہے اور ان پر زنا کی حد لگائی جائے گی اگر شادی شدہ ہیں تو رجم کر دیا جائے ورنہ کوڑے لگائے جائیں گے کیونکہ اس کو معناً زنا کے حکم میں شامل کیا گیا ہے اس لئے کہ لواطت نام ہے شہوت کے مقام میں حرام طریقہ سے مکمل شہوت رانی کرنے کا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس پر حد جاری نہیں ہوگی بلکہ تعزیزی سزا دی جائے گی۔ اور صاحب دُرر نے بھی کہا کہ اس کو تعزیزی سزا دی جائے گی مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار گرا دینا، کسی اونچے مقام سے اوندھا گرا کر اس کے اوپر پتھر مارنا۔

حاوی قدسی میں ہے کہ فقہائے کرام نے اس کی مختلف تعزیز سزائیں ذکر کی ہیں کوڑے لگانا، کسی بلند مقام سے گرا دینا اور نہایت بدبودار مقام میں قید کرنا اور اس میں مگر کوڑے لگانا راجح ہے۔ البتہ خصی کرنا اور آلہ تناسل کو کاٹنا درست نہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ تعزیزی سزا دی جائے گی اور قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو یا وہ توبہ کرلے۔ اور اگر وہ لواطت کا عادی ہے تو امام اس کو سیاسی مصلحت کی بنا قتل کر سکتا ہے۔

صاحبِ زیادات نے کہا ہے کہ اگر وہ لواطت کا عادی ہے تو اس کی سزا امام کی رائے کے مطابق ہے اگر چاہے تو قتل کرے اور چاہے تو مارے اور اس کو قید کرے اور اشباہ میں حشفہ کے چھپ جانے کے احکام میں مذکور ہے کہ امام اعظمؒ کے پاس اس پر حد نہیں لگے گی۔ مگر جب وہ بار بار کرے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے مابین لواطت کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کو جلا دیا جائے اور بعض نے کہا کہ اس پر دیوار گرا دی جائے۔ اور بعض کے قول کے مطابق اس کو کسی بلند مقام سے اوندھا گرا کر پتھر مارے جائیں۔ اگر یہ فعل زنا کے برابر ہوتا تو اس میں اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ منصوص علیہ کے بارے میں ان کے مابین اختلاف کا گمان نہیں ہوسکتا لہذا اس جیسے امور میں امام اپنی رائے کے مطابق تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

اور یہ زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ نہ اس میں اولاد کا ضیاع ہے اور نہ نسب میں اشتباہ کا سبب ہے اور نہ عورت کے محل کو خراب کرنا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ صورت کم واقع ہوتی ہے کیونکہ اس میں طرفین میں سے ایک میں سبب نہیں ہوتا جب کہ زنا میں طرفین میں سبب پایا جاتا ہے اور اس کی سزا سے متعلق جو روایتیں آئی ہیں وہ سیاسی مصلحت پر محمول ہیں یا اس آدمی کے لئے ہے جو اس کو حلال سمجھتا ہے۔ (رحمۃ الامۃ، مرقات، فتح القدیر، درمختار، ردالمحتار، شروح کنز)

45/4860۔ سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون ہے وہ آدمی جو قوم لوط کا عمل کرے۔(رزین)

شیخ ابن ہمام نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قتل کا ذکر نہیں فرمایا۔

46/4861۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر سب سے زیادہ خوف کی چیز جس کا میں اندیشہ کرتا ہوں وہ قوم لوط کا عمل ہے۔(ترمذی، ابن ماجہ)

47/4862۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ بزرگ و برتر رحمت کی نظر نہیں کرتا اس مرد پر جو کسی مرد سے بدفعلی کرتا ہے اور اس مرد پر جو عورت سے اس کے دبر میں لواطت کرتا ہے (ترمذی) اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب فرمایا ہے۔

48/4863۔ انہی سے روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے [43] تو تم اس کو قتل کردو اور اس کے ساتھ اس جانور کو بھی قتل کردو۔

---

[43] **قولہ: من أتى بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه** اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ وہ زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ اس میں جنایت اور اس کا سبب نہیں ہے کیونکہ طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے۔ اس پر آمادہ کرنے والی چیز انتہائی بے وقوفی اور حد سے زیادہ شہوت ہے۔ اسی لئے جانور کی شرمگاہ کو ڈھانکنا ضروری نہیں ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے پاس اس کو تعزیزی سزا دی جائے گی اور جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے گا اور اس جانور سے خواہ زندہ ہو یا مرجائے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس (لوطی) پر حد لائی جائے گی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کے متعلق تین (3) اقوال ہیں۔

1۔ اس پر حد جاری کرنا واجب ہے البتہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہونے کی بناء پر اس کی حد مختلف رہے گی۔

2۔ اس کو ہر حالت میں قتل کیا جائے گا۔

3۔ اس کو تعزیزی سزا دی جائے گی اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے تعزیز کرنے کو اختیار کیا ہے۔

البتہ جس جانور کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے......

حضرت ابن عباس سے کہا گیا کہ جانور کا کیا معاملہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے تو انہوں نے کہا اس مسئلہ میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس کا گوشت کھانے یا اس سے فائدہ اٹھانے کو ناپسند فرمایا ہے جب کہ اس کے ساتھ یہ فعل کیا گیا ہے۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

49/4864 ۔انہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اس پر حد نہیں ہے (ترمذی،ابوداؤد)

امام ترمذی نے سفیان ثوری سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا پہلی حدیث کہ جو آدمی کسی چوپایہ سے بدفعلی کرے گا تو تم اس کو قتل کردو اس کی بہ نسبت سے یہ دوسری حدیث قابل ترجیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

......فرمایا کہ کسی بھی حالت میں اس کو ذبح نہیں کیا جائے گا۔اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اگر وہ جانور لواطت کرنے والے ہی کا ہے تو ذبح کردیا جائے گا ورنہ ذبح نہیں کیا جائے گا۔اور اصحاب شافعیہ کے اس بارے میں تین اقوال ہیں۔ان میں سے ایک جو قابل ترجیح ہے یہ کہ اگر وہ حلال جانور ہے تو ذبح کیا جائے گا ورنہ نہیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو ہر حالت میں ذبح کردیا جائے گا اور تیسرے قول میں ہے اس کو کسی صورت میں بھی ذبح نہیں کیا جائے گا۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کو ہر حالت میں ذبح کیا جائے گا خواہ وہ اسی کا ہو یا کسی دوسرے کا ہو،حلال ہو یا حلال نہ ہو۔

اور اس جانور کی قیمت مالک کو ادا کرنا لواطت کرنے والے کے ذمہ ہے۔

اب رہا یہ کہ لوطی اس جانور کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں کھا سکتا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوطی اس کا گوشت نہیں کھا سکتا البتہ کوئی دوسرا کھا سکتا ہے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوطی اور غیر لوطی دونوں کھا سکتے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا لوطی اور غیر لوطی دونوں میں سے کوئی بھی نہیں کھا سکتا۔

اور اصحاب شافعیہ کے پاس دو صورتیں ہیں۔ان میں سے راجح یہ ہے کہ مطلقاً (لوطی،غیر لوطی) سب کھا سکتے ہیں کیونکہ یہاں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔پھر اس کو جلانا ہمارے پاس واجب نہیں ہے۔اور یہ (جلانا) صرف اس لئے ہے کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو اس کی جو بات چیت چلتی رہے گی۔اس کو ختم کردیا جائے۔اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس جانور کو ذبح کردینے اور اس کے بعد اس کو جلا دینے کا حکم فرمایا۔(ہدایہ،رحمۃ الامۃ،درمختار،شروح کنز)

اور صاحبِ ردالمختار نے فرمایا اگر کوئی عورت کسی بندر سے اپنے اوپر وطی کرائے تو اس کا حکم جانوروں سے وطی کرانے کی طرح ہے۔(جوہرہ) یعنی اس پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہوگی اور بندر کو بھی ذبح کردیا جائے گا۔تاکہ اس کو زندہ رکھنے کی صورت میں اس کی گفتگو چلتی رہے گی۔وہ ختم کردی جائے گی۔

(1/169) بَابُ قَطْعِ السَّرِقَةِ
چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

اوراللہ بزرگ برتر کاارشاد ہے:" وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ .فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ".(5،سورۃ المائدۃ،آیت نمبر:38/39)

اورتم چوری کرنے والے مرداور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو بدلے میں اس عمل کے جوان دونوں نے کیا ہے اورعبرت ناک سزا ہے اللہ تعالی کی طرف سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔پس وہ جوتو بہ کرے اپنے ظلم کرنے کے بعد 1 اور اصلاح کر لے تو بلا شبہ اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرے گا۔یقیناً اللہ تعالی بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

1/4865۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر دس درہم میں 2۔

---

1 قولہ: فمن تاب. کشاف میں ہے توبہ کرنے سے آخرت میں عذاب کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن حد ساقط نہیں ہوگی۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے اصحاب رحمہم اللہ کے پاس توبہ کی وجہ سے قطع ید ساقط نہیں ہوگا۔اور اما شافعی رحمہ اللہ کے پاس ان کے ایک قول کے مطابق توبہ سے قطع ید ساقط ہوجائے گا۔اور ایک قول میں حربی توبہ کرلے تو قطع ید ساقط ہوجائے گا تا کہ یہ اس کے اسلام کا سبب بن جائے مسلمان سے قطع ید ساقط نہیں ہوگا کیونکہ قطع ید کے قانون میں مسلمانوں کے لئے صلاح ہے۔

2 قولہ:لا قطع الا فی عشرۃ دراھم جانو اس بات کو کہ سرقہ (چوری) لغت میں دوسرے کے مال کو خواہ وہ کونسی بھی چیز ہو پوشیدہ طور پر لینے کا نام ہے۔شریعت میں سرقہ کی تعریف پر اس لغوی معنی میں چند ا اور امور زیادہ کئے گئے ہیں منجملہ ان کے

1۔چور کا عاقل وبالغ ہونا کیونکہ اللہ تعالی نے ہاتھ کاٹنے کو نکال یعنی عبرت ناک سزا سے موسوم کیا ہے اور یہ عقوبت ہے اوراس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چوری جنایت ہے۔اور بغیر عقل وبلوغ کے جنایت نہیں ہوتی۔

2۔اور یہ کہ مسروق (چوری کی ہوئی چیز) قیمت والی محفوظ مملوکہ مال ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو پس اگر وہ علانیہ کھلے طور پر لیا ایسی چیز چوری کیا جو مال نہیں ہے یا غیر محفوظ مال ہو جیسے اپنے کسی محرم یعنی قریبی رشتہ دار کے گھر سے یا بیوی کے گھر سے سسرال سے اور میزبان کے گھر سے چوری کرے یا تھیلی کو باہر سے کاٹ کر اس میں سے مال لے لیا ایسا......

(امام طبرانی اوسط میں روایت کی ہے)

2/4866۔امام ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے کہا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر ایک دینار یا دس درہم میں۔اور یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس کو قاسم بن عبدالرحمٰن نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور قاسم بن عبدالرحمٰن کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں ہے۔

حضرت ملا علی قاری نے فرمایا یہ بات صحیح ہے لیکن امام حصفکی کی جمع کردہ

3/4867۔مسند امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ میں ہے کہ ابن مقاتل نے حضرت ابوحنیفہ (امام اعظم) سے روایت کی ہے اور آپ قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود سے اور وہ اپنے والد سے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ دس درہم میں کاٹا جاتا تھا۔

4/4868۔اور ایک روایت میں ہے کہ یقیناً ہاتھ کاٹنا دس درہم میں تھا۔پس روایت موصول اور مرفوع ہے اگر یہ روایت موقوف ہو تب بھی وہ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ شریعت کے مقررہ حدود

......مال محفوظ جو کسی کی قطعی ملکیت نہیں ہے جیسے وقف کا مال یا دس درہم سے کم والا مال چوری کیا ان تمام صورتوں میں ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ مال موجود ہے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے اور اگر وہ ہلاک ہوگیا ہے تو اس کی قیمت کا ضمان (تاوان) دینا واجب ہے۔

اس کا حکم ہاتھ کاٹنا ہے اور یہ زجر یعنی باز رکھنے کے لئے ہے اور زجر کی ضرورت ایسے مال کے لئے ہوتی ہے جو لوگوں کے پاس اہمیت کا ہے اور اہمیت کا مفہوم غیر معروف ہے اور اہمیت کے متعلق سب لوگ عموما برابر نہیں ہیں اس لئے شریعت کی طرف سے اس کی تعریف کی ضرورت لاحق ہوئی۔چنانچہ حدیث شریف میں ہے لایقطع السارق الا فی ثمن المجن چور کا (ہاتھ) کاٹا نہیں جائے گا مگر ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت کے تعین میں اختلاف ہے ہمارے (حنفیہ) کے پاس دس درہم ہیں اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس ربع (1/4) دینار ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تین درہم ہیں۔علماء کرام ڈھال کی قیمت میں اختلاف کرنے کے باوجود وہ سب اس امر پر متفق ہیں کہ قطع ید کا نصاب شریعت کی طرف سے مقرر ہے۔اور ہم اس کی زیادہ سے زیادہ جو قیمت ہے اس کو اختیار کئے ہیں کیونکہ وہ قطعی ہے۔اور دس درہم میں ہاتھ کے نہ کاٹے جانے کی بات کسی نے بھی نہیں کہی ہے۔البتہ دس درہم سے کم میں قطع کے بارے میں اختلاف ہے اور شک وشبہ کی بناء پر قطع ید نہیں ہوگا۔بلکہ شبہات کی وجہ سے حدود کو دفع کردیا جاتا ہے۔نیز دس درہم کی روایت فقیہ راوی کی ہے۔......

میں عقل کا دخل نہیں ہے۔اس لئے اس باب میں موقوف حدیث بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔

5/4869۔اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کتاب الآ ثار میں عن ابی حنیفة عن القاسم بن عبدالرحمن عن ابیه عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالی عنه روایت کئے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔

6/4870۔اور امام احمد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے اسی طرح مرفوعا روایت کی ہے۔

7/4871۔ابن ابی شیبہ نے قاسم سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جو چوری کیا تھا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا اس کی قیمت کا اندازہ کرو۔انہوں نے اس کی قیمت کا اندازہ آٹھ درہم بتایا تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

8/4872۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی چوری کرنے پر ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا۔(ابوداؤد)

9/4873۔امام نسائی، امام بیہقی اور امام طحاوی نے ان (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی

......خلاصہ کلام یہ ہے کہ دس درہم میں قطع ید واجب ہونے پر اجماع ہے اور دس درہم سے کم میں احادیث شریفہ علی صاحبها واله الصلاة والسلام میں اختلاف کی وجہ سے علماء کا اختلاف ہوا اور اس میں احتمال پیدا ہو گیا اور احتمال کی وجہ سے قطع ید واجب نہیں ہوتا۔

جب احادیث شریفہ اور صحابہ کے آثار میں اختلاف ہوا اور اس میں مقدم ومؤخر کونسا قول ہے معلوم نہیں جس سے ناسخ ومنسوخ کا پتہ چل سکے تو ہم قابل اعتماد احتیاط کا پہلو جس میں سے کوئی شک نہ ہو اختیار کئے ہیں اور دس درہم میں کیونکہ شبہات سے حدود دفع ہو جاتے ہیں اور صرف اسی وقت جاری کئے جاتے ہیں۔جب کہ اس میں کوئی شبہ نہ رہے۔

اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ قطع ید سے متعلق مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا مال کی کوئی بھی مقدار ہو اس میں قطع ید ہوگا یا اس کے لئے کوئی ایسی مقدار مقرر ہے کہ اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔پہلا قول حضرت حسن بصری، امام داؤد خوارج اور امام شافعی کے نواسہ ہیں۔

کیونکہ آیت قرآنی مطلق ہے اور حدیث شریف میں ہے لعن الله السارق الخ اللہ تعالی لعنت کرے سارق پر کہ وہ انڈا چوری کرتا ہے۔ہاتھ کاٹا جاتا ہے رسی چوری کرتا ہے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور حضرات کے علاوہ دیگر علماء کرام کے پاس قطع ید کے لئے مقررہ مقدار دس درہم متعین ہے۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ربع دینار ہے اور امام مالک......

عنھما) سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم لگائی جاتی تھی۔

10/4874۔امام حاکم نے مستدرک میں ابن اسحاق سے روایت کی ہے اور فرمایا یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

11/4875۔نسائی کی روایت عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں ہے انہوں نے کہا کہ مجن یعنی ڈھال کی قیمت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس درہم تھی۔

12/4876۔حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا پھل میں اور کثر (کھجور کا گابھا اور ردی چیز) میں ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔3 (امام مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

......اور امام احمد رحمہما اللہ کے پاس ربع دینار یا تین درہم ہیں۔اور اس پر (یعنی تعین مقدار پر) صحابہ علیھم الرضوان کا جماع منقول ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ یہ آیت مطلق نہیں بلکہ وہ مقید ہے۔اور عقلی طور پر اگر دیکھا جائے تو حقیر چیز میں رغبت کم ہوتی ہے اور اس کو منع بھی نہیں کیا جاتا جیسے گیہوں کا دانہ ہے حالانکہ یہ بھی آیت کے اطلاق میں شامل ہے اور اس (حقیر چیز) کا لینا پوشیدہ بھی نہیں رہتا۔اس لئے اس کو لینے سے چوری کا رکن (پوشیدہ طور پر لینا) یہاں پایا نہیں جاتا۔ پس یہ مخصص عقلی ہے جب کہ پہلے سے اس آیت میں مال غیر محفوظ کی بالا جماع تخصیص ہوچکی ہے۔اس لئے اس حدیث میں جس میں رسی اور بیضہ کی چوری کا ذکر ہے اس میں تاویل کرنا ضروری ہوا کہ رسی سے مراد وہ رسی ہے جو دس درہم کی قیمت کی ہو۔ بیضہ سے مراد لوہے کا خود (لوہے کی ٹوپی (ہلمٹ)) ہے۔ یا ہوسکتا ہے کہ آپ یہ اس وقت فرمائے ہوں جب یہ آیت نازل ہوئی تھی جو مجمل ہے ابھی اس کا بیان نہیں آیا تھا۔اس کے بعد اس کا نصاب بیان کردیا گیا یا یہ کہ منسوخ ہوگیا ہو یعنی ابتداء اسلام میں قطع ید کا کوئی نصاب نہیں تھا پھر یہ منسوخ ہوگیا۔

(عقود الجواہر، تفسیرات احمدیہ، کوکب دری، بذل المجھود، تعلیق مجد، مرقات، شروح کنز)

3قولہ: **لا قطع فی ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ** شرح السنہ میں ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ظاہر حدیث کے مطابق تازہ میووں میں خواہ وہ محفوظ ہوں یا غیر محفوظ قطع ید نہیں ہے گوشت، دودھ اور شربت وغیرہ کو اسی پر قیاس کیا ہے۔اور دوسروں نے ایسی تمام چیزوں میں بشرطیکہ وہ محفوظ ہوں قطع ید کا حکم دیا ہے۔حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(مرقات)

ہدایہ میں ہے کہ ایسی چیزیں جو جلد خراب ہوجاتی ہیں ان میں قطع ید نہیں ہے۔ جیسے دودھ گوشت تر میوے وغیرہ۔کیونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''**لا قطع فی ثمر ولا کثر**''اور کثر جمار (کھجور کا گابھ) اور ردی چیز کو بھی کثر کہا گیا ہے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **لا قطع فی الطعام** سے مراد ایسی چیزیں ہیں......

13/4877۔امام ابوداؤد نے مراسیل میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (پکائے ہوئے) کھانے میں ہاتھ نہیں کاٹتا۔

اور حضرت عبدالحق (محدث دہلوی) نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس میں ارسال کے سوا اور کوئی علت نہیں ہے اور تم کو یہ بات معلوم ہے کہ ارسال بھی ہمارے پاس علّت نہیں ہے۔ پس اس کے مطابق عمل کرنا ہمارے پاس واجب ہے۔

14/4878۔حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیانت کرنے والے، لُوٹنے والے اور چھین لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔4 (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

......جو جلد خراب ہوجاتی ہیں۔ (واللہ اعلم) جیسے پکا ہوا کھانا اور اسی مفہوم کی دوسری چیزیں جیسے گوشت اور پھل وغیرہ یہ اس لئے کہ بالاتفاق گیہوں اور شکر میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان تمام میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ثمر میں اور جمار میں قطع نہیں البتہ اگر وہ کھلیان میں آجائیں یعنی وہ خشک ہوجائیں تو قطع ید ہے ہم احناف یہی کہتے ہیں اور عام طور پر جرین (کھلیان) خشک ہونے پر آجاتا ہے اور اس وقت اس میں قطع ید ہوگا۔ جو کھلیان میں رکھے ہوئے تازہ پھل اور اس جیسی چیزوں کے متعلق حدود کی بابت احادیث متعارض ہیں ایسی صورت میں حدود کو دفع کرنے کا حکم مقدم ہوگا۔ اور لمعات میں ہے اس بات کو جانو کہ پھل جب تک درخت پر ہیں اور کھیت ابھی کاٹے نہیں گئے ہیں اس میں چونکہ وہ ابھی محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے اس میں قطع ید نہیں۔ لیکن پھل جب وہ درخت سے اتار لئے گئے ہیں اور محفوظ کر لئے گئے ہوں تو اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قطع ید ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی ایک روایت میں ہے کہ پھل کسی ایسے باغ میں جو محفوظ ہے یا وہ درخت کسی محفوظ گھر میں ہے اور نصاب کے مطابق چوری ہوجائے تو اس میں قطع ید ہے لیکن ہم احناف کے پاس ایسی چیزوں میں جلد فساد اور خرابی آتی ہے جیسے دودھ گوشت، تازہ میوے وغیرہ اس میں قطع ید نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے لاقطع فی ثمر ولا کثر اور حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لاقطع فی طعام کھانے میں قطع نہیں ہے۔ اس سے مراد تیار کھانا جس میں جلدی خرابی آجاتی ہے اور وہ سب چیزیں ہیں جو اسی مفہوم میں ہیں جیسے گوشت اور پھل۔

4 **قوله: ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس قطعٌ** ۔ہدایہ میں ہے خائن اور خائنہ کا ہاتھ اس لئے نہیں کاٹا جائے گا کہ وہ مال محفوظ نہیں ہے اور منتھب اور مختلس یعنی لوٹنے اور اُچک لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ علانیہ یہ حرکت کررہا ہے۔ اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرمائے "**لاقطع فی مختلس ولا منتهب ولا خائن**"۔

15/4879 ۔اورانہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لُوٹنے والے کا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور جو شخص کھلے بندوں ڈاکہ ڈالے وہ ہم میں سے نہیں۔(ابوداؤد)

شیخ ابن ہمام نے فرمایا صفوان کی حدیث میں اضطراب ہے۔اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا باعث ہوتا ہے 5۔

---

5 قوله: **فی حدیث صفوان اضطراب الخ** اس بات کو جانو!جس آدمی کا مال چوری ہوا ہے اگر سارق کو وہ مال ہبہ کردے یا اس کو اس کے ہاتھ بیچ ڈالے جب کہ یہ عمل قضاءِ قاضی سے پہلے ہوا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا کیونکہ اس کا جھگڑا ختم ہوگیا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔اور اگر قضاء قاضی کے بعد اس کو نافذ کرنے سے پہلے ہوا ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قطع ید ساقط ہوجائے گا اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے پاس قطع ید ساقط نہیں ہوگا اور ان دونوں حضرات کی دلیل حضرت صفوان رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ہے کہ وہ ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی چادر کو تکیہ بنا کر سورہے تھے کہ کوئی ان کی چادر چوری کرلیا تو انہوں نے اس کا پیچھا کرکے پکڑ لیا اور اس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا تو حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے قطع ید کا حکم فرمایا تو حضرت صفوان عرض کئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری چادر کی وجہ سے آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے تو میں اپنی چادر اس کو ہبہ کردیتا ہوں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے پاس آنے سے پہلے کیوں ہبہ نہیں کردئے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء قاضی کے بعد قطع ید ساقط نہیں ہوتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حدود کے باب میں بالفعل حد کو جاری کرنے کا حکم قاضی کے قول فیصل کا تتمہ ہے۔حد جاری کرنے کے حکم سے پہلے کی صورت حال فیصلہ سے پہلے کی صورت حال کی طرح ہے اور اگر قبل القضاء اس کو مالک بنادیا تو اس کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔(ملخص از مبسوط، بذل المجھود، فتح القدیر، عنایہ)

اور جو مزید تفصیل چاہتا ہے مذکورہ کتب کی طرف مراجعت کرے۔اور فتح القدیر میں ہے کہ صفوان رضی اللہ تعالی عنہ کی مذکورہ حدیث مشکوۃ کی روایت کے مطابق ہے اور مستدرک للحاکم کی روایت میں **انا ابیعه و انسئه ثمنه** و **سکت علیه** ہے(میں اس کو فروخت کردیتا ہوں اور اس کی قیمت ادھار رکھتا ہوں)آپ اس پر سکوت اختیار کئے اور کسی ایک روایات میں اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ **ما کنت ارید هذا** (میں یہ نہیں چاہتا تھا)اور **اَ یُقْطَعُ رجل من العرب فی ثلاثین درهما** (کیا عرب کے کسی آدمی کا ہاتھ تیس درہم میں کاٹا جائے گا)ہے۔

واقعہ ایک ہی ہے اور اس میں جو زیادتی ہے اس میں اضطراب ہے اور حدیث اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار پاتی ہے۔اور **هو صدقة علیه** (وہ اس پر صدقہ ہے)کے قول میں احتمال ہے کہ اس کو واپس کردینے کے بعد قبضہ کیا ہو۔اور قبضہ سے قبل ملک ثابت نہیں ہوتی۔

کتاب مبسوط میں ہے صفوان رضی اللہ تعالی عنہ کی جو حدیث ہے بعض روایات میں ’**عفوت عنه**‘(میں ان کو معاف کردیا)آیا ہے اور حدیث شریف میں حکایت حال ہے اس میں عموم نہیں ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ”یہ کام میرے......

شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ کسی حدیث مشہور میں یہ مروی نہیں کہ صفوان، اپنا مال سارق کو ہبہ کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارق کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔

16/4880 ۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کی راہ میں لوگوں سے قریب ہو یا دور، جہاد کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ مت کرو اور حضر وسفر میں اللہ تعالیٰ کے حدود کو قائم کرو۔6 (مسند احمد)

...... پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں کیئے تا کہ اس کی پردہ دری نہ ہوتی''۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ جو روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ تو حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ یا رسول اللہ (ﷺ) گویا کہ یہ بات آپ پر شاق گزری۔ فرمایا مجھ پر کیوں شاق نہیں گزرے گی تم لوگ اپنے عمل سے اپنے مسلمان بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بن گئے ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کو ان کے عیب کی پردہ دری ناپسند ہوئی، کسی مشہور روایت میں اس ہبہ کے بعد ان کا ہاتھ کاٹنا مروی نہیں ہے اور کسی اور روایت میں ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے تو اس میں احتمال ہے کہ سارق اس ہبہ کو قبول نہ کیا ہو اور جب اس کی پردہ دری ہو چکی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پاک کرنے کی غرض سے حد جاری کرنے کو مناسب سمجھا اس لئے اس کے ہبہ کو قبول نہیں فرمایا اور ہمارے پاس مسئلہ یہ ہے کہ سارق ہبہ کو قبول نہ کرے تو ہاتھ کاٹنا ساقط نہیں ہوگا۔

بذل المجھود میں ہے حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کی روایت میں **وهو عليه صدقة** کے الفاظ ہیں یعنی وہ ان پر صدقہ ہے۔ اس میں احتمالات ہیں۔ ہوسکتا ہے مال مسروقہ ہبہ کر دیا ہو یا اس کی مراد قطع ید کو ہبہ کرنا (معاف کرنا) ہو۔ قطع ید کو ہبہ کرنے (معاف کرنے) سے حد ساقط نہیں ہوتی یہ اس لئے بھی کہ بعض روایات میں **وهبة القطع** ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ مال مسروقہ کو صدقہ یعنی ہبہ کر دیا ہو لیکن وہ اس پر قبضہ نہ کیا ہو۔ اور قطع ید کے ساقط ہونے کے لئے ہبہ قبضہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔

6 قولہ: **واقيموا حدود الله فى الحضر والسفر** ۔اس بات کو جانو اس حدیث شریف میں سفر عام ہے۔ کیونکہ مسافر کبھی غازی ہوتا ہے اور کبھی غازی نہیں ہوتا ہے۔ اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حالت جنگ میں بھی حدود جاری کیئے جاسکتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے فقہاء کرام نے فوجی چھاونی میں بھی حد جاری کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اب رہا بسر بن ارطاۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ **لاتقطع الايدى فى الغزو**۔

جنگ میں ہاتھ کاٹے نہیں جائیں گے۔ اس کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور اس کو امام اوزاعی اختیار کیئے ہیں۔ ہمارے فقہاء کرام نے اس کو اختیار نہیں کیا ہے۔ اور دیگر بہت سے فقہاء نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ ان حضرات نے جنگ کی زمین اور غیر جنگ کی زمین میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ ان کی یہ رائے ہے کہ جنگ کی زمین میں جس طرح فرائض وعبادات ان پر واجب ہیں اسی طرح حدود بھی وہاں جاری کیئے جاسکتے ہیں۔ اس حدیث شریف کے بارے میں بعض نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں لفظ ''غزو'' سے مراد مال غنیمت ہے۔ مال غنیمت کے تقسیم سے پہلے کوئی چوری کیا تو ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔ کیونکہ اس میں اس کا بھی حق ہے۔ (ماخوذ از حاشیہ کوکب الدری، نیل الاوطار، سندھی، مرقات)

17/4881 ۔سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جب چور چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا 7 پھر دوبارہ کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا پھر اس کے بعد کرے تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اچھی صورت رونما ہو۔ مجھے اللہ تعالی سے حیاء آتی ہے کہ اس کو اس طرح کردوں کہ اس کا کوئی ہاتھ نہ ہو جس سے وہ کھا سکے اور استنجاء کرسکے۔ اور اس کا کوئی پاؤں نہ ہو جس سے وہ چل سکے۔ (کتاب الآثار امام محمد، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، بیہقی، دارقطنی)

18/4882 ۔مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ نجدۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس چور کے بارے میں لکھ کر مسئلہ دریافت کیا تھا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ

---

7 **قولہ: اذا سرق السارق قطعت یدہ الیمنی الخ** (جب چور چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا) سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر چور پہلی مرتبہ چوری کیا ہے تو اس کا سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسری مرتبہ چوری کرے تو بایاں پیر کاٹا جائے گا اور ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے پاس اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھر چوتھی مرتبہ چوری کرے تو سیدھا پاؤں کاٹا جائے گا۔ پھر چوری کرے تو تعزیری سزا دی جائے گی اور حضرت ابوسلمہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت کے مطابق اس کو قید بھی کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کے پاس تیسری مرتبہ چوری کرے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ تائب ہوجائے تیسری مرتبہ چوری کرنے کی صورت میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن تعزیری سزا کے طور پر اس کو قید کرنے کے ساتھ مار بھی سکتے ہیں کیونکہ (تیسری مرتبہ میں) ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ تو اب صرف ضرب وحبس کے ذریعہ اس کو زجر و تادیب کی جائے گی۔ اور ہماری دلیل اجماع صحابہ علیہم الرضوان ہے۔ جب کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے صحابہ کے سامنے یہ حجت پیش کی کہ مجھے اللہ تعالی سے حیاء آتی ہے کہ میں اس چور کا کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ چھوڑوں جس سے وہ نہ پکڑسکتا ہو اور نہ چل سکتا ہو۔

اور اس مسئلہ میں کسی نے بھی مرفوع حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ اس باب میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں تمام آثار تلاش کئے گئے اس میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ملی۔ اسی لئے پانچویں مرتبہ چوری کرے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پانچویں مرتبہ قتل کئے جانے کی روایت اگر صحیح ہے تو سیاسی سزا پر محمول کی جائے گی۔ یا وہ منسوخ ہے۔ سیاسی سزا پر محمول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے پانچویں مرتبہ میں فرمایا اگر وہ چوری کا پھر اعادہ کرے تو تم اس کو قتل کردو۔ اس کو بالاتفاق سیاسی سزا پر محمول کیا گیا ہے۔

(ماخوذ از مرقات، شروح کنز، ہدایہ، عنایہ)

تعالی عنہ کی طرح ان کی طرف جواب لکھ کر روانہ کیا۔

19/4883 ۔سعید بن منصور، سعید بن ابوسعید مقبری سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس حاضر ہوا آپ کے پاس ایک ہاتھ پیر کٹا ہوا آدمی لایا گیا جو پھر چوری کیا تھا۔تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔تو انہوں نے کہا امیر المومنین آپ اس کا پھر ہاتھ کاٹ دیجئے۔تو آپ نے فرمایا یہ بات تو ایسی ہے کہ میں اس کو گویا قتل کردیا۔حالانکہ اس پر قتل نہیں ہے۔وہ کس چیز سے کھانا کھائے گا۔کس چیز سے نماز کے لئے وضو کرے گا۔کس چیز سے جنابت کا غسل کرے گا۔کس چیز سے وہ اپنی ضرورت پوری کرے گا۔آپ نے اس کو چند دنوں کے لئے قید خانہ بھیج دیا پھر آپ اس کو باہر لائے اور اپنے اصحاب سے اس بارے میں مشورہ فرمایا تو انہوں نے پہلے کی طرح مشورہ دیا تو آپ نے ان کو پہلی مرتبہ جو فرمایا تھا وہی فرمایا اور اس کو سخت کوڑے لگائے پھر چھوڑ دیا۔

اور شیخ ابن ھمام نے فرمایا تیسری یا چوتھی مرتبہ قطع کی روایت اگر درجۂ صحت میں ہے [8] تو اس

---

[8] قولہ: ان صح حمل علی السیاسة او نسخ ۔(اگر یہ روایت درجہ صحت میں ہے تو اس کو سیاسی سزا پر محمول کیا جائے گا وہ منسوخ ہے)اس میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ ''ہم نے آثار کو تلاش کیا لیکن ان میں سے کسی کے لئے بھی کوئی اصل ہم کو نہیں مل سکی'' صاحب فتح القدیر نے کہا مبسوط میں ہے کہ یہ حدیث درجہ صحت میں نہیں ہے اور اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ ابتداء میں حدود میں سختی تھی۔جیسا کہ عرینیین کے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور ان کے آنکھوں پر گرم سلائی پھیری گئی۔پھر فتح القدیر میں اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے اس مذہب کے مطابق سیدنا علی اور سیدنا ابن عباس اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنھم سے روایت منقول ہے اور یہ امر ایسا ثابت شدہ ہے کہ اس کے خلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔اور یہ بات بعید از فہم ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارق کے چار مرتبہ قطع کا حکم فرمائے ہوں پھر اس کو قتل بھی کردئے ہوں اور سیدنا علی اور سیدنا عباس اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہم جیسے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت اقدس میں ہمیشہ رہنے والے صحابہ کو اس بات کا علم نہ ہو۔اور اگر یہ حضرات غیر موجود بھی رہے ہوں تو بہر حال یہ بات ان کے علم میں ضرور آتی تھی۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اس عمل سے رکنا یا تو اس امر گزشتہ کے ضعیف ہونے کی بناء پر یا اس کے واقفیت کی بناء پر ہے کہ یہ حد دائمی نہیں ہے بلکہ امام کی سیاسی رائے کی بناء پر ہے اگر امام دیکھ رہا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلانے کے لئے کوشاں ہے اور اس کی طبیعت باز آنے سے بعید ہے تو ایسے وقت امام کے لئے سیاسی مصلحت کی بناء پر اس کو قتل کردینے کا اختیار ہے۔تو وہ معنوی قتل بھی کرسکتا ہے۔معنوی قتل سے مراد اس کے چاروں اعضاء کو کاٹ دینا ہے۔سیاسی مصلحت کی بناء پر اس کو قتل کرنا جب اس کے لئے درست ہے تو معنوی قتل بھی اس کے لئے درست ہے۔اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف جو ہم بیان کئے ہیں کہ تیسری مرتبہ سیاسی مصلحت سے قتل کرنے کا اس کو اختیار حاصل ہے۔(ردالمحتار)

کو سیاسی سزا پر محمول کیا جائے گا یا وہ منسوخ ہے۔

20/4884۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جو چادر چوری کیا تھا۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔میں نہیں سمجھتا کہ وہ چوری کیا ہے۔چور نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ (یعنی میں چوری کیا ہوں) آپ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور ہاتھ کاٹ دو9 داغ دو اور پھر اس کو میرے پاس لاؤ۔

اور پھر اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور داغ پھر آپ کی خدمت میں لایا گیا۔تو آپ نے فرمایا اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کر: تو اس نے کہا میں نے اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی نے تیری توبہ قبول کی۔(مستدرک،علی شرط مسلم)

21/4885۔امام بغوی نے شرح السنۃ میں سارق کے ہاتھ کاٹنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹو پھر اس کو داغ دو۔

(دار قطنی اور ااور عبدالرزاق اور دیگر محدثین نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے)

22/4886۔حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لا گیا تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں حکم فرمایا تو اس کی گردن میں اس کو لٹکا دیا گیا۔10 (ترمذی،ابوداؤد۔نسائی،ابن ماجہ)۔

اور امام نسائی نے کہا کہ اس کی سند میں راوی حجاج بن ارطاۃ ضعیف ہیں۔ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔اور شیخ ابن ہمام نے کہا ہے کہ ہمارے پاس یہ حکم امام کے لئے مطلق ہے

---

9 **قولہ: فاقطعوہ ثم احسموہ الخ** (ہاتھ کاٹ دو اور داغ دو) داغ دینا امام شافعی رحمۃ اللہ کے پاس مستحب ہے اور ہمارے پاس واجب ہے۔کیونکہ حدیث میں صیغہ امر ہونے کی بناء پر اس امر کا واجب ہونا ظاہر ہے۔جب کہ حقیقی معنی کے لئے کوئی مانع نہیں ہے،خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ ہاتھ کاٹ دینے کے بعد ویسے ہی چھوڑ دیا جائے تو یہ تلف ہوجانے کا موجب بنے گا۔حدود باز رکھنے کے لئے ہوتے ہیں تلف کرنے کے لئے نہیں ہوتے۔اور اس دوسری جہت سے بھی یہ واجب قرار پاتا ہے۔

10 **قولہ: فعلقت فی عنقه.** شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ چور کے ہاتھ کو اس کی گردن میں لٹکانا مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا ہے اور ہمارے پاس یہ حکم امام کے لئے اگر اس کی رائے ہو تو مطلق ہے کیونکہ ہر ہاتھ کاٹنے کے وقت اس طرح کا عمل حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہیں ہے کہ وہ سنت ہوجائے۔(درمختار،نیل الاوطار،ہدایہ)

اگر وہ مصلحت سمجھتا ہے تو کرسکتا ہے۔اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے اس شخص کے لئے جس کا ہاتھ کاٹا جائے اس طرح کا عمل ثابت نہیں ہے کہ وہ سنت ہوجائے۔

23/4887۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جب غلام چوری کرے 11 تو تم اس کو اگر چیکہ آدھی قیمت میں ہو فروخت کردو۔(ابوداؤدنسائی،ابن ماجہ)

24/4888۔حضرت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام بھاگ گیا اور اس حالت میں چوری کیا۔اس کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا کہ تیرا بھاگنا ہرگز تجھ کو اللہ تعالیٰ کی کسی حد سے نہیں بچائے گا۔ راوی نے کہا کہ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا 12 (سنن بیہقی) اور اسی معنی میں امام مالک سے روایت ہے۔

25/4889۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر کے پاس اپنے غلام کو لایا اور کہا اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا۔تو حضرت عمر نے فرمایا اس پر قطع کی سزا نہیں ہے۔ 13 کیونکہ یہ تمہارا خادم ہے اور تمہارا مال لیا ہے۔امام

---

11 قولہ: اذا سرق المملوک فبعه ولو بنش (جب غلام چوری کرے تو تم اس کو اگر چیکہ کہ آدھی قیمت میں ہو فروخت کردو) بذل المجھود میں ہے کہ مولانا محمد یحییٰ مرحوم نے اپنی تقریر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو اس باب میں لانے کا مقصد اس امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ امام کو اگر وہ مناسب سمجھتا ہے تو حد پر اضافہ کرنے کا حق حاصل ہے۔اور یہ تعزیر کہلاتا ہے۔مزید برآں نصف قیمت یا اس کے سوا ایسی چیز سے بیچنا جو اس کی قیمت کی برابر نہیں ہے تو اس کو عیب دار اور ذلیل کرنا ہے۔اور یہ اس کی گردن میں ہاتھ لٹکانے کی طرح سے ہے۔

12 قولہ: فقطعه (انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا) بحرالرائق،مرقات اور ہدایہ میں ہے جو غلام اپنے آقا اور اپنی مالکن کے شوہر کے سواء کسی اور کے پاس چوری کرے اس کا خواہ بھگوڑا ہو یا نہ ہو اس حدیث کی بناء پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لئے بھی کہ نص قرآنی ''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (الآیاۃ) نے غلام اور آزاد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔کیونکہ غلام کے لئے آزاد کی حد کا آدھا کرنا مشکل ہے۔پس لوگوں کے مال کی حفاظت کے لئے اس پر کامل حد جاری کی جائے گی۔امام اعظم ابوحنیفہ،امام مالک امام شافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

13 قولہ: لاقطع علیه. اس پر امام ہمام نے کہا ہے کہ جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چوری کرے یا غلام اپنے آقا کا یا مالکن کے شوہر کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔کیونکہ عام طور پر اس کو آنے جانے کی اجازت ہے اس لئے مال غیر محفوظ ہے۔(مرقات)۔

مالک نے اس کی روایت کی ہے اور امام محمد نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ میری بیوی کا آئینہ جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے اس نے چوری کیا ہے۔

26/4890۔ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو آپ اس کا ہاتھ کاٹ دئے تو صحابہ عرض کئے ہم نہیں سمجھتے تھے۔ کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ ایسا کرنے کا حکم فرمائیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (نسائی)

27/4891۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے کہ کفن چور پر [14] ہاتھ

---

14 قولہ: لیس علی النَّبَاشِ قطع: (کفن چور کا ہاتھ کاٹنا نہیں ہے) نون کے زبر کے ساتھ ہے۔ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کا کفن چوری کرنے میں ہاتھ کا نہ کاٹنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمھا اللہ تعالی کا مذہب ہے۔ خواہ وہ قبر کسی مقفل گھر میں ہو یا جنگل میں، خواہ قبر سے لیجانے والی چیز میت کا کفن ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز۔ حفاظت نہ پائے جانے کی وجہ سے کفن کی چوری، چوری نہیں کہلاتی۔ کیونکہ میت اپنے نفس کی حفاظت نہیں کرسکتی اور نہ قبر حفاظت کی جگہ ہے۔ اور کفن کی ملکیت میں بھی شبہ آگیا ہے اس لئے کہ میت کی درحقیق کوئی ملکیت نہیں ہوتی اور نہ وارث کی ملکیت ہے کیونکہ میت کی ضرورتیں مثلاً تجہیز و تکفین ورثہ کے حقوق پر مقدم ہیں (حواشی ہدایہ)

اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما کے قول سے جس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ کفن چور پر قطع ید نہیں ہے، اس کی تائید ہوتی ہے نیز ابن ابی شیبہ نے امام زہری کی روایت نقل کی ہے کہ مروان کے پاس کچھ لوگ لائے گئے جو کفن چور تھے تو اس نے ان کو پیٹا اور شہر بدر کردیا۔ اس وقت صحابہ بکثرت موجود تھے۔ عبدالرزاق نے اس کی تخریج کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ان کو گشت کرایا گیا۔ امام زہری سے ابن ابی شیبہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں ایک کفن چور پکڑا گیا۔ اور مراوان مدینہ کا گورنر تھا۔

اس نے صحابہ اور فقہاء سے جو موجود تھے دریافت کیا۔ تو سب کی رائے کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس کو ضرب لگائی جائے اور (شہر میں) گھمایا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے پاس کفن چور کے ہاتھ کو کاٹنا ضروری ہے اور اس مسئلہ میں۔ ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ ان سے مقدم ہیں کہ انہوں نے کفن چور کا ہاتھ کاٹا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التاریخ میں اس کی تخریج کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اس جیسی روایت ثابت ہے جس کی تخریج محدث عبدالرزاق نے کی ہے۔

اور یہ حدیث بھی ان دونوں کے موافق ہے۔ من نبش قطعناہ (جو کفن چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اما بیہقی نے مرفوعاً اس کی تخریج کی ہے۔ صاحب ہدایہ کا اس حدیث کی مرفوع ہونے سے انکار کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز حدیث "**لا قطع علی المختفی**" (کفن چور پر قطع ید نہیں ہے) کے الفاظ کے ساتھ اس کو صاحب ہدایہ کا مرفوع کہنا قابل التفات نہیں ہے۔

حضرت اما اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ "**من نبش قطعناہ**"......

کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ (ابن ابی شیبہ)

28/4892۔امام زہری سے ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک کفن چور پکڑا گیا۔ مروان مدینہ کا گورنر تھا۔ اس نے صحابہ اور فقہاء سے جو موجود تھے دریافت کیا، تو سب کی رائے کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس کو پیٹا جائے اور گھمایا جائے۔

اور محدث عبدالرزاق نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے۔

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ گھر کا قبر پر حقیقتاً یا حکماً اطلاق کئے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبر محفوظ جگہ ہو۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر سے کوئی چیز لے لے جس کو بند دروازہ نہ ہو اور نہ پہریدار ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

......کی حدیث شریف کی سند میں مجہول راوی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس کو سیاسی مصلحت پر محمول کیا گیا ہے نیز اس کی تائید ان بعض روایات سے ہوتی ہے جس میں اس کے بعد و من غرق غرقناہ (جو کسی کو ڈوبائے تو ہم اس کو ڈوبوئیں گے) کا اضافہ ہے۔ یعنی اگر سیاسی مصلحت ہو تو قطع کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں ایسی کوئی مرفوع حدیث جو سند کے اعتبار سے قابل حجت ہو نہیں ہے جس میں کفن چور کے ہاتھ کاٹنے یا نہ کاٹنے پر دلالت ہو۔

اس مسئلہ میں صحابہ علیہم الرضوان کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ کفن چوری دراصل چوری کی تعریف میں ہے یا نہیں؟ جس نے یہ سمجھا کہ وہ چوری ہے تو ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور جس نے یہ سمجھا کہ یہ چوری نہیں ہے کیونکہ اس میں مال کی حفاظت نہیں اور ملکیت بھی ثابت نہیں تو انھوں نے ہاتھ نہ کاٹنے کا فتوی دیا سوائے اس کے کہ وہاں کوئی سیاسی مصلحت ہو۔

جب تک صاحب شریعت (ﷺ) کی طرف سے کسی مضبوط سند سے کوئی حدیث ثابت نہ ہو جس سے اس کے خلاف استدلال کیا جاسکے حق بات اسی کے اطراف گھومتی رہے گی۔ یہاں ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ طر (جیب کترلینا) یعنی کسی بیدار آدمی کے مال کو جب کہ وہ اس کی حفاظت کا قصد کیا ہوا ہے۔ تھوڑی سی غفلت میں اڑا لینا یہ بھی چوری میں نہیں ہے جیسا کہ کفن چوری، چوری کی تعریف میں نہیں ہے۔ اس کے باوجود فقہا نے جیب کترے کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔ برخلاف کفن چور کے کہ اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس کا جواب علامہ ابن مالک نے شرح منار میں اور دوسرے علماء اصول نے تفصیل کے ساتھ دیا ہے کہ سرقہ کی آیت جس میں قطع ید کا حکم ہے سارق کے مفہوم میں تو واضح ہے۔ جیب کترا اور کفن چور کے بارے میں اس میں خفاء ہے اور جب ہم نے غور کیا کہ ان دونوں میں خفاء کی وجہ سے آیا کسی معنی کی زیادتی ہے یا کوئی نقصان و کمی ہے تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ جیب کترے کے بارے میں خفاء زیادتی کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کے معنی اگرچہ کہ چوری کے نہیں ہے مگر چوری سے بڑھ کر اس کا مفہوم ہے۔ کیونکہ چور چھپ کر چوری کرتا ہے اس کے برخلاف جیب کترا علانیہ تھوڑی سی غفلت میں اڑا لیتا ہے۔ اور کفن چور کے بارے میں خفاء کمی اور نقصان کی وجہ سے ہے کیونکہ کفن چوری کرنا سرقہ سے کم درجہ ہے۔ اسی لئے ہم جیب کترنے پر ہاتھ کاٹنے کو واجب قرار دئے ہیں۔ برخلاف کفن چور کے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ادنی کے لئے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے تو اعلی کے لئے بدرجہ اولی ہوگا۔ اس کا عکس نہیں ہوگا۔ (عمدۃ الرعایہ)۔

(2/170) بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُوْدِ
حدود میں سفارش کرنے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

"جَزَآءً بِمَا كَسَبَا". 1 (یہ ان دونوں کے عمل کی سزا ہے) (5،سورۃ المائدۃ، آیت نمبر:38)

1/4893۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت ہے کہ قریش کو ایک مخزومیہ خاتون کا معاملہ جو چوری کی تھی فکرمند کردیا تو وہ کہنے لگے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون گفتگو کرے گا۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اسامہ بن زید کے سوا جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں کون اس کی جرأت کرسکتا ہے۔ چنانچہ اسامہ نے آپ ﷺ سے گفتگو کی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ کی حد میں سفارش کرتے ہو۔ 2 پھر آپ ﷺ نے

---

1 قولہ: جزاء بما کسبا (یہ ان دونوں کے عمل کی سزا ہے) اس میں صراحت ہے کہ ہاتھ کاٹنا اس کی ساری حرکتوں کی سزا ہے۔ ہم یہ واضح کرچکے ہیں کہ لفظ جزاء میں کمال سزا کا ارشارہ ہے اگر ہم اس کے ساتھ ضمان واجب کریں گے تو ہاتھ کاٹنا اس کی ساری حرکتوں کی سزا نہیں رہے گی۔ اور نص سے ثابت شدہ حکم منسوخ ہوجائے گا۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چور پر اس کا ہاتھ کاٹے جانے کے بعد تاوان نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قطع ید ایک ایسی سزا ہے جو شبہات سے دفع ہوجاتی ہے۔ اور ضمان ایک جرمانہ ہے جو شبہات سے ثابت ہوتا ہے۔ کسی ایک کام کی وجہ سے دونوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے قصاص اور دیت ہے کہ دونوں جمع نہیں کئے جاسکتے۔ (مبسوط)۔

2: اَتَشَفَّعُ فِي حَدٍّمِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ...... الخ (کیا تم اللہ کی حد میں سفارش کرتے ہو) اس لئے حاکم کے پاس جب مقدمہ پیش ہوجائے تو کسی حد کے بارے میں سفارش جائز نہیں۔ اور لیکن مقدمہ حاکم کے پاس پیش ہونے اور اس کے پاس ثابت ہوجانے سے پہلے اس کو چھڑانے کے لئے مقدمہ پیش کرنے والے کے پاس سفارش کرسکتے ہیں اس لئے کہ ابھی تک حد کا وجوب ثابت نہیں ہوا ہے۔ اور حد کا وجوب محض کسی فعل کی وجہ سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ حدِّ امام ثابت ہونے سے واجب ہوتی ہے (فتح القدیر) اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ مقدمہ امام کے پاس پیش ہوکر ثابت ہونے سے پہلے تک سفارش جائز ہے۔ اور حموی سے اس کی صراحت آئی ہے۔ (درمختار، ردالمختار)

صاحب مرقات نے فرمایا اس حدیث کی بناء پر علماء کا اجماع ہے کہ حدود میں جب کہ مقدمہ حاکم کے پاس پہنچ جائے سفارش کرنا حرام ہے۔ اسی طرح سفارش قبول کرنا بھی حرام ہے اب رہا مقدمہ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے اکثر علماء نے اس کی اجازت دی ہے بشرطیکہ جس کے بارے میں سفارش کی جارہی ہے وہ لوگوں کے لئے باعث شر اور......

کھڑے ہوکر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا اس کے سوانہیں کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو جس چیز نے ہلاک کیا وہ یہ تھی کہ ان میں جب کوئی شریف (معزز آدمی) چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔اور جب کوئی ضعیف (کمزور آدمی) چوری کرتا تو اس پر حد کو جاری کردیتے تھے۔اللہ کی قسم اگر بفرض محال فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتیں تو میں ضرور ہاتھ کاٹ دیتا۔(متفق علیہ)

2/4894۔مسلم کی ایک روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مخزومیہ 3 خاتون لوگوں سے عاریتاً ساز وسامان لیتی پھر اس کا انکار کردیتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمائے تو اس کے گھر والے حضرت اسامہ کے پاس آئے اور ان سے گفتگو کئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں گفتگو کی۔اس کے بعد سابقہ حدیث کا مضمون ہے۔

3/4895۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں

......ایذاءرساں نہ ہو۔اب رہا وہ جرائم جس میں تعزیر واجب ہوتی ہے تو اس میں سفارش کرنا اور سفارش قبول کرنا مقدمہ خواہ حاکم کے پاس پیش ہوا ہو یا نہ ہو ہر حالت میں جائز ہے۔کیونکہ یہ جرائم ہلکے ہیں۔بلکہ جس کے بارے میں سفارش کی جارہی ہے اگر وہ ایذاءرساں نہیں ہے تو سفارش کرنا مستحب ہے۔(نووی)

3قولہ: **كانت امرأة مخزومية تستعير المتاع وتجحده ، فامر النبى صلى الله عليه وسلم بقطع يدها...... الخ** (ایک مخزومیہ خاتون لوگوں سے عاریتاً ساز وسامان لیتی پھر اس کا انکار کردیتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا)

مراد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ چوری میں کاٹا گیا۔اور ''عاریتاً'' کا ذکر اس عورت کی شناخت و پہچان کے لئے ہے وہ اس کے ہاتھ کے کاٹے جانے کا سبب نہیں ہے۔

اس کا ہاتھ کاٹا جانا تو چوری کی وجہ سے ہے،اور عاریت کے ساز وسامان کا انکار بھی اس کی پہچان کے لئے ہے۔ اور امام مسلم نے اس حدیث کی جو تمام سندیں بیان کی ہیں اس میں صراحت ہے کہ اس نے چوری کی تھی۔اور چوری کے سبب اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔تو اس روایت کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔تا کہ تمام روایتوں میں تطبیق ہو۔اور اس لئے بھی کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے و نیز ائمہ کی ایک جماعت نے اس روایت کو شاذ بتایا ہے۔کیونکہ یہ روایت جمہور راویوں کے مخالف ہے۔اور شاذ روایت پر عمل نہیں کیا جاتا۔علماء نے کہا ہے کہ اس روایت میں چوری کا ذکر نہیں کیا گیا ہے کیونکہ راوی کے پاس اس سے مقصود حدود میں سفارش کے روکنے کا ذکر کرنا ہے۔چوری کے متعلق خبر دینا نہیں ہے۔

جمہور علماء اور فقہاء امصار نے کہا ہے کہ عاریت کے انکار کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔اور انہوں نے اس حدیث کی ایسی ہی تاویل کی ہے جیسا کہ میں ذکر کیا ہوں۔امام احمد اور امام اسحاق فرماتے ہیں کہ اس میں ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔(امام طیبی اور امام نووی نے اس کا ذکر کیا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہوں کہ اللہ تعالی کے حدود میں سے کسی حد کے مقابل کسی کی سفارش حائل ہوجائے تو یقیناً اس نے اللہ تعالی کی مخالفت کی۔اور کسی باطل معاملہ میں جانتے ہوئے بھی جھگڑا کرے گا تو وہ ہمیشہ اللہ تعالی کی ناراضگی میں رہتا ہے۔تا آنکہ وہ اس سے کنارہ کش ہوجائے۔اور جو آدمی کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات کہے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالی اس کو پیپ وخون کے دلدل میں رکھے گا۔تا آنکہ وہ اپنی کہی ہوئی بات کو ترک کردے۔ (امام احمد،ابوداؤد)

4/4896۔امام بیہقی کی شعب الایمان میں روایت ہے کہ جو کوئی کسی ایسے مقدمہ میں مدد کرے جس کے حق یا باطل ہونے کو نہیں جانتا تو وہ اللہ تعالی کی ناراضگی میں ہے تا آنکہ وہ اس سے باز آجائے۔

5/4897۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !اس نے چوری کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس نے چوری کی ہے۔چور نے عرض کیا کیوں نہیں 4 یارسول

---

4 **قولہ: فقال السارق بلی یا رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ** (جن صاحب نے چوری کی تھی انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں چوری کیا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائے ان کو لے جاکر ہاتھ کاٹ دو یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔جب کہ وہ ایک مرتبہ اس کا اقرار کیا ہو اور اس میں وہ تمام قیود پائے جائیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔یہ امام ابوحنیفہ امام محمد امام مالک،امام شافعی اور اکثر علماء امت رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک ہے۔اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ اقرار سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔یہ قول امام احمد اور ابن ابی لیلی،امامؒ زفر اور ابن شبرمہ کا ہے۔اور یہ ابوامیہ مخزومی کی حدیث کی بناء پر ہے جس میں ایک سے زائد مرتبہ اقرار کے بعد کاٹا گیا۔

اور امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام طحاوی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے۔میں یہ ہے کہ اس کے ایک مرتبہ اقرار سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

ان دونوں حدیثوں میں جو تعارض واقع ہوا اس کے لئے تصحیح اور ترجیح کی ضرورت ہے بہتر بات یہ ہے کہ پہلی حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ پہلے اس نے صحابہ کے سامنے اعتراف کیا۔صحابہ اس کے اعتراف کی وجہ سے عرض کئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے چوری کی ہے۔یہ خبر کے طور پر ہے یہ گواہی کے طور پر نہیں۔اس سے دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا ہوجاتی ہے۔پس دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے لئے ایک سے زائد اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔(فتح القدیر،مرقات،شروح کنز)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں تو چوری کیا ہوں) تو آپ نے فرمایا اس کو لے جاؤ اور ہاتھ کاٹ کر داغ دو پھر اس کو میرے پاس لاؤ۔ اس کو لے جا کر ہاتھ کاٹا گیا اور داغ دے کر لایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر کی جناب میں توبہ کر تو اس نے عرض کیا میں اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے تیری توبہ قبول کیا۔ (طحاوی)

6/4898 ۔سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائے جب چور پر حد جاری کی جائے تو وہ تاوان 5 نہیں دے گا۔ (نسائی)

---

5 **قولہ: لا یُغرم صاحب السرقة اذا اقیم علیه الحد** (جب چور پر حد جاری کی جائے وہ تاوان نہیں دے گا) یعنی جب چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور چوری کی ہوئی چیز اس کے پاس موجود ہے تو وہ چیز مالک کو واپس کر دی جائے گی۔ اگر چیکہ اس کو بیچ دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا ہو کیونکہ اس کے مالک کی ملکیت باقی ہے اور وہ شئی ہلاک ہو جائے یا اس کو اس نے ہلاک کر دیا ہو دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں، اس کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔ جیسا کہ روایت سے ظاہر ہے اور یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اور یہ مشہور ہے۔ اور حسن بن زیاد کی روایت میں ہے کہ امام صاحب نے ہلاک کرنے کی صورت میں اس پر ضمان عائد کیا ہے البتہ وہ شئی خود ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان عائد نہیں کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں صورتوں میں ضمان دے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔ اب رہا مسروقہ سامان اگر وہ موجود ہے تو مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر موجود نہیں ہے خواہ وہ ہلاک ہو جائے یا ہلاک کر دیا گیا ہو ہمارے پاس اس کا ضمان نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے پاس اس کے ضمان کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ قطع ید اور ضمان (تاوان) دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ البتہ قطع ید اور مال کا واپس کرنا دونوں جمع ہو سکتے ہیں جب کہ مال موجود ہو کیونکہ وہ مال بندے کے حق کی حیثیت سے محفوظ تھا۔ جب اس کو چوری کیا جائے تو شارع نے اس پر حد کو واجب کیا ہے اور یہ شریعت کا حق ہے اور جنایت حق شرع میں ہوئی ہے پس اس کو چوری کرنے کی صورت میں یہ مال شریعت کے حق کی حیثیت سے محفوظ ہو گیا اس بندے کا حق باقی نہیں رہا۔ اس لئے ضمان واجب نہیں ہوگا اور اس کی مکمل سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کیا گیا تو ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ضمان جمع نہیں ہو سکتا اگر اس تقریر کو درست مان لیا جائے تو اس پر یہ اعتراض کہ اگر مال مسروقہ بعینہ موجود ہو تو بھی واپس نہیں کیا جانا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ مال صورتاً مشابہت کی وجہ سے واپس دلایا جائے گا نیز اس لئے کہ اس میں مال کی ملکیت باقی ہے اگر چہ کہ اس کی عصمت اللہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے مزید تفصیلات کے لئے اصول فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد "فاقطعوا" میں صرف......

7/4899 ۔دار قطنی کی ایک روایت میں ہے کہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹنے کے بعد اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

8/4900 ۔ بزار اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ چور پر حد جاری کرنے کے بعد اس کی چوری کا ضمان نہیں ہے۔

9/4901 ۔ابن جریر طبری نے تہذیب الآثار میں قابلِ استدلال سندِ متصل کے ساتھ اس کی روایت انہی سے (عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ) کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب چور پر حد جاری کی جائے اس پر تاوان نہیں ہے۔

...... ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے کیونکہ لفظ قطع ایک خاص معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔اس میں مال کا حق اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالی کی طرف منتقل ہونے میں کوئی دلالت نہیں ہے۔ پس تم لوگوں نے خاص پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''**لاغرم على السارق بعد ما قطعت يمينه**'' پر اضافہ کیا ہے۔حنفیہ کی طرف سے کتب اصول میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ مال مسروقہ کی عصمت بندے سے ختم ہوکر اللہ تعالی کی طرف اس کا منتقل ہوجانا ''فاقطعوا'' سے نہیں ہے بلکہ ''جزاء بما کسبا'' سے اس کو ثابت کئے ہیں، اس لئے کہ لفظ جزا کا جب عقوبات میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے بندے کے فعل کے مقابل میں اللہ تعالی کا حق مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ **جزا جزی یجزی** کا مصدر ہے **کفی و قضی** کے معنی میں ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع ید چوری کی کامل سزا ہے۔اور کامل سزا کامل جنایت کی ہوتی ہے۔اور جنایت کامل اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ حقوق اللہ میں کی گئی ہو اور حقوق اللہ میں کی جانے والی جنایت ہر اعتبار سے مکمل ہوتی ہے اور حقوق العباد میں جنایت، ایک جہت سے جنایت ہوتی ہے اور ایک جہت سے نہیں، اسی لئے اس کی عصمت کا اللہ تعالی کی طرف منتقل ہونا ضروری ہوگیا تا کہ وہ فی نفسہ حرام ہوجائے اور اگر مال کی عصمت بندے کی جہت سے باقی رہے تو وہ حرام بذاتہ نہیں ہوگا اور یہ سب ہم نے اللہ تعالی کے ارشاد میں لفظ جزا سے ثابت کیا ہے، تم جیسا سمجھتے ہو لفظ فاقطعوا سے یہ نہیں ہے۔ نیز ضمان واجب نہ ہونے پر کئی وجہ سے استدلال کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ چوری کرنے والے پر حد جاری کی جائے تو اس پر ضمان ادا کرنا نہیں ہے۔اور ضمان نہ ہونے کی روایت ابن سیرین، نخعی، شعبی عطا، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

صاحب بنایہ نے کہا ہے کہ یہی بات درست ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا**'' تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کئے کا بدلہ ہے اس آیت میں تاوان کا حکم نہیں دیا گیا ہے اگر تاوان دینا لازم ہوتا تو اس کا ذکر آتا تھا۔

اگر تم اعتراض کرو کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔امام دار قطنی نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں سعید بن ابراہیم راوی مجہول ہیں اور اس کی دیگر سندیں ان کی صحت سے ثابت نہیں ہیں۔ اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس میں احتمالات ہیں۔

1۔تاوان کی نفی سے عذاب آخرت کی نفی مراد ہو۔

2۔حد لگانے والے کی اجرت مراد ہو۔

3۔ضمان کی نفی جیسا کہ ابتداء اسلام میں تھا۔ان تمام احتمالات کے ساتھ تاوان کی نفی کے لئے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

اس کے جواب میں، میں کہتا ہوں کہ امام دارقطنی اپنے قول میں منفرد ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا جائے گا۔
اس حدیث شریف میں جو کچھ کلام کیا گیا ہے وہ سند پر ہے کہ مسور نے عبدالرحمٰن سے جو روایت کی ہے اس میں مسور کی عبدالرحمٰن بن عوف سے ملاقات ثابت نہیں۔اگر یہ بات ثابت ہوجائے تو یہ حدیث مرسل ہوجائے گی اور حدیث مرسل حجت ہے۔

علاوہ ازیں علامہ عینی نے بنایہ میں ذکر کیا ہے کہ ابن جریر طبری نے تہذیب الآثار میں قابل استدلال سند متصل کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے اور حضرت مسور اور ان کے والد دونوں امام بخاری کی شرط کے مطابق ہیں ثقات میں سے ابن حبان نے ان کے والد کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔

عبدالباقی نے نقل کیا ہے کہ امام زہری نے اس حدیث شریف کو سعید بن ابراہیم سے رویت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کہا کہ یہ مدینہ منورہ کے قاضی اور ثقہ وثبت ہیں۔

ہاتھ کاٹنے والے کی اجرت طاوان کا اطلاق کرنا خلاف ظاہر ہے نیز یہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں لفظ غرم کو نکرہ ذکر فرمایا ہے۔جو موضع نفی میں ہے اور نکرہ موضع نفی میں عام ہوتا ہے اس لئے یہ اپنے تمام اقسام کو شامل ہونا چاہئے۔

علامہ فقیہ ابواللیث نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔اس میں ضمان قضاءً نہیں ہے۔
لیکن دیانت واجب ہے اور یہ بات زیادہ مناسب ہے۔اور اسی پر فتوی ہے کیونکہ فتح القدیر اور مبسوط میں ہے ہشام نے محمد سے روایت کیا ہے کہ سارق سے ضمان قضاء ساقط ہوجائے گا کیونکہ دونوں میں مماثلت مشکل ہے لیکن دیانت ضمان کا دیا جائے گا۔اس لئے کہ چور کی طرف سے مالک کو نقصان پہنچا ہے۔
(ہدایہ، درمختار، ردالمحتار، شرح وقایہ، عمدہ الرعایۃ، بنایہ، شروح کنز، تفسیرات احمدیہ، مرقات)

(3/171) بَابُ حَدِّ الْخَمْرِ

شراب کی حد کا بیان

1/4902۔ثور بن زید دیلی سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ 1 نے شراب کے بارے میں مشورہ کیا جب کہ کوئی آدمی اس کو پیتا ہے تو سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس کو اسی (80) کوڑے لگائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو نشہ میں ہوتا ہے اور نشہ میں ہوتا ہے تو بے ہودہ بکواس کرتا ہے۔ اور جھوٹی تہمت لگا تا ہے یا اسی کے مثل فرمایا۔ راوی نے کہا کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ اس کو شراب کے بارے میں اسّی (80)

---

1 قولہ: ان عمر بن الخطاب استشار الخ (حضرت عمرؓ نے مشورہ کیا) تمام ائمہ کا شراب کی حرمت اور اس کی نجاست پر اجماع ہے اور یقیناً شراب کا کم یا زیادہ پینا ہر حالت میں سزا کا موجب ہے اور جو شخص اس کو حلال سمجھے اس کے کافر ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ اور اس کی حد بالاتفاق چالیس سے کم نہیں ہوتی۔

اختلاف صرف چالیس پر زیادتی میں ہے پس امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ (اس کی حد) تہمت کی حد کی طرح، اسی کوڑے ہے۔ تہمت کی حد قرآن سے ثابت ہے اور شراب کی حد اصل احادیث مرفوعہ سے ہے اور اس حد کی مقدار صحابہ کرام کے اتفاق سے ثابت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی حد چالیس ہے اور جو چالیس سے زیادہ ہے وہ بطور تعزیر ہے۔

اور امام کو سزا میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے جب کہ ان کا اجتھاد اس بات کا مقتضی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ خرقی نے اسی کو راجح قرار دیا اور ابن عبدالبر نے کہا کہ جمہور علماء سلف وخلف کے پاس شراب نوشی کی حد اسی کوڑے ہیں۔ اور یہ قول سفیان ثوری امام اوزاعی، امام اسحاق اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول ایسا ہی ہے و نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا۔ اور ان کی کوئی مخالفت نہیں کیا۔ تابعین کی جماعت کا اتفاق بھی اسی پر ہے۔

اور اس مسئلہ میں اختلاف ایسے شاذ کی طرح سے ہے جو جمہور کے مقابل میں مغلوب ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا ہے مسلمان جسے اچھا سمجھے وہ اللہ تعالی کے پاس بھی اچھا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنے اوپر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کرلو۔ حد آزاد آدمی سے متعلق ہے اب رہا غلام پس بالاتفاق اس پر اس کا نصف ہے اور علماء اس پر متفق ہیں کہ شُربِ خمر کی حد کوڑے سے لگائی جائے گی۔ سوائے اس روایت کہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ اس کی حد ہاتھوں سے چپلوں سے اور کپڑوں کے کناروں سے لگائی جائے گی۔ میں کہتا ہوں کہ حق جمہور کے ساتھ ہے کیونکہ کوڑے سے حد لگانے پر صحابہ علیہم الرضوان کا اتفاق ہے۔

(ماخوذ از: رحمۃ الامۃ، نیل الاوطار، عمدۃ الرعایۃ، مرقات، تعلیق مجد)

کوڑے لگائے۔(امام مالک نے اس کی روایت کی ہے)۔

2/4903۔دارقطنی ،نسائی اور حاکم نے سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے۔نیز حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

3/4904۔امام عبدالرزاق نے ایک دوسری سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے)

4/4905۔مسلم کی ایک روایت میں سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دو ٹہنیوں سے تقریباً چالیس مار مارے۔راوی نے کہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے شرابی کے ساتھ ایسا ہی کیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا دور آیا تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ تمام حدود میں سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہیں۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم فرمایا۔(مسلم)

5/4906۔امام احمد نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراب کی (حد) میں دو چپلوں سے چالیس مار مارے گئے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا دور آیا تو انہوں نے ہر چپل کی عوض ایک کوڑا مقرر کیا۔امام ترمذی نے اس کے ہم معنی روایت کی ہے اور اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

6/4907۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی 2ے بھتیجے کو لایا جو نشہ میں تھا اور اس کی عقل چلی گئی

2ےقولہ: اتاہ رجل بابن اخ لہ نشوان الخ جان لو کہ اس حدیث شریف میں کئی فائدے ہیں، منجملہ ان کے
1۔حد صرف حالت ہوش میں ہی قائم کی جائے گی۔اور نشہ والے کو افاقہ ہونے تک قید کیا جائے گا۔
2۔نشہ موجب حد نہیں ہے مگر جب اس کی عقل بالکلیہ طور پر چلی جائے اس طور پر کہ وہ آسمان وزمین میں فرق نہ کرے اس قدر نشہ کا اعتبار حد جاری کرنے میں ہے۔وضوء کو توڑنے میں نہیں خمر کے سوا دیگر نشہ آور شرابوں کی حرمت اور ان کے حدود کو جاری کرنے کے بارے میں بے ہودہ گوئی کرنے کا اعتبار ہے۔کیونکہ حدود کو دفع کرنے کے بارے میں حدیث شریف وارد ہے۔اس لئے حدود جاری کرنے میں احتیاط لازم ہے۔
یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔اور صاحبین کے قول میں حرمت اور وجوب حد دونوں کے بارے میں صرف بے ہودہ گوئی کا اعتبار ہے اور صاحبین کا قول ہی مختار اور اسی پر فتویٰ ہے۔اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کہ اس کی چال ڈھال، حرکات وسکنات اور ہاتھ پیر وغیرہ میں اس کا اثر ظاہر ہونے کا اعتبار ہے۔......

تھی، تو آپ نے اس کے متعلق حکم فرمایا، تو اس کو قید کرلیا گیا، یہاں تک کہ جب وہ ہوش میں آیا اور نشہ سے افاقہ پایا تو آپ نے کوڑا منگوایا اور اس کے سرے کی گرہ کو کاٹ دیا، پھر اس کو باریک کیا اور ایک جلاد کو بلا کر فرمایا کہ اس کی چمڑی پر کوڑا لگائے، اپنے ہاتھ کو اٹھاؤ، اور اپنے بازؤوں کو مت کھولو۔

راوی نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گننے لگے، یہاں تک کہ اس نے اسی (80) کوڑے مکمل کئے۔ پھر اس کا راستہ چھوڑ دیا گیا، اس کے بعد اس عمر رسیدہ آدمی نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! خدا کی قسم! وہ میرا بھتیجا ہے، اور اس کے سوا میرا کوئی لڑکا نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا: تو یتیم کی پرورش کرنے والا کس قدر برا چچا ہے، خدا کی قسم! بچپن میں تو نے اس کی اچھی تربیت نہیں کی، اور بڑے ہونے پر اس کی پردہ پوشی بھی نہیں کی۔

7/4908۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شراب پیئے تو تم اس کو کوڑے مارو اور اگر وہ چوتھی مرتبہ پیئے تو تم اس کو قتل کردو پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کو لایا گیا جو

......3۔ اس حدیث شریف میں منجملہ فوائد کے یہ ہے کہ حد صرف درہ یا ایسے کوڑے سے لگائی جائے گی جس کے سرے کی گرہ کاٹ دی گئی ہے۔ اور اس کو اس قدر کوٹ دیا جائے کہ وہ درہ بن جائے۔ ٹہنیوں اور چپلوں سے مارا نہیں جائے گا جیسا کہ شراب کی حرمت کی ابتدائی زمانہ میں تھا پھر یہ منسوخ ہوگیا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دورِ خلافت میں (40) کی تعداد اجماع سے منسوخ ہوکر (80) کوڑوں کی تعداد مقرر فرمائی۔

4۔ منجملہ فوائد کہ یہ ہے کہ کھلی چمڑی پر حد لگائی جائے گی کپڑوں کے اوپر سے نہیں۔

5۔ کوڑے لگانے میں جلاد اپنا ہاتھ اٹھائے گا۔

6۔ اس قدر نہیں اٹھائے گا کہ اس کے بازو اور بغل دکھائی دے۔

7۔ شراب کی حد اسی کوڑے ہے چالیس نہیں۔

8۔ سرپرست پر واجب ہے کہ چھوٹوں کو ادب سکھائے اور ان کے عادات واطوار کو درست کرے تا کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو۔

9۔ مسلمان کی پردہ پوشی کرنا مناسب ہے۔

چوتھی مرتبہ 3 شراب پیا تھا تو آپ نے اس کو مارا لیکن قتل نہیں کیا (ترمذی)۔

8/4909۔ابوداؤد بروایت قبیصہ بن ذویب۔

اس سے ثابت ہوا کہ چوتھی دفع شراب پینے کی پاداش میں قتل کرنا منسوخ ہوگیا۔اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ حکم بطور سیاست اب بھی باقی ہے اور یہ قول قابل ترجیح ہے۔

9/4910۔ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو زجر وتوبیخ کرو 4 اور اس سے لوگ یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے تو اللہ تعالی سے کیوں نہیں ڈرا اور اللہ سے کیوں نہیں خوف کھایا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء نہ کی۔اس کے بعد کسی نے اخزاک الله کہا یعنی اللہ تعالی تجھ کو رسوا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسا مت کہو تم اس پر شیطان کی مددمت کرو بلکہ یہ کہو کہ ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ'' اے پروردگار! تو اس کو بخش دے، اے پروردگار تو اس پر رحم فرما!۔

---

3 **قولہ: قد شرب في الرابعة فضربه ولم يقتله** یقیناً مسلمانوں نے شراب پینے کی حرمت پر اجماع کیا ہے اور شراب پینے والے پر خواہ تھوڑا پیئے یا زیادہ ہر حالت میں حد کے واجب ہونے پر بھی اجماع کیا۔

اس طرح انہوں نے اس بات پر بھی اجماع کیا کہ شراب پینے کی وجہ سے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اگر یہ عمل اس سے متعدد مرتبہ ہو۔

اس طرح امام ترمذی نے اس کے بارے میں ہوئے اجماع کو نقل کیا ہے۔

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہی قول امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔

اور قاضی نے ایک جماعت شاذہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مذکورہ حدیث کی بناء پر کہا کہ اس کو چار مرتبہ کوڑے مارنے کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔لیکن یہ قول باطل ہے اور صحابہ ان کے بعد والوں کی اس بات پر اجماع کے منافی ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔اگر چیکہ اس سے یہ عمل چار مرتبہ سے زائد ہو چوتھی مرتبہ قتل کرنے کا حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس کے منسوخ ہونے پر اجماع دلالت کر رہا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا منسوخ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے ''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے تین طریقوں میں کسی ایک طریقہ سے۔

1۔نفس کو نفس کے بدلے 2۔شادی شدہ زانی

3۔دین اسلام کو چھوڑنے اور جماعت سے الگ ہونے والا (مرتد) اور اس سلسلے میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ قتل کی سزا اگر سیاسی مصلحت ہو تو باقی ہے۔اور یہی بات زیادہ قابل ترجیح ہے۔(نووی، طحاوی)

4 **قولہ: ثم قال بكتوه الخ** پھر آپ نے فرمایا یعنی شراب کی حد کو نافذ کرنے کا حکم دینے کے بعد ''بکتوہ'' فرمایا یعنی اس کو زجر وتوبیخ کرو۔یہ لفظ تبکیت سے مشتق ہے اس کے معنی زجر وتوبیخ کرنا اور زبان سے اس کو عار دلانا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے برخلاف حکم اول (اسی کوڑے) کے کہ وہ واجب ہے۔(مرقات)

10/4911 ۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی شراب پی کر مدہوش ہوکر گیا راستے میں لڑکھڑاتے ہوئے ملا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جایا گیا اور حضرت عباس کے گھر کے مقابل پہنچا تو چھوٹ گیا اور حضرت عباس کے پاس جا کر ان سے چمٹ گیا تو انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرادئے اور فرمائے کیا اس نے ایسا کیا اس کے بارے 5 میں کسی چیز کا حکم نہیں فرمایا۔(ابوداؤد)

11/4912 ۔عبید بن عمیر نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو آدمی حد یا قصاص میں انتقال کر جائے تو اس کے لئے اس کے قتل کی کوئی دیت نہیں ہے 6۔

12/4913 ۔اسی کے ہم معنی ابن منذر نے ابوبکر سے روایت کی ہے۔

---

5 قولہ: ولم یأمر فیه بشئی اس کے بارے میں کسی چیز کا حکم نہیں فرمایا۔صاحب مرقات نے فرمایا کہ اس کے لئے کوئی حکم نہیں فرمائے ہوسکتا ہے۔

1۔اس بناپر ہو کہ اس پر حد ثابت نہیں ہوئی نہ اس کے اقرار سے اور نہ کسی عادل گواہوں سے اور اس سے راستہ میں لڑکھڑاتے ہوئے ملاقات ہوئی تو اس پر نشہ کا گمان کرلیا گیا۔پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ظاہر نہیں ہوئی تو آپ اس کو چھوڑ دئے۔

2۔اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس کے بارے میں اس لئے بھی کوئی حکم نہیں فرمایا کہ وہ راستہ میں لڑکھڑا رہا تھا یعنی اس کی چال اور اس کے حرکات اور اس کے ہاتھ پر نشہ کا اثر ظاہر ہو رہا تھا لیکن اس سے حد واجب نہیں ہوتی۔اور اگر اس کی کیفیت یہ ہوتی کہ اس کو کسی چیز کی شناخت نہیں ہوتی یہاں تک کہ زمین وآسمان کو نہ پہچانتا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورت میں اس کو نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اس پر حد جاری کرتے تھے۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

6 قولہ :فلادیة له الخ یعنی کوئی آدمی حد یا تعزیر میں انتقال کر جائے یعنی جس پر امام حد جاری کرے یا تعزیری سزادے اور وہ اس میں انتقال کر جائے تو اس کے خون کا کوئی تاوان نہیں۔

اور اس کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی نہ امام پر نہ جلاد پر نہ امام کے حکم سے تعزیری سزا دینے والے پر اور اس معاملہ میں شراب اور غیر شراب کی حد میں کوئی فرق نہیں۔اور یہ ہمارا،امام مالک اور امام احمد کا مذہب ہے برخلاف امام شافعی کے کیونکہ امام حد جاری کرنے اور تعزیر قائم کرنے پر مامور ہے۔اور مامور کے عمل کو سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا ہے۔اور اس کی مکمل بحث فتح القدیر اور تبیین میں ہے۔میں کہتا ہوں کہ اس حکم کی علت کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بات امام کے ساتھ خاص نہ ہو۔کیونکہ ہر مسلمان کے لئے ارتکاب گناہ کی حالت میں تعزیر قائم کرنے کا حکم ہے اور وہ منکر کو مٹانے پر مامور ہے۔مگر اس میں صرف اتنا فرق کیا جاسکتا ہے کہ یہ امام کے پاس اس مقدمہ کو پیش کرسکتا ہے ایسی صورت میں اس پر حد قائم کرنا متعین نہیں ہے۔برخلاف امام کے۔اس کو اچھی طرح سمجھو نیز یہ احادیث شریفہ بھی ہماری دلیل ہے۔(شرح وقایہ،عمدۃ الرعایہ،نیل الاوطار،ردالمحتار)

(4/172) بَابُ مَالَا یُدْعٰی عَلَی الْمَحْدُوْدِ

محدود پر بددعا نہ کرنے کا بیان

1/4914 ۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جن کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شراب نوشی کی (سزا میں) کوڑے لگوائے تھے۔ پھر ایک دن ان کو لایا گیا پھر آپ ﷺ نے کوڑے لگانے کا حکم فرمایا اور ان کو کوڑے لگائے گئے تو قوم میں سے ایک آدمی نے کہا اے اللہ تو اس پر لعنت کر ان کو کس قدر زیادہ لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر تم لعنت مت کرو۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔(بخاری)

2/4915 ۔اور امام بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آدمی جب واپس پلٹا تو قوم میں سے کسی نے کہا اللہ تجھے رسوا کرے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس طرح مت کہو، اس پر شیطان کی مددمت کرو۔

3/4916 ۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے۔اسلمی صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اپنے اوپر چار مرتبہ گواہی دئے کہ ایک خاتون سے فعل حرام کئے ہیں۔ ہر مرتبہ آپ ان سے منہ پھیر لئے تو پانچویں مرتبہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو دخول کیا ہے۔تو انہوں نے کہا ہاں۔ پھر آپ فرمائے کیا اس قدر رہا کہ تیرا (عضو) اس کے عضو میں چھپ گیا تو ان نے کہا، ہاں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں اور رسی کنویں میں چھپ جاتی ہے۔تو انہوں نے کہا: ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو زنا کو جانتا ہے۔تو انہوں نے کہا: ہاں میں نے اس کے ساتھ وہی فعل کیا ہے جو کوئی آدمی حلال طریقہ پر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس بات سے کیا چاہتا ہے۔تو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کریں۔اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اور اس کو رجم کردیا گیا۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو سنا ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا اللہ نے اس کے عیب کو چھپایا تھا لیکن وہ اپنے کو چھوڑا نہیں یہاں تک کہ کتے کی طرح رجم کردیا گیا۔پھر آپ ﷺ کچھ دیر چلے اور ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے جو اپنا پیر اوپر اٹھایا ہوا تھا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں اصحاب کہاں ہیں تو ان دونوں نے کہا ہم ہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کو کھاؤ۔ ان دونوں نے عرض کیا یا نبی اللہ ﷺ اس کو کون کھاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں نے اپنے بھائی کے بارے میں ابھی جو کچھ کہا وہ اس کو کھانے سے زیادہ سخت ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے بلاشبہ اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطہ لگا رہا ہے۔ (ابوداؤد)

4/4917۔ ان ہی سے روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نہیں جانتا 1 کہ حدود اہل کے لئے کفارہ ہیں یا نہیں (سنن بیہقی، حاکم) اور بزار نے اپنی سند میں

1 قولہ: **ما ادری الحدود کفارات لا ھلھا ام لا** (میں نہیں جانتا کہ حدود، اہل حدود کیلئے کفارہ ہیں یا نہیں) حد جاری کرنے کے بعد بغیر توبہ کے گناہوں سے پاک ہوجانے کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے بکثرت علماء کا مذہب یہی ہے۔ جن میں علماء شافعیہ بھی ہیں اور ہمارے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ حد جاری کرنے کے سبب گناہ سے پاک ہونا حد کے احکام میں سے نہیں ہے۔ حد جاری ہوجائے اور توبہ نہ کرے تو اس جرم کا گناہ ساقط نہیں ہوتا اور بغیر توبہ کے وہ اس گناہ سے پاک نہیں ہوگا۔ یعنی ہمارے پاس حد گناہ سے پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ توبہ گناہوں سے پاک کرنے والی ہے۔ اس پر استدلال انہیں احادیث سے ہے۔ اور ڈاکوؤں کی سزا سے متعلق آیت پر عمل کرتے ہوئے یہ حکم دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ .اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا. (سورۃ المائدۃ، آیت نمبر: 33/34)

یہ ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی ہے۔

اس آیت میں اسم اشارہ کا مشار الیہ ان کو قتل کرنا سولی پر چڑھانا یا ان کا زور توڑنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ان کے لئے دنیا وآخرت کا عذاب تیار کیا ہے اور آخرت کے عذاب کو توبہ کے ذریعہ ساقط فرمایا ہے۔ اور ''اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا'' سے استثناء بالاتفاق عذاب آخرت سے ہے کیونکہ توبہ سے دنیا میں حد ساقط نہیں ہوتی۔

لیکن وہ حدیث جس کو امام بخاری وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے: **ان من اصاب من هذه المعاصی شیئا فعوقب فی الدنیا فهو کفارة له الخ** جو کوئی ان معاصی میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اس کو دنیا میں اس کی سزا دی گئی ہو تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور کوئی ان میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اللہ اس کو چھپا دے پردہ ڈال دے تو اللہ کے حوالے ہے اگر وہ چاہے تو اس معاف کردے اور چاہے تو اس کو سزا دے۔ اس حدیث شریف کو توبہ کرنے کی صورت پر محمول کرنا ضروری ہے اور یہ ایک واضح بات ہے کہ اس کو مارنے یا سنگسار کرنے کے وقت وہ اپنے عمل کے بد کے سبب کا مزہ چکھنے کی وجہ سے توبہ کرتا ہی ہے۔ اس لئے اس حدیث کو توبہ کے ساتھ مقید کیا جائے گا تا کہ تمام دلائل میں تطبیق اور جمع ہوجائے۔

ظنی کا قطعی کے ساتھ تعارض ہو تو اس کو مقید کرنا متعین ہے برخلاف اس کے عکس کے فتح القدیر میں اسی طرح ہے اور امام زیلعی نے حد کے غیر مطہر ہونے یعنی حد کو جاری کرنا اس کو گناہ سے پاک نہیں کرتا اس پر امام زیلعی نے کافر پر حد لگانے سے استدلال کیا ہے کہ کافر پر بھی حد لگائی جاتی ہے لیکن اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ اس کو پاک نہیں کرتی۔ کتاب نہر میں ہماری واضح دلیل موجود ہے۔ (بحر رائق، عمدۃ الرعایہ، درمختار، ردالمحتار، عرف شذی)

اس کے ہم معنی روایت کی ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، حافظ نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی ہے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عبادہ سے متاخر ہیں اس لئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کا اعتبار کیا جائے گا۔

5/4918۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا تو انہوں نے (صحابہ نے) کہا یا رسول اللہ اس نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ وہ چوری کیا ہے تو چور نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ (میں نے چوری کی ہے) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو لے جا کر ہاتھ کاٹ دو اور اس کو داغ دو پھر اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔ انہوں (راوی) نے کہا کہ پس اس کو لے جا کر ہاتھ کاٹا گیا پھر داغ دیا گیا پھر اس کو لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ بزرگ و برتر کی جناب میں توبہ کر۔ تو اس نے کہا میں نے اللہ کی جناب میں توبہ کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تیری توبہ قبول کی۔ (طحاوی)

6/4919۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے ان کے بارے میں حکم فرمایا تو ان کا ہاتھ کاٹا گیا اور ان کو لایا گیا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے مغفرت طلب کر اور اس کی جناب میں توبہ کر تو انہوں نے کہا میں اللہ کی جناب میں استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعاء کرتے ہوئے) تین مرتبہ فرمایا اے اللہ تو ان کی توبہ قبول فرما۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گناہوں کا کفارہ حد نہیں ہے بلکہ اس کا کفارہ توبہ ہے۔

(5/173)بَابُ التَّعْزِيرِ 1

تادیبی سزاؤں کا بیان

1/4920 ۔نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوشخص کسی ایسے جرم میں جس کی سزا حد نہیں ہے حد کی سزا دے تو وہ زیادتی کرنے والوں

1قولہ: باب التعزیر (غیر مقررہ سزاؤں کا بیان) مقررہ سزاؤں کے بیان کے بعد غیر مقررہ سزاؤں کا ذکر کر رہے ہیں۔تعزیر کے معنی لغت میں تادیب کرنا خواہ مار کے ذریعہ ہو یا کسی اور طریقہ سے بھی ہوخواہ حد سے کم ہو یا زیادہ۔

شریعت میں تعزیر سے مراد کسی شرعاً ممنوعہ حرکت پر تادیبی سزا ہے۔

تعزیر اور حد میں فرق: نصاب الاحتساب اور تاتارخانیہ میں دونوں کے مابین مندرجہ ذیل دس وجوہ سے فرق بتایا گیا ہے۔

1۔''حد'' کی مقدار شریعت میں مقرر ہے اور تعزیر امام کی رائے کے حوالے ہے۔

2۔''حد'' شبہ کی وجہ سے دفع ہوجاتی ہے جب کہ تعزیر شبہ کے ساتھ بھی جاری ہوتی ہے۔

3۔''حد'' بچہ پر قائم نہیں کی جاتی ،تعزیر بچہ پر بھی جائز ہے۔

4۔''حد'' ذمی پر بھی جاری ہوتی ہے اور اس پر حد کا اطلاق ہوتا ہے اور ذمی کے ساتھ تادیبی کاروائی کو تعزیر نہیں کہا جاتا۔ بلکہ اس کو عقوبت (سزا) کہا جاتا ہے۔

5۔''حد'' کو صرف امام جاری کرسکتا ہے تعزیر کو قائم کرنے کی اجازت شوہر، آقا اور ہر اس آدمی کو ہے جو کسی کو برائی کرتے ہوئے پائے۔

6۔رجوع کر لینا حد میں اثر انداز ہوتا ہے تعزیر میں نہیں ہوتا۔

7۔''حد'' میں گواہوں سے پوچھ تاچھ کرنے تک مشہود علیہ کو قید کیا جاسکتا ہے۔تعزیر میں نہیں ہے۔

8۔''حد'' میں سفارش کرنا جائز نہیں،تعزیر میں جائز ہے۔

9۔طویل عرصہ گزر جانے سے حد ساقط ہوجاتی ہے۔البتہ تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔

10۔''حد'' کو معاف کرنے کا امام کو اختیار نہیں ہے۔ برخلاف تعزیر کے کہ وہ اس کو معاف کرسکتا ہے۔

''بحر رائق'' میں ہے کہ امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تعزیر ایسے گناہ کبیرہ میں ہوتی ہے جس میں حد مقرر نہیں ہے اور ہر اس آدمی پر ہے جو ایسی معصیت کا ارتکاب کرے جس میں مقررہ حد نہیں ہے۔اور اس کے حاکم کے پاس ثابت ہوجانے پر اس میں تعزیر واجب ہوتی ہے۔

سراجیہ میں ہے جو کسی شبہ میں وطی کرے تو اس پر تعزیر ہوگی۔ ذخیرہ میں ہے اگر وہ فعل ایسی جنس سے ہے جو موجب حد ہے مگر کسی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی تو انتہائی درجہ کی تعزیر کی جائے گی اور اگر وہ ایسی جنس سے ہے جو موجب حد نہیں ہے تو اس پر انتہائی درجہ کی تعزیر جاری نہیں ہوگی بلکہ اس کی تعزیر امام کی رائے کے حوالے رہے گی......

......اور نصاب الاحتساب میں ہے تعزیر حد کی طرح واجب ہے کیونکہ وہ ممنوع فعل کی جزاء ہے لہذا وہ واجب ہوگی۔ برخلاف تادیبی کاروائی کے وہ واجب نہیں بلکہ مباح ہے (عمدۃ الرعایۃ)۔

اور مرقات میں ہے ہمارے پاس ان امور میں جن میں تعزیر مشروع ہے اگر امام کی رائے بھی اس میں تعزیر کرنی ہے تو واجب ہے۔ اور یہی قول امام مالک اور امام احمد کا ہے اور امام شافعی رحمہم اللہ کے پاس تعزیر میں واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدم میں حاضر ہوکر عرض کیا میں نے ایک عورت کو دیکھا وطی سے ہٹ کر میری اس کے ساتھ ایک دوسری حرکت سرزد ہوگئی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تو ہمارے ساتھ نماز پڑھا تو اس نے عرض کیا ہاں تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ'' (11۔ سورۂ ہود، آیت نمبر: 114) بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ نیز آپ ﷺ نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان میں جو اچھے ہیں ان کو قبول کرو اور جو خطا کر جائیں تو تم ان کو درگزر کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے ان کی زمین کو سیراب کرنے سے متعلق جو فیصلہ فرمایا تھا اس کے بارے میں دوسرے آدمی نے جب اپنے مقصد کے مطابق یہ فیصلہ نہیں پایا تو کہنے لگا: آپ کا یہی فیصلہ اسی لئے ہے نا کہ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ تو آپ ﷺ غضب میں آئے مگر اس کو تعزیر نہیں کی۔ لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ جس تعزیر کے بارے میں نص آئی ہے مثلاً بیوی کی باندی سے یا مشترکہ باندی سے وطی کیا تو اس پر عمل (تعزیر) کرنا ضروری ہے۔ اور جس تعزیر کے بارے میں نص نہیں ہے۔ مگر امام یہ سمجھتا ہے کہ اپنی خواہشِ نفس سے ہٹ کر (واقعتاً) تعزیر کے بغیر وہ اس کام سے باز نہیں رہے گا تو امام پر اللہ کے حق کی خاطر حد کی طرح تعزیر کرنا واجب ہے۔ اور اگر بغیر تعزیر کے وہ باز آجائے گا تو تعزیر کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور اس حدیث شریف کو جس میں مرد کا عورت کے ساتھ نازیبا حرکت کرنے کا ذکر ہے اس کو محمول کیا جائے گا اس بات پر کہ اس نے باز آکر اور نادم ہوکر ہی آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تھا۔ کیونکہ اس کا ذکر کرنا صرف اس لئے تھا کہ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا اس کا کیا حکم ہے تا کہ وہ اس پر عمل کرے۔

اب رہا حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی پر تعزیر کو چھوڑ دیا اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے جو حقوقِ عباد میں سے ہے اور اس کو چھوڑ دینے کا آپ ﷺ کو حق حاصل ہے۔

کتاب رحمۃ الامہ میں (تعزیر سے متعلق) جو کچھ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعزیر ایسی معصیت پر ہوسکتی ہے جس کے لئے کوئی حد اور کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اب رہا یہ کہ جن امور میں تعزیر مشروع ہے تو کیا وہ اللہ کے حق کی طرح واجب ہے یا واجب نہیں ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس وہ جائز ہے واجب نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے پاس اگر اس کے ظن غالب میں ہے ان کی اصلاح بغیر ضرب و تعزیر کے نہیں ہوسکتی تو تعزیر واجب ہے اور اگر اس کے ظن غالب میں ہے کہ بغیر تعزیر کے بھی اصلاح ہوجائے گی تو تعزیر واجب نہیں ہے اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ اگر اس کا فعل مستحق تعزیر ہے تو تعزیر واجب ہے۔

میں سے ہے2۔(سنن بیہقی)۔

2/4921۔اوراس کی روایت امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں مرسلاً کی ہے۔

2قولہ: من بلغ حدا فی غیر حد فھو من المعتدین (جو شخص کسی ایسے جرم میں جس کی سزا حد نہیں ہے حد کی سزا دے تو وہ زیادتی کرنے والوں میں سے ہے)۔

یہ حدیث شریف اصل ہے تعزیر کے حدود سے کم ہونے کے بارے میں اور جب تعزیر کو حد کی مقدار تک نہیں پہنچا سکتے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے جو غلام کے حدِ قذف پر نظر کر کے جو سب سے کم حد ہے اس میں سے ایک کوڑا کم کر دیا اور فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ تعزیر (39) کوڑے ہوں گے۔اور یہی بات درست ہے کیونکہ جو کوئی آزاد کی حد کا اعتبار کرے گا تو وہ لازماً غلام کی حد کو پہنچ جائے گا۔اور حدیث شریف من بلغ حدا من غیر حد میں لفظ ''حَدٌّ'' جو نکرہ ہے اس کو ہر حد سے کم ہونا چاہئے اور یہ اس کے منافی ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ نے آزاد کے بارے میں ہمارے ہی قول کے مطابق فرمایا اور غلام کے بارے میں (19) کوڑے فرمایا کیونکہ ان کے پاس غلام کی حد (20) کوڑے ہے اور آزاد کی حد (40) کوڑے۔اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تعزیر میں آزاد کی حد کو سامنے رکھ کر اس میں سے ایک کوڑا کم کیا اور فرمایا کہ تعزیر (79) کوڑے ہوسکتی ہے اور امام زفرؒ کا بھی یہی قول ہے اور قیاس کے بھی مطابق ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ظاہر روایت میں (5) کوڑے کی کمی مروی ہے۔

جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے۔اور جو بات رائے (قیاس) سے معلوم نہیں ہوسکتی اس میں صحابی کی تقلید ضروری ہے لیکن علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت غریب ہے۔اور اس کی پوری بحث فتح میں ہے۔

اور حاوی قدسی میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا: غلام میں تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار انچالیس (39) کوڑے ہے اور آزاد کے بارے میں (75) کوڑے ہیں اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔بحر میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول قابلِ ترجیح ہے۔اور صاحب ردالمحتار نے فرمایا کہ وَبِہٖ نَأخُذُ سے مراد امام ابو یوسف سے مروی پہلی روایت کے مقابل میں دوسری روایت کا قابل ترجیح ہونا ہے۔کیونکہ یہ دوسری روایت ان کی ظاہر روایت سے ہے۔اس سے طرفین (امام اعظم اور امام محمدؒ) کے قول پر جو تمام متون میں ہے اور امام قاسمؒ نے ائمہ مذاہب سے اس کی تصحیح نقل کی ہے امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح لازم نہیں آتی اس لئے شارح علیہ الرحمۃ نے بحر رائق میں مذکورہ قول کی طرف اعتناء نہیں فرمایا اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ ہر فعل کو اس کی جنس سے قریب کیا جائے گا مثلاً لمس وقبلہ حدِ زنا سے اور شادی شدہ یا غیر شادی شدہ پر تہمت لگانے کو زنا سے ہٹ کر حد قذف سے۔بہر حال ہر ایک کو اس کی نوع کی طرف پھیرتے ہوئے اس کے ہم جنس سے قریب کیا جائے گا۔اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ تعزیر میں جرم کے چھوٹے بڑے ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔(زیلعی)

اور جیسا کہ قدوری میں ہے: کم از کم تعزیر تین کوڑے ہیں۔گویا ان کی رائے میں تین سے کم میں تعزیر نہیں ہوتی لیکن بات ایسی نہیں ہے بلکہ اشخاص کے اختلاف سے اس میں اختلاف ہوسکتا ہے۔اگر تین سے کم میں بھی مقصد......

......حاصل ہوسکتا ہے تو تعداد مقرر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسی لئے یہ قاضی کی رائے کے حوالے ہے وہ بقدرِ مصلحت جاری کرسکتا ہے جیسا کہ ہم اس کی تفصیل ذیل میں بیان کررہے ہیں اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالی کا یہی مذہب ہے۔ (زیلعی، ہدایہ)

صاحب فتح القدیر نے کہا ہے کہ اس (حاکم) کی رائے میں ایک کوڑے سے وہ باز آجاسکتا ہے تو اِسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ خلاصہ میں اس کی صراحت ہے کہ اگر اس کی رائے یہ ہے کہ انچالیس (39) سے کم میں وہ باز نہیں آسکتا تو ایسی صورت میں یہ اکثر مقدار واجب ہوجائے گی۔ اگر اس کی رائے یہ ہو کہ اس کو باز رکھنے کے لئے اکثر مقدار سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے تو اکثر مقدار میں اضافہ کرانے کے بجائے دوسری نوعیت کی سزا مثلاً قید وغیرہ سے اس کو بدل دیا جائے گا۔ اور عمدۃ الرعایہ میں ہے کہ تم اس بات کو جانو کہ تعزیر کے کئی اقسام ہیں:

(1) کبھی گدی پر تھپڑ مارنا، (2) کان مروڑنا، (3) قاضی کا اس کو سخت نگاہ سے دیکھنا (4) تہمت لگائے بغیر اس کو سخت سست کہنا، (5) گرفتار کرنا، (6) جلاوطن کرنا (7) قوت توڑ دینا، (8) قتل کرنا، (9) اور مار پیٹ وغیرہ کرنا۔

اور اگر قاضی کی رائے میں فی الحقیقت ضرب وزدن کرنے کی ضرورت ہے تو اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ سب سے کم سزا جو شرابی کی حد ہے (40) کوڑے ہے اس سے کم ہونا چاہئے۔ صاحب فتح القدیر نے اسی کو محقق قرار دیا ہے۔

اب رہا تعزیر میں کسی کو قتل کرنا تو علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کے چند مواقع ہیں جس میں سیاسی مصلحت کی بناء پر قتل کی سزا دینے کا امام کو حق حاصل ہے۔

1۔ متعدد مرتبہ چوری کرنا 2۔ متعدد مرتبہ کسی کا گلا دبانا

3۔ جادوگر جب کہ وہ متعدد مرتبہ جادو کا ارتکاب کرے۔

4۔ بے دین 5۔ لواطت کا عادی

6۔ جو کوئی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت میں نازیبا الفاظ بولے۔

7۔ ذمی کو اگر وہ حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام کی شان میں ایک سے زائد مرتبہ گستاخی کرے۔

اور فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو زنا کرتے ہوئے پائے تو وہ اس کو قتل کرسکتا ہے۔ اس جیسے اور بہت سے مواقع ہیں۔

خلاصہ اور ظہیر یہ میں صراحت ہے کہ تعزیر مال لے کر یا گھر کو جلا دینے وغیرہ کے ذریعہ سے بھی دی جاسکتی ہے۔

ہمارے اصحاب (حنفیہ) اور اصحاب شافعیہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حضرت ابو بردہ بن نیار کی حدیث شریف کہ دس کوڑوں سے زائد نہ مارے جائیں منسوخ ہے۔ اس کے نسخ کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ علیہم الرضوان اس کے خلاف عمل کئے ہیں اور اس میں کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ اور اس بات سے بھی استدلال کئے ہیں کہ یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ دس کوڑوں سے بھی زیادہ مارے ہیں۔ اور بعض متاخرین نے ابو بردہؓ کی دس کوڑوں سے کم کی حدیث پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم حکام کے سوا دوسروں کے لئے ہے مثلاً آقا اپنے غلام کو، شوہر اپنی بیوی کو، باپ اپنے بیٹے کو اگر تادیب کرنا چاہے جب کہ اس کا تعلق معصیت سے نہیں ہے جیسے والد اپنے چھوٹے بیٹے کو تربیت دیتا ہے تو ایسی صورت میں یہ دس کوڑوں سے زائد نہیں ماریں گے۔ (مرقات، ہدایہ، ردالمختار، عمدۃ الرعایہ، نیل الاوطار، عمدۃ القاری)

3/4922 ۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (کسی کو) مارے تو چہرہ (کو مارنے) سے بچے۔(ابوداؤد)

4/4923 ۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی شخص کو ''اے یہودی'' کہے 3 تو تم اس کو بیس (20) ضرب لگاؤ اور اگر ''اے مخنث'' کہے تو تم اس کو بیس (20) ضرب لگاؤ اور جو آدمی کسی محرم خاتون کے ساتھ (زنا کا) ارتکاب کرے تو اس کو قتل کردو۔ 4 (ترمذی)

اور یہ زجر کے لئے اور سیاسی مصلحت کے بطور ہے۔اور حکم تو اس کا دیگر زانیوں کی طرح ہے۔

5/4924 ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی آدمی کو اللہ کے راستہ میں (مال غنیمت میں) خیانت کرتے ہوئے پاؤ تو تم اس کا سامان جلادو۔ 5 اور اس کو مارو۔(ترمذی،ابوداؤد)۔امام ترمذی نے کہا کہ امام بخاری نے کہا ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (مال غنیمت) میں خیانت کرنے کے بارے میں ایک سے زائد احادیث مروی ہیں اور ان میں آپ ﷺ نے اس کے سامان کو جلادینے کا حکم نہیں فرمایا۔اور امام طحاوی نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث درجہ صحت میں ہو تو یہ اس وقت کا حکم ہے جب کہ مال کے ذریعہ سزا جائز تھی۔

---

3 **قولہ: اذا قال الرجل للرجُلِ یا یھودی فاضربوہ عشرین** (کوئی آدمی کسی کو اے یہودی کہے تو اس کو بیس کوڑے مارو)۔اس حدیث سے حضرت ابو بردہؓ کی حدیث منسوخ ہے۔کیونکہ اس میں یہ بات ثابت ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (تعزیر میں) دس سے بھی اضافہ کا حکم فرمائے ہیں۔(ماخوذ از لمعات) صاحب درمختار نے کا کہا کہ یا مخنث یا یہودی کہہ کر گالی دینے والے کو تعزیری سزادی جائے گی۔اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی کو ایسے اختیاری عمل کی طرف منسوب کرے جو شرعاً حرام ہے اور عرفاً عیب شمار کیا جاتا ہے تو ایسے شخص کو تعزیری سزادی جائے گی۔ورنہ نہیں۔(ابن کمال)

4 **قولہ: من وقع علی ذات محرم.** (جو آدمی کسی محرم خاتون کے ساتھ (زنا کا) ارتکاب کرے تو اس کو قتل کردو۔) کہا گیا کہ قتل کرنے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو (زنا کو) حلال سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے۔علامہ مظہرؒ نے فرمایا: امام احمد رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث کے مطابق حکم بیان کیا ہے۔اور دیگر علماء نے فرمایا: یہ قتل کا حکم بطور زجر کے بیان کیا گیا ہے، ورنہ اس کا حکم بھی دیگر زانیوں کی طرح ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہو تو رجم کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہو تو کوڑے لگائے جائیں گے۔(مرقات)

5 **قولہ: فأحرقوا متاعہ:** (تو تم اس کا سامان جلادو) صاحبِ ''عرف شذی'' نے کہا: اس باب میں وارد حدیث تو بطورِ تعزیر سامان جلانے پر دلالت کرتی ہے؛ لیکن ہماری عام کتب میں تعزیر بالمال کی نفی وارد ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ منسوخ ہے۔اور تعزیر بالمال کے جواز پر میں نے ''حاوی قدسی'' میں حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت پائی ہے۔انتہی۔صاحبِ ''خلاصہ'' اور ''فتاوی ظہیریہ'' نے تعزیر اور تادیبی کارروائی کے بطور مال لینے، گھر جلانے اور اس جیسی چیزوں کے جواز کی صراحت کی ہے۔

(6/174) بَابُ بَيَانِ الْخَمْرِ وَ وَعِيْدِ شَارِبِهَا

شراب اوراس کے پینے والے کے لئے وعید کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ . اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ، فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ .

ترجمہ: اے ایمان والو! [1] بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک اور شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو بلاشبہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوّے کے

---

[1] قوله : يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ (اے ایمان والو بلاشبہ شراب اور جوا الخ)
شراب کی حرمت کے اس میں سات دلائل ہیں۔

1۔''رِجْسٌ'' اللہ تعالی نے اس کو''رِجس'' فرمایا اور رجس کے معنی نجاست کے ہیں اور ہر نجاست حرام ہے۔

2۔اللہ تعالی کا یہ فرمانا کہ''وہ شیطان کے عمل سے ہے'' ہر وہ چیز جو شیطان کے عمل سے ہے حرام ہے۔

3۔اللہ تعالی کا قول''فَاجْتَنِبُوْهُ'' تم اس سے بچتے رہو اور جس چیز سے بچنے کا اللہ تعالی حکم فرمائے وہ چیز حرام ہے۔

4۔اللہ تعالی کا فرمانا''لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' تاکہ تم کامیاب ہو۔جس چیز سے بچنے پر کامیابی کی امید متعلق کی گئی ہو اس کا کرنا حرام ہے۔

5۔اللہ تعالی کا ارشاد''بلاشبہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے دلوں میں عداوت اور کینہ ڈالدے۔'' اور جو چیز مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور کینہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنے وہ حرام ہے۔

6۔اللہ تعالی کا ارشاد''وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ'' اور وہ تم کو اللہ تعالی کے ذکر اور نماز سے باز رکھے۔اور جس چیز کے ذریعہ شیطان مسلمانوں کو اللہ تعالی کے ذکر اور نماز سے باز رکھے وہ چیز حرام ہے۔

7۔اللہ تعالی کا ارشاد''کیا تم (اب بھی) باز آ ؤ گے (یا نہیں)۔

اس کے معنی''باز آجاؤ'' کے ہیں۔اور اللہ تعالی جس سے باز آنے کا اپنے بندوں کو حکم دے تو اس کا ارتکاب حرام ہے۔(کشاف)

میں کہتا ہوں۔اس میں آٹھویں دلیل بھی ہے وہ یہ کہ اس آیت میں اس کا (یعنی شراب کا) ذکر بتوں سے متصل آیا ہے جیسے ارشاد ہے''بلاشبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے''۔جس چیز کا ذکر کفر سے متصل ہو وہ کم از کم حرام تو ضرور ہوگی۔اسی لئے حدیث میں آیا ہے شرابی بت پرست کی طرح ہے اور یہ بھی ہے کہ شرابی لات وعزی کی پرستش کرنے والے کی طرح ہے۔(مرقات)

ذریعہ تمہارے دلوں میں عداوت اور کینہ ڈالدے اور تم کواللہ تعالی کی یاد اور نماز سے باز رکھے تو کیا تم (اب بھی) باز آ ؤ گے (یا نہیں) (5۔سورہ مائدہ، آیت نمبر:90، 91)

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ یوسف علیہ السلام سے ایک قیدی نے کہا اعصر 2 خمرا (سورہ یوسف) میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔

1/4925۔حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ مِنَ الْعِنَبِ خَمْرًا 3 خمرا (یقیناً انگور سے شراب ہے) اور میں تم کو ہر نشہ آور

---

2 قولہ: اَعْصِرُ خَمْرًا (میں شراب نچوڑ رہا ہوں) فقہاء نے کہا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شراب نچوڑی جانے والی چیز ہے بھگوئی جانے والی چیز (یعنی نبیذ بنائی جانے والی چیز) نہیں ہے۔(نیل الاوطار)

3 قولہ: اِنَّ مِنَ الْعِنَبِ خَمْرًا الخ (شراب انگور سے ہے) تم اس بات کو جانو کہ وہ تمام چیزیں جس سے شرابیں کشید کی جاتی ہیں چار ہیں۔

1۔انگور 2۔کھجور 3۔کشمش 4۔دیگر غلہ جیسے گیہوں، جو اور مکئی

پھر اس پانی کی جو ان اجناس سے کشید کیا جائے گا دو حالتیں ہیں (1) کچا (2) پکایا ہوا

پھر پکائے ہوئے کی دو قسمیں ہیں۔

1۔اتنا پکایا گیا ہو کہ اس کا دو تہائی اُڑ جائے اور ایک تہائی باقی رہے۔

2۔ایک تہائی اڑ جائے دو تہائی رہے یا نصف اڑ جائے نصف رہے۔

اور ان اجناس سے کشید کئے جانے والے پانی کے بھی تین قسم ہیں۔

1۔میٹھا 2۔قارص (ترش و تیز) 3 کڑوا

انگور سے بنائی جانے والی چیزیں پانچ ہیں۔

1۔خمر (شراب) انگور کا کچا پانی جب اس میں جوش آ جائے اور وہ تیز ہو اور جھاگ آ جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔اور صاحبین کے پاس جب تیز ہو جائے تو بغیر جھاگ کے ہی وہ (خمر) شراب بن جاتا ہے۔اور ائمہ ثلاثہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جوش کا آنا تیزی ہے اور اس میں کمال جھاگ آنے اور جوش کے تھم جانے سے ہے کیونکہ اس سے شراب خالص کی مکدر سے تمیز ہوتی ہے۔اور شریعت کے احکام قطعی ہیں۔اور وہ انتہائی حد پر متعلق ہوتے ہیں۔جیسے حدود، اور حرام کو حلال جاننے والے کو کافر قرار دینا اور اس کے متعلقہ احکام ہیں۔تو اس کی (یعنی ایسی شراب کی) تھوڑی اور زیادہ مقدار سب حرام ہے۔

2۔باذق: وہ ہے جس کو تھوڑا سا پکایا گیا ہو تو اس کا یہ میٹھا پانی حلال ہے اور جب اس میں جوش آ جائے اور وہ تیز ہو جائے تو حرام ہے۔......

......**3۔منصف**: وہ ہے جس کو اس قدر پکایا جائے کہ وہ آدھا رہ جائے۔اس کا حکم بھی باذوق کے حکم کی طرح ہے۔

4۔مثلّث: وہ ہے جس کو اس قدر پکایا گیا ہو کہ دو تہائی چلے جائے اور ایک تہائی رہ جائے تو یہ حلال ہے اگر چہکہ اس میں جوش آئے اور تیز ہو جائے۔اور یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے پاس ہے۔

اور امام محمد امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے پاس اس کی تھوڑی مقدار اور زیادہ سب حرام ہے۔اور یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ اس سے قوت حاصل کرنا مقصود ہے۔اور اگر اس سے خواہش نفس (مشغلہ) مقصود ہو تو بالاتفاق یہ حلال نہیں ہے اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے شیخین کے مثل ایک قول مروی ہے۔اور ایک قول میں وہ اس کو مکروہ قرار دئے ہیں۔اور ایک قول میں ان سے توقف ثابت ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ میں اس کو نہ حرام قرار دیتا ہوں اور نہ جائز قرار دیتا ہوں۔

5۔جمہوری: پانچویں قسم جمہوری وہ انگور کا شیرہ ہے جب اس پر پانی ڈالدیا جائے اور اس قدر پکایا جائے کہ اس کا ایک تہائی اڑ جائے اور دو تہائی باقی رہے۔اس کا حکم باذوق کے حکم کی طرح ہے۔

کشمش سے بنائی جانے والی شراب کی دو قسمیں ہیں۔1۔نقیع 2۔نبیذ

1۔پہلی یعنی نقیع یہ ہے کہ اس کو پانی میں ڈال کر اس قدر چھوڑ دیا جائے کہ پانی میں اس کی مٹھاس آجائے اس کا حکم باذق کے حکم کی طرح ہے (حلال ہے)۔

اور دوسری یعنی نبیذ کشمش کا وہ پانی ہے جس کو تھوڑا سا پکایا جائے اس کا حکم مثلث کے حکم کی طرح ہے۔

کھجور سے بنائی جانے والی شراب: اس کی تین قسمیں ہیں۔

1۔سکر 2۔فضیخ 3۔نبیذ

1۔سکر: (ک،حرکت کے ساتھ) پکے کھجور سے بنائی جانے والی شراب۔

2۔فضیخ: گدرے کھجور سے بنائی جانے والی شراب اس کا حکم باذق شراب کے حکم کی طرح سے ہے۔

3۔نبیذ: پکے اور گدرے دم دار کھجور کے پانی سے بنایا جانے والا شیرہ جب اس کو تھوڑا پکایا جائے، اس کا حکم ''مثلث'' کا حکم ہے۔

شہد، آلو بخارا، شہتوت، مکئی اور گیہوں سے بنائی جانے والی شراب بھی مثلث کی طرح سے ہے۔

آپ کو یہ بات بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ خمر کے حقیقی معنی ائمہ لغت کے پاس بالاتفاق حقیقت میں انگور کے پانی کی کچی شراب کے ہیں جب اس میں سکر (یعنی نشہ) آجائے۔یہاں تک کہ لفظ خمر کا استعمال اسی معنی میں مشہور ہو گیا ہے اس کے سوا مختلف ناموں کے ساتھ اس کو مجاً خمر موسوم کیا گیا ہے۔اور یہ ہمارے (حنفیہ) کے پاس ہے۔امام شافعی اور دیگر ائمہ نے فرمایا کہ ''خمر'' ہر نشہ آور چیز کا نام ہے کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گیہوں سے خمر ہے اور جو سے خمر ہے۔اور کشمش سے خمر ہے اور کھجور سے خمر ہے اور شہد سے خمر ہے۔......

......سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خمر کھجور اور انگور کے ان دو درختوں سے ہے۔ اور ''خمر'' کا نام اس کے عقل کو ڈھانک دینے کی وجہ سے خمر رکھا گیا ہے۔ اور ہر نشہ آور چیز عقل کو ڈھانک دیتی ہے۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ لفظ ''خمر'' حقیقت میں انگور کے پانی کی کچی شراب کا نام ہے جب کہ وہ نشہ آور ہو جائے۔ اور اس کے سواء دوسری شرابوں میں سے ہر ایک کے لئے الگ نام ہے۔ جیسے مثلث، باذق، طلاء اور منصف اور سکر وغیرہ ان دوسری شرابوں پر خمر کا اطلاق مجازاً اور فریق مقابل (دیگر ائمہ) کی احادیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ اس باب کی مذکورہ احادیث اسی کی تائید کرتی ہیں۔ کیونکہ اس باب کی احادیث میں بھی جو نشہ آور شراب ہے وہ خمر کے علاوہ ہے۔ کیونکہ عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ ''خمر کھجور اور انگور کے ان دو درختوں سے ہے'' ہمارے پاس اس کی بہت سی تاویلات ہیں۔

1۔ اس حدیث شریف اور اسی جیسی دوسری احادیث شریفہ میں اس کے حکم کو یعنی حرمت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ حقیقت کا بیان مقصود نہیں ہے کیونکہ یہی بات منصب رسالت کے مناسب ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام بیان کرنے کے لئے معبوث ہوئے ہیں حقائق بیان کرنے کے لئے نہیں کہ آپ اس طرح فرمائیں کہ یہ پتھر ہے اور یہ درخت ہے کیونکہ افراد انسانی میں سے ہر ایک اس کو جانتا ہے۔

2۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''ان دو درختوں سے'' ان دونوں میں ایک مراد ہے جیسے اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے ''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ'' (اے جن وانس کی جماعت کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے) (سورۃ الانعام، 6، آیت نمبر: 130) رسول انسانوں میں سے ہوئے جنات میں سے نہیں اور اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ''یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ'' (ان دونوں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں) (سورۂ رحمٰن، 55، آیت نمبر: 22) حالانکہ وہ تو صرف ان دو میں سے ایک سے نکلتے ہیں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصود یہ ہے کہ خمر انگور ہی سے ہے کھجور سے نہیں۔

3۔ دونوں درخت مراد ہوں اور ان میں کا جو بھی (عقل کو) ڈھانک دے وہ خمر ہے۔

4۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خمر ان دو درختوں سے ہے اگر چہ کہ وہ مختلف ہیں۔ لیکن عنب (انگور کی شراب) سے خمر کا حقیقی مراد مفہوم ہے اور اسی لئے اس کا نام خمر رکھا گیا ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، نشہ لائے یا نہ لائے اور کھجور کی شراب نشہ آور ہے۔ پس کھجور (کا جو پانی) نشہ آور نہ ہو وہ اس میں داخل نہیں اور یہ بات انگور کے سوا ہر اس چیز میں ہے جس پر خمر کا اطلاق کیا گیا۔

اگر تم یہ کہو کہ ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو اس پر خمر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کیا تم عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث نہیں دیکھتے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' ......

......تو میں کہتا ہوں اس حدیث شریف اوراس جیسی جواحادیث آئی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کوسُکر (نشہ) پائے جانے کی حالت میں خمر کہا جاتا ہے۔نشہ نہ ہونے کی صورت میں نہیں۔

برخلاف انگور کے پانی کے جوتیز ہوگیا ہے تو وہ ہر حالت میں خمر ہے خواہ وہ نشہ لائے یا نہ لائے اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ''**الخمر ماخامر العقل**'' خمر وہ ہے جوعقل کوڈھانک دے۔اس کے عقل کوڈھانکنے کی صورت میں اس کا نام خمر رکھا گیا ہے۔ برخلاف انگور کے پانی کے جوتیز ہوجائے۔

اگر تم یہ کہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی ان کے پاس پہنچے کہ خمر (شراب) حرام کردی جاچکی ہے تو وہ رک گئے اور انہوں نے مٹکوں کوتوڑ دیا اوراس سے انکار نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ ہم فضیح پی رہے ہیں بلکہ وہ اس سے رک گئے۔اگر وہ ان کے پاس خمر نہ ہوتی تو اس سے نہ رکتے تو اس میں یہ کہتا ہوں کہ جوفضیح وہ اس وقت پی رہے تھے وہ نشہ آور تھی اور نشہ آور پرخمر کے نام کا اطلاق کیا جاتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ عقل کوڈھانک دیتی ہے۔کیونکہ خمر حقیقتاً انگور کی وہ کچی شراب ہے جوتیز ہوجائے اوراس شراب کے تھوڑے حصہ پر بھی حد متعلق ہوتی ہے۔انگور کے سوا دوسری اور شرابوں سے جب تک کہ وہ نشہ آور نہ ہوں حد متعلق نہیں ہوتی۔

اور ہمارا کہنا کہ ''خمر صرف عنب سے ہے'' صحابہؓ کے اس قول کے خلاف نہیں کہ ''خمر پانچ چیزوں سے ہے'' اوران کی فصاحت (حسن تعبیر) ہمارے قول کے لئے مضر نہیں ہے۔کیونکہ وہ اپنے کلام میں حقیقت ومجاز کوجمع کئے ہیں جوعین فصاحت ہے۔صحابہؓ کے کلام سے ان دونوں کے درمیان وہی آدمی فرق کرسکتا ہے جس کوکلام کی باریکیوں کے ادراک کا ذوق ہے۔یعنی صحابہ علیھم الرضوان نے غیر انگور کے شیرہ پرخمر کا جواطلاق کیا ہے تو وہ لغت کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ تسمیہ کے طور پر یعنی (کسی چیز کا نام رکھنے کے طریقے پر ہے)۔اور نام رکھنا یہ وضع سے ہٹ کر ہوتا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں اوران کا یہ نام رکھنا تشبیہ اور مجاز کے باب سے ہے حقیقت سے نہیں۔اس کے سوانہیں کہ انھوں نے کھجور اور رطب سے بنائے ہوئے شیرہ کو بہادیا کیونکہ وہ اس وقت نشہ آور تھا۔اس کے نشہ لانے کی وجہ سے اس کوخمر کہا گیا وہ کہ وضع لغوی اعتبار سے۔جس وقت ان کوخمر کے حرام ہونے کی اطلاع ملی اس وقت وہ نشہ آور تھی اس کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جن کوابوعاصم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جس وقت ان کے سرڈھلک گئے تو ایک صاحب آئے اورانہوں نے کہا کہ خمر حرام کردی گئی۔انھوں نے کہا کہ ہم میں سے کوئی نکلنے والا نہیں نکلا اور کوئی داخل ہونے والا داخل نہیں ہوا یہاں تک کہ ہم نے گھڑے توڑ دئے اور شراب کو بہادیا۔(الحدیث)

اگر وہ غیر مُسکر ہوتی وہ یہ عمل نہ کرتے۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ابوعبیدہ بن جراح، سہیل بن بیضاء، ابی کعب رضی اللہ عنھم، یہ حضرات ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور میں ان کوشراب پلارہا تھا یہاں تک کہ وہ ان میں اثر کرنے کوتھی۔(الحدیث) اوراس حدیث کے اخیر میں یہ ہے کہ گدرے اور پکے کھجور تھے۔اور وہ ان دونوں ہماری خمر یعنی شراب تھی۔اوراس کوامام احمد نے روایت کیا ہے۔اوراس میں یہ الفاظ ہیں ''**حتی کاد الشراب ان یاخذ فیھم**'' یہاں تک کہ شراب ان میں اثر کرنے کوتھی۔اور......

چیز سے منع کرتا ہوں۔(طحاوی)۔

2/4926۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے مروی ہے کہ خمر (شراب) فی نفسہ حرام کردی گئی ہے اور دیگر مشروبات میں سے نشہ آور چیز حرام کردی گئی ہے (طحاوی)۔

طبرانی اور دارقطنی کی روایت میں اسی طرح ہے۔

3/4927۔اور امام نسائی چند طرق سے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کئے ہیں کہ خمر تھوڑی ہو یا زیادہ حرام کردی گئی ہے اور دیگر مشروبات میں سے نشہ آور چیز حرام کردی گئی ہے۔

4/4928۔اور ایک روایت میں ہے کہ شراب فی نفسہ تھوڑی ہو یا زیادہ سب حرام کردی گئی ہے اور دیگر مشروبات میں ہر وہ چیز جو نشہ آور ہے (حرام کردی گئی ہے)۔

5/4929۔ایک اور روایت میں ہے: شراب تھوڑی ہو یا زیادہ اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔اور امام بزار کی روایت اسی کے ہم معنی ہے۔

اور ہمارے اصحاب (احناف) نے کہا ہے: ان احادیث میں ''ہر قسم کے نشہ آور مشروب'' سے مراد خمر کے ماسوا ہے کیونکہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔

......امام کی ایک روایت یہ ہے ''حتی اسرعت فیھم'' (یہاں تک کہ شراب تیزی سے ان میں اثر کرگئی)۔پس یہ حدیث ببانگ دہل یہ اعلان کررہی ہے کہ ان کی شراب ان دنوں میں نشہ آور تھی۔اور جب ان کو شراب کے حرام کردئے جانے کی خبر پہنچی تو انھوں نے پینا چھوڑ دیا۔اور جو کچھ بچی تھی اس کو بہادیا۔

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خمر کو عقل ڈھانک دینے کے مفہوم کی وجہ سے اس کا نام خمر رکھا گیا ہے تو بھی یہ بات اس چیز پر دلالت نہیں کرتی کہ عقل کو ڈھانکنے والی ہر چیز کو خمر کہا جائے گا۔کیا تم نہیں جانتے اس بات کو کہ اس گھوڑے کو جس کے دو جانب میں سے ایک سفید اور دوسرا کالا ہو تو اس کا نام ابلق رکھا جاتا ہے، پھر وہ کپڑا جس میں کالا اور سفید رنگ جمع ہوجائے تو اس کو یہ نام نہیں دیا جاتا۔اسی طرح نجم کو نجم اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں ''نجم'' یعنی ظاہر ہوا اور یہ ایک ستارہ کا نام ہے جو ثریا سے مشہور ہے اور یہ ہر ظاہر ہونے والی چیز کے لئے عام نہیں ہے اور اس کے بہت نظائر ہیں جیسے قارورہ ہے۔یہ قرار سے مشتق ہے اور ہر اس چیز کا نام نہیں ہے جس میں کوئی چیز قرار پاتی ہے۔بلکہ اہل لغت سے یہ منقول ہے کہ خمر عنب سے ہوتی ہے اور عنب کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی جانے والی چیز کا نام خمرہ حقیقتاً نہیں ہے بلکہ مجازا ہے۔(ماخوذ از عقود الجواہر، ہدایہ، شروح کنز، عمدۃ القاری، مبسوط)

6/4930۔ محدث عبدالرزاق نے عمدہ سند سے ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے کہا ''اب رہا خمر تو'' حرام ہے اس کے لئے کوئی راستہ نہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مشروبات میں سے ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

7/4931۔ انہی سے ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر سے، جوے سے، نرد سے اور غبیراء شراب سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ آور حرام ہے۔ (ابوداؤد)

8/4932۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے شراب پر اور اس کے پینے پلانے والے پر اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدار پر اور اس کو کشید کرنے اور کشید کرانے والے پر اور اس کو لے جانے والے پر اور اس پر جس کی خاطر لے جائی جائے (ابوداؤد، ابن ماجہ)

9/4933۔ ایک روایت میں ہے جو آدمی دنیا میں شراب پیئے اور اس حال میں مرے کہ وہ اس کا عادی رہا ہو اور توبہ نہ کیا ہو تو آخرت میں وہ اس کو نہیں پیئے گا۔ (مسلم شریف)

10/4934۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور لانے والی چیز سے منع فرمایا[4]۔ ابوداؤد

11/4935۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ چیز جس کا کثیر[5] نشہ آور ہو تو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

---

[4] قولہ: نهٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کل مسکر و مفتر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہر نشہ آور اور فتور لانے والی چیز سے) طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس حدیث سے بھنگ اور شعشاء (شراب کا نام) اور ان جیسی دوسری چیزوں سے جو فتور پیدا کر دیتی اور عقل کو زائل کرتی ہیں ان کے حرام ہونے پر استدلال کیا جانا بعید نہیں۔ کیونکہ (حرمت کی) علت ازالہ عقل ہے اور وہ اس میں پائی جاتی ہے (مرقات)

[5] قولہ: ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام (وہ چیز جس کا کثیر نشہ آور ہو تو اس کا قلیل بھی حرام ہے) تم اس بات کو جانو کہ خمر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس انگور کا شیرہ ہے جب اس میں جوش اور تیزی اور جھاگ آ جائے پس اس کے احکام دس ہیں۔ جو ہدایہ میں مذکور ہیں۔

اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔ اور وہ نجاست غلیظہ ہے اور اس کا قلیل و کثیر حرام ہے اور اس کے پینے والے پر......

......حد لگے گی چاہے نشہ آئے یا نہ آئے۔

اس کے سوا تین اور شرابیں ہیں کہ جب ان میں جوش آ جائے اور وہ تیز ہو جائیں تو ان قلیل و کثیر حرام ہے ورنہ بالاتفاق وہ حرام نہیں ہیں۔

اور ایک روایت میں وہ نجاست خفیفہ ہے امام سرخسیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور ایک روایت میں نجاست غلیظہ ہے جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے۔

ان ہی (تین شرابوں) میں ایک طلاء ہے اور وہ انگور کا پکایا ہوا شیرہ ہے جس کا دو تہائی حصہ باقی رہے اور تیز ہو جائے۔ اور خمر غیر پکایا ہوا ہوتا ہے طلاء کی اس کے سوا ایک دوسری تفسیر بھی ہے۔

دوسری قسم سَکَر ہے اور تیسری قسم نقیع ہے۔ یہ تینوں کو اور خمر کو ملا کر اشربہ اربعہ (چار قسم کی شرابیں) کہا جاتا ہے اور ان کا قلیل و کثیر سب حرام ہے اور خمر کا لفظ ان چاروں میں صرف پہلی قسم پر بولا جاتا ہے۔

اب رہا ان کے سوا نبیذ تو غلے، پھل اور شیرہ ہر چیز سے بنایا جاتا ہے اور ان قسموں کو نبیذ کہتے ہیں۔ اور جب ان میں جوش آ جائے اور یہ تیز ہو جائیں تو ان کا حکم بھی مذکورہ شرابوں کا حکم ہے اور ان کی قلیل مقدار یعنی اتنی مقدار جو نشہ آور نہ ہو وہ حلال ہے بشرطیکہ عبادت پر قوت حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔ اور لہو و لذت کے لئے ہو تو حرام ہے۔ اور ان کی کثیر مقدار یعنی اتنی مقدار جو نشہ آور ہے وہ حرام ہے اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور اس میں آپ کے ساتھ وکیع بن جراح اور سفیان ثوری بھی ہیں۔ لیکن سفیان شاید اس سے رجوع کر لئے ہیں۔

ہدایہ میں تمام امور میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق اوزاعی سے ایک روایت موجود ہے۔ اور بعض صحابہؓ سے بھی روایت ہے اور اگرچہ کہ فریق مخالف ان کے اقوال تاویل کرے اور دیگر ائمہ بھی جملہ امور میں شیخین کے موافق ہیں نیز ابن مسعودؓ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ وہ چار شرابیں ہیں جو شیخین کے پاس حرام ہیں جب اس میں جوش آ جائے اور وہ تیز ہو جائیں ورنہ دوسرے شرابوں کی طرح بالاتفاق حرام نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

1۔ ان میں سے یہ کہ ایک شخص نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشکیزہ سے نبیذ پی لی اور اس کو نشہ آ گیا تو اس پر حد لگائی گئی۔ اس نے کہا "اے امیر المومنین میں نے تو آپ ہی کے مشکیزہ سے پیا تھا"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے تجھ پر نشہ کی وجہ سے حد لگائی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے تقویت کی سب سے بڑی چیز وہ حدیث ہے جس کو امام طحاوی نے مرفوعاً بیان کیا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اشربا و لا تسکرا" تم دونوں اس کو پیو اور تم کو نشہ نہ آئے الخ۔

اور بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ ہر حرام چیز کا کچھ حصہ حلال ہوتا ہے لہذا حرام شراب کی نبیذ حلال ہوئی اس کے نظائر میں سے ایک ریشم کہ وہ حرام ہے اور مردوں کے لئے چار انگشت کے بقدر جائز ہے اور اسی طرح سونا اور چاندی ہے۔

اور مجھے سلف کے بعض اقوال سے اس کی دلیل ملی ہے جو بعض اہلبیت سے روایت کئے ہیں اور انھوں نے ایسا......

......ہی ذکر کیا ہے جیسے بعض احناف نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہر طالوت اس کا زیادہ (پینا) حرام اور تھوڑا سا حلال تھا۔ پس اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بعض حنفیہ کے اس قول کی اصل ہے۔

پھر میں ان کی عبارت کو ان کے مقصد میں فرق آئے بغیر تبدیل کر کے کہتا ہوں اور یہ بات کچھ مفید ہوگی۔ انھوں نے یہ کہا کہ چار شرابوں کے سوا جو شراب ہے اس کا تھوڑا حصہ عبادت پر تقویت کی غرض سے حلال ہے لہو ولعب کی غرض سے حرام ہے۔

تو میں ان کی عبارت میں تغیر کر کے یوں کہتا ہوں کہ چار شرابوں کے سوا جو شراب ہے وہ حرام ہے سوائے تھوڑی مقدار کے جو عبادت پر تقویت کی غرض سے ہو اور فرق یہ ہے کہ ان کی عبادت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل اباحت ہے اور حرمت لہو ولعب کی وجہ سے ہے۔ اور میں جو کہا ہوں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل حرمت ہے اور تھوڑی مقدار جو عبادت پر تقویت کی غرض سے ہو حلال ہے پس ایسی صورت میں عبادت پر تقویت مثل دوا کے ہے پس اس معاملہ کو باب تداوی کی طرف محول کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں آئی ہوئی احادیث امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کے مخالف نہیں ہیں۔ اور یہ ہمارے اس قول کی طرح سے ہے کہ مردار حرام ہے سوائے مجبوری کے قت میں تو عبادت تقویت اس میں سے مخصوص اور مستثنٰی رہے گی۔ پس ''**المسکر حرام**'' (نشہ آور حرام ہے) کی تمام حدیثیں ''**ان المیتة حرام**'' (یقیناً مردار حرام ہے) کی طرح اپنے ظاہر پر ہیں۔

اور جو کوئی امام صاحب کے احادیث وغیرہ سے تفصیلی دلائل چاہتا ہے وہ العرف الشذی، بذل المجھود، غایۃ البیان، معراج الدرایہ کی طرف مراجعت کریں۔

اب رہا امام شافعی، امام احمد امام مالک، امام محمد بن حسن اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم تو ان کا مذہب یہ ہے کہ پھر کسی بھی چیز کی نشہ آور بہنے والی چیز اس کا قلیل وکثیر حرام ہے خواہ وہ نشہ لائے یا نہ لائے اور مسکر جامد (نہ بہنے والی نشہ آور چیز) خمر نہیں ہے ہمارے ارباب فتوی، امام محمد بن حسن کے قول پر فتوی دیتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر ''**ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام**'' ہر وہ چیز جس کا کثیر نشہ لائے اس کا قلیل حرام ہے۔

اس کا ذکر زیلعی نے اور ان کے علاوہ صاحب ملتقی، صاحب مواھب، صاحب کفایہ، صاحب نہایہ، صاحب معراج، شارح مجمع، شارح درر البحار، قہستانی اور عینی نے بھی کیا ہے اس طور پر کہ ان حضرات کا قول ہے کہ ''فساد کے غلبہ کی وجہ سے ہمارے زمانہ میں فتوی امام محمد کے قول پر ہے''۔ ان میں سے بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ فاسقین ان مشروبات کے پاس اکٹھا ہوتے ہیں اور ان کو پی کر دل لگی اور نشہ ومستی کا قصد کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ (اس علت سے) یہ بات ظاہر ہے کہ ان فقہاء کا مقصد مطلقاً حرام قرار دینا اور بالکلیۃ طور پر سدِ باب کرنا ہے۔ ورنہ لھو ولعب کے ارادے سے اس کی حرمت محل اختلاف نہیں بلکہ متفق علیہ ہے۔ اور اس زمانہ میں جب طاعت پر طاقت وقوت حاصل کرنے کی بجائے عموماً لہو ولذت مقصود بن گئی تو فقہاء نے اس وجہ سے مکمل طور پر منع کر دیا۔ اس کو ملحوظ رکھو۔

ونیز شارح وھبانیہ نے اسی کو اختیار کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ یہی بات سب سے مروی ہے۔

(العرف الشذی۔ درمختار۔ ردالمختار، نیل الاوطار)

12/4936۔سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس چیز کا ایک فرق (16، رطل یعنی 50%) نشہ آور ہو تو اس کی چلو بھر (مقدار) بھی حرام ہے۔(مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی)

اور امام محمد نے فرمایا جس کا کثیر نشہ آور ہو تو اس کا قلیل بھی حرام ہے اور غلبۂ فساد کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں اسی پر فتوی ہے۔

13/4937۔سیدنا دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم سرزمین میں رہتے ہیں اور وہاں سخت دشوار کام کی مشقت اٹھاتے ہیں (جس کی بناء پر) ہم اس گیہوں کی شراب بناتے ہیں جس سے ہم اپنے کاموں پر طاقت اور اپنے ملک کی سردی کو (برداشت کرنے کی) قوت حاصل ہوتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ نشہ آور ہوتی ہے؟ تو میں نے عرض کیا ہاں۔آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر تو تم اس سے بچو''۔میں نے عرض کیا کہ لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اس کو نہ چھوڑ دیں تو تم ان سے جنگ کرو۔(ابوداؤد)

14/4938۔حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب یمن سے آئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شراب کے بارے میں سوال کیا جس کو لوگ ان کی سرزمین میں پیتے تھے۔وہ مکئی سے بنائی جاتی تھی اور اس کو مزر کہا جاتا تھا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کیا وہ نشہ آور ہے تو انہوں نے کہا ہاں (وہ نشہ آور ہے)۔تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ آور حرام ہے اللہ تعالی کا عہد ہے ہر اس آدمی کے لئے جو نشہ آور چیز پیتا ہے۔وہ اس کو طینۃ الخبال (دوزخیوں کا خون پیپ) پلائے۔وہ (صحابیؓ) عرض کئے۔یا رسول اللہ ﷺ طینۃ الخبال کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں کی ریزش یا ان کا خون، پیپ۔(مسلم)

15/4939۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آدمی شراب پیئے تو اللہ تعالی اس کی چالیس صبح (دن) کی نمازیں قبول نہیں کرے گا اور اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالی اس کی توبہ کو قبول کرے گا۔

اگر وہ پھر دوبارہ اس (شراب نوشی) کی طرف لوٹے گا تو اللہ تعالی پھر چالیس صبح کی نمازیں قبول نہیں کرے گا۔پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالی اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔پس وہ پھر اس کی

طرف لوٹے تو پھر چالیس صبح (چالیس دن) کی نمازیں قبول نہیں کرے گا۔ اور اگر وہ پھر توبہ کرے تو پھراس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اگر وہ چوتھی مرتبہ پھراس (شراب نوشی) کی طرف لوٹے گا تو پھر چالیس صبح (چالیس دن) کی نمازیں قبول نہیں کرے گا پھر وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا اوراس کو نہر خبال (خون پیپ کی نہر) سے پلائے گا۔ (ترمذی)

16/4940 ۔ اور نسائی، ابن ماجہ اور امام دارمی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے۔

17/4941 ۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی نے مجھے سارے عالموں کے لئے رحمت اور سارے عالموں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ بزرگ و برتر نے مجھے حکم فرمایا ہے مٹانے کا موسیقی کے آلات اور گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں اور صلیب کو اور جاہلیت کے کاموں کو۔ اور میرے پروردگار نے جو بزرگ و برتر ہے بطورِ قسم فرمایا ہے کہ میری عزت کی قسم میرے بندوں میں سے کوئی بھی بندہ ایک گھونٹ بھی شراب پیئے تو میں اسی کے مثل خون پیپ میں سے اس کو پلاؤں گا۔ اور میرے خوف سے جو بندہ اس کو چھوڑے رہے گا تو اس کو پاکیزہ حوضوں میں سے پلاؤں گا۔ (امام احمد)

18/4942 ۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں داخل نہیں ہوگا والدین کا نافرمان اور نہ کوئی جُواری اور نہ احسان جتانے والا اور نہ شراب کا عادی۔ (دارمی)

19/4943 ۔ دارمی ہی کی ایک روایت میں ''قمار'' (جواری) کے بجائے ''ولا ولد زنية'' (اور نہ کوئی ولدِ زنا) ہے۔

20/4944 ۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لوگوں پر اللہ تعالی نے جنت کو حرام کردیا ہے۔

شراب کا عادی، والدین کا نافرمان، اور دیُّوث وہ بے حیا جو گھر میں بے حیائی کے کام کراتا ہے یا ایسے کام گھر میں ہوتے ہوئے دیکھ کر چشم پوشی کرتا ہے۔ (احمد، نسائی)

21/4945 ۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ شراب کا عادی، رشتہ داری کو توڑنے والا

اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔(مسند احمد)

22/4946۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''شراب کا عادی شخص اگر مرجائے تو اللہ تعالی سے وہ ایک بت پرست کی طرح ملے گا''۔(مسند احمد)

23/4947۔(اس حدیث شریف کو)ابن ماجہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے۔

24/4948۔اور بیہقی نے شعب الایمان میں محمد بن عبیداللہ سے روایت کی ہے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔اور بیہقی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں (اس حدیث) کو محمد بن عبداللہ سے ذکر فرمایا جو اپنے والد سے روایت کررہے ہیں۔

25/4949۔سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں ان دونوں کی (حرمت کی یکسانیت میں) فرق محسوس نہیں کرتا کہ شراب پیوں یا اللہ کو چھوڑ کر اس ستون کی پرستش کروں''(اس کو امام نسائی نے موقوفاً روایت کیا ہے)۔

26/4950۔سیدتنا صفیہ بنتِ عطیہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ میں **قبیلۂ عبدالقیس** کی چند عورتوں کے ساتھ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں حاضر ہوئی۔چنانچہ ہم نے ان سے کھجور اور کشمش (کو ملا کر نبیذ بنانے) کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: میں ایک مشت کھجور اور ایک مشت کشمش ایک برتن میں ڈال کر پانی میں بھگو دیا کرتی تھی 6 پھر اسے

---

6 قولها: كنت آخذ قبضة من تمر و قبضة من زبيب فالقيه في اناء الخ (میں ایک مشت کھجور اور ایک مشت کشمش ایک برتن میں ڈال کر پانی میں بھگو دیتی تھی) یہ دو مخلوط چیزیں ہیں۔وہ اس طرح کہ کھجور اور کشمش کا پانی ایک جگہ جمع کردیا جائے پھر اس کو تھوڑا سا پکا کر اس حد تک چھوڑ دیا جائے کہ جوش آجائے اور وہ تیز ہوجائے۔عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکے کھجور اور سرخی مائل کھجور کو ملانے سے منع فرمایا نیز کھجور و کشمش کو ملانے سے بھی منع فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کی علحدہ علحدہ نبیذ بنائی جانی چاہئے۔اور ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً روایت کہ تم میں سے جو نبیذ پینا چاہے تو وہ کسی دوسری چیز کو ملائے بغیر خالص کشمش کی نبیذ پیئے یا خالص کھجور کی یا گدرے کھجور کی۔

ان احادیث کے ظاہری مفہوم کی بناء پر امام مالک امام احمد اور ایک قول میں امام شافعی ایسی نبیذ کی حرمت کو اختیار کئے ہیں جس میں دو چیزوں کی آمیزش ہوا گرچہ کہ ان دونوں سے بنائی ہوئی نبیذ نشہ آور نہ ہو۔اور امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اور امام شافعیؒ نے اپنے ایک دوسرے قول میں فرمایا جب تک نشہ نہ آئے حرام نہیں ہے یعنی وہ اس باب کی احادیث کی بناء پر حلال ہے۔اور ممانعت کی جو احادیث آئی ہیں تو ان کو ابتدائی زمانے پر محمول کیا گیا ہے یا ایسی نبیذ پر جس کو پکایا نہ گیا......

(پینے کے لئے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (نوش فرمانے کے لئے) پیش کرتی تھی۔ (ابوداؤد، سنن بیہقی)

27/4951۔ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کشمش کی نبیذ بنائی جاتی تھی جس میں کھجور ڈالے جاتے۔ یا کھجور کی نبیذ بنائی جاتی تھی جس میں کشمش ڈالے جاتے تھے۔(ابوداؤد، سنن بیہقی)

28/4952۔ انہیں سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مشکیزہ میں نبیذ بنایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم ایک مشت کھجور یا ایک مشت کشمش لے کر اس کو اس میں ڈال دیتے پھر اس میں پانی انڈیل دیتے۔ پس ہم صبح میں اس کی نبیذ بناتے تو آپ ﷺ شام کے وقت اس کو نوش فرماتے، اور ہم شام میں اس کی نبیذ بناتے تو آپ ﷺ صبح کے وقت اس کو نوش فرماتے۔(ابن ماجہ)

اور جس روایت میں یہ آیا ہے کہ ''حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے (نبیذ بنانے کے لئے) خشک کھجور اور کشمش کو، اور پختہ و تازہ کھجور کو، پختہ و تازہ کھجور اور گدرے کھجور کو ملانے سے منع فرمایا ہے''، تو وہ سختی اور تنگی کی صورت پر محمول ہوگی۔ اور یہ ممانعت ابتداءً اس وقت تھی جب مسلمان تنگدستی اور سختی میں تھے۔

29/4953۔ سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کی ایک بکری کو جسے وہ دوہا کرتی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''بکری کیا ہوگئی'' صحابہؓ

......ہوتا کہ تمام احادیث میں مطابقت ہو جائے اور اس آخری بات سے سب میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اور تعارض بھی دور ہو جاتا ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے معقول ان کے قول و فعل کے درمیان پایا جاتا ہے۔ کتاب بنایہ اور اس کے سوا دیگر کتابوں میں یہ ہے کہ یہ ممانعت ارشادی ہے جو قحط اور خشک سالی کے زمانے میں تھی۔ اب رہا وسعت کے زمانے میں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ابن عدی نے کتاب کامل میں ام سلیمؓ اور ابوطلحہؓ سے روایت لائی ہے کہ وہ دونوں گدرے کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ پیتے تھے۔ تو ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تو انہوں نے کہا کہ یہ ممانعت اسی زمانے میں تھی جیسا کہ دو کھجوروں کو جمع کرنے سے (دو کو ایک ساتھ ملا کر کھانے سے) آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

ابوداؤد نے سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبیذ بنائی جاتی جس میں کھجور ڈالے جاتے اور اس میں کشمش ڈالی جاتی تھی۔

اس باب میں اور بھی آثار و اخبار موجود ہیں۔(شروح کنز، تعلیق مجد)

نے عرض کیا وہ مرگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟" ہم نے عرض کیا کہ وہ تو مردار ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی دباغت اس کو حلال کر دیتی ہے 7 جس طرح کہ شراب کا سرکہ حلال ہو جاتا ہے۔ (دارقطنی)

7 قولہ :ان دباغھا یحلہ کما یحل خل الخمر (اس کی دباغت اس کو حلال کر دیتی ہے جس طرح شراب کا سرکہ حلال ہو جاتا ہے) یعنی شراب کا سرکہ حلال ہے خواہ اس میں کسی چیز کو ڈال کر سرکہ بنایا گیا ہو جیسے نمک یا اس جیسی کوئی چیز یا کسی عمل کے بغیر خود بخود سرکہ بن جائے۔ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر وہ (اس کو) سرکہ بنایا جائے تو حلال نہیں ہے۔ اس میں آپ کا یہی ایک قول ہے اور اگر وہ خود بخود سرکہ بنتا ہے سایہ میں سے نکال کر دھوپ میں منتقل کرنے یا اس کے برعکس کرنے سے یا اس کے قریب آگ روشن کرنے سے تو اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں اس لئے کہ انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ شراب کو سرکہ بنا دیا جائے تو کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا حلال نہیں ہے لیکن اس باب کی احادیث ہماری دلیل ہیں نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے احل لکم الطیبات (تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں) اور سرکہ طبعی طور پر پاکیزہ چیز ہے۔ اور شراب کو سرکہ بنانے میں اس میں کے فساد پیدا کرنے، والے وصف کو دور کرنا اور پاکیزہ صفت کو قائم کرنا ہے اور ہماری دلیل یہ ارشاد بھی ہے "نعم الادام الخل" (سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے) اس حدیث شریف سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ وہ عام ہے اور ان تمام چیزوں کو شامل ہے جس پر کہ اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکوں کے درمیان کوئی فرق نہیں فرمایا ہے۔

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کو سرکہ بنائے جانے پر ارشاد فرمانا "لا" یعنی "حلال نہیں ہے" ہمارے پاس اس کا مطلب یہ ہے کہ شراب سے ان کے نفوس مانوس ہو گئے تھے اور جو چیز مانوس ہوتی ہے اس کی طرف نفس میلان کرتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کی دسیسہ کاریوں سے اندیشہ کر کے ان کی اس آمیزش سے منع فرمایا اور یہ "نہی تنزیہی" ہے تا کہ سرکہ کو کہیں شراب کا ذریعہ نہ بنالیں اب رہا شراب کی حرمت کے طویل عرصے کے بعد ان دسیسہ کاریوں کا اندیشہ باقی نہیں رہتا اور اس کی تائید حدیث شریف "نعم الادام الخل" (سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے) سے ہوتی ہے۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے اور حدیث شریف "خیر خلکم خل خمرکم" (تمہارا بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے) اس کو امام بیہقی نے "المعرفۃ" میں جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کو اس کے حکم کے بیان پر محمول کیا جائے گا کیونکہ شارع علیہ السلام کے منصب کے لائق حکم بیان کرنا ہے لغت بیان کرنا نہیں۔ (ماخوذ از شروح کنز، بنایہ، مرقات)

صاحبِ مبسوط نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں شراب کو سرکہ بنانے سے جو ممانعت ہے اس سے مراد شراب کو سرکہ کی طرح استعمال کرنے کی ممانعت ہے کہ اس کو سالن کی طرح استعمال کیا جائے۔

یہ حدیث ان روایات کی طرح ہے جس میں آپ ﷺ نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے اور جانوروں کو کرسی بنانے سے منع فرمایا جن سے ان کو اس طرح استعمال کرنا مراد ہے۔ اور جب اللہ تعالی کا ارشاد نازل ہوا......

30/4954 ۔سیدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بہترین سرکہ تمہاری شراب کا سرکہ ہے۔(بیہقی فی المعرفۃ)

31/4955 ۔حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالی عنہ میری (ایک قسم کی چٹنی جس میں شراب ہوتی ہے۔جس میں نمک ڈال کر دھوپ میں رکھتے اور سرکہ بنالیتے ہیں) تناول فرماتے اور فرماتے دھوپ اور نمک نے اس کو ختم کردیا۔(مشکل الآثار للطحاوی)

32/4956 ۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے **کتاب الحُجج** میں فرمایا اور ہم کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے شراب کو سرکہ بنالیا۔[8]

اور ہم کو یہ بات ابن عباسؓ سے بھی پہنچی ہے اور ہم کو ابودرداءؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا ''شراب کے سرکہ میں کوئی حرج نہیں ہے'' (**کتاب الحُجج**)

...... اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں بعض راویوں نے ذکر کیا ہے۔''افلا اخللها'' کیا میں اس کو سرکہ نہ بنالوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ہاں'' اور اگر مذکورہ حدیث شریف صحیح ہے تو سرکہ بنانے کی یہ ممانعت ابتداء میں تھی اور یہ ان کو ان کی مانوس عادت سے روکنے کیلئے تھی۔پس یقیناً شرب خمر کی عادت سے رکنا ان پر شاق تھا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرابوں کو بہادینے کا حکم فرمایا اور سرکہ بنانے سے اسی لئے منع فرمایا۔جیسا کہ بطور مبالغہ کتوں کو قتل کردینے کا حکم فرمایا تھا اور یہ کتوں کو پالنے کے بارے میں ان کی مانوس عادت سے ان کو روکنے کے لئے تھا۔پھر ان پر اندیشہ تھا کہ جب ان کے ہاتھ میں کوئی شراب نہیں رہے گی تو یتیموں کی شراب کو بچا کر رکھیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کی شراب کو بھی زجر کی طور پر بہادینے کا حکم فرمایا حالانکہ وصی پر یتیم کے مال کو خراب کرنے سے روکنا واجب ہے۔اس میں جو خراب ہوگیا ہے اس کو ٹھیک کرنا واجب نہیں ہے۔کیا تم نہیں جانتے کہ یتیم کی بکری جب مرجائے تو وصی پر اس کے چمڑے کو دباغت دینا واجب نہیں اگر وہ یہ کام کرتا ہے تو جائز اور درست ہے پس اسی طرح وصی پر یتیم کو سرکہ بنانا واجب نہیں ہے اگر وہ یہ کرتا ہے تو جائز اور درست ہے جب سرکہ بنانے کا جواز ثابت ہوگیا تو اسی طرح شراب سے مرّبی (بنانا) اس میں نمک اور مچھلی ڈال کر جائز ہوگا کیونکہ اس میں شراب کی صفت ختم کردی جاتی ہے جیسا کہ شراب سے سرکہ بنانے میں ہے۔

اور اس کی مخالفت کے بارے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی روایت اس روایت کے معارض ہے جس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ''لا بأس به'' یعنی اس میں کوئی حرج نہیں۔پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کی تاویل ایسی ہے جیسے ہم نے مرفوع حدیث کی تاویل بیان کی ہے کہ اس سے (خمر کو سرکہ بنانے سے) ممانعت شراب سے روکنے کے لئے سیاسی مصلحت کے طور پر ہے۔

[8] **قولہ: اصطبغ علی خمر** یعنی شراب سے سرکہ بنایا (ماخوذ از حاشیہ **کتاب الحُجج**)

33/4957۔امام محمد نے ایسے شخص کے بارے میں جوشراب کومیراث میں پائے عطاء بن ابی رباحؒ کا قول روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ اس کو بہا ڈالے۔وہ (امام محمد) کہتے ہیں کہ میں نے کہا اگراس میں پانی ڈال دیا جائے اور پھر وہ سرکہ بن جائے تو آپ کی کیا رائے ہے۔؟ انہوں نے فرمایا اگر وہ سرکہ بن جائے تو اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے اگر وہ چاہے تو اس کو فروخت کرسکتا ہے۔(**كتاب الحُجج**)

اورامام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ سرکہ بنانے کی ممانعت سے متعلقہ احادیث تغلیظ اور تشدید (سختی اور شدت) پر محمول ہیں، جو کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ہوا کرتی تھی۔جیسا کہ کتے کے جھوٹے کے بارے میں سختی آئی ہے۔چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں (شراب کے) مٹکوں کوتوڑ دینے،اور مشکیزوں کوٹکڑے ٹکڑے کردینے کاحکم دیا گیا ہے۔

34/4958۔سیدنا وائل حضرمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سویدؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا۔ پھرانہوں نے عرض کیا''میں اس کوصرف دواء کے لئے بناتا ہوں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دواء نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔(مسلم) [9]

[9] قوله :انه ليس بدواء ولكنه داء (وہ دوانہیں بلکہ بیماری ہے)

فتاوی عالمگیریہ میں ہے شراب سے کسی زخم کا علاج کرنا یا کسی جانور کے دبر کا علاج کرنا جائزنہیں ہے۔اوراسی طرح ذمی کوشراب پلانا یا کسی بچے کوعلاج کے لئے شراب پلانا جائزنہیں۔اوراس کا وبال پلانے والے پر ہوگا۔

(17) كِتَابُ الْإِمَارَةِ وَالْقَضَاءِ

حکومت اور فیصلہ جات کا بیان

اللہ بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ، ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا .

اے ایمان والو! اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اولوالامر کی اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر۔ یہ بہترین ہے اور زیادہ اچھا ہے انجام کے اعتبار سے۔(سورۂ نساء،4،آیت نمبر:59)

1/4959 ۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔اور جس نے امیر کی اطاعت 1 کی اس نے میری اطاعت کی۔اور

1قولہ: ومن يطع الامير فقد اطاعني ومن يعص الامير فقد عصاني الخ (جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی)

علماء کا اتفاق ہے کہ غیر معصیت میں امراء کی اطاعت واجب ہے اور معصیت میں اطاعت کرنا حرام ہے۔ قاضی عیاضؒ اور دوسرے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔امام نوویؒ اور امام عینیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

صاحب مرقات کہتے ہیں کہ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس سے تمام احوال میں امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے پر ابھارا گیا ہے اور اس کا یہ سبب ہے کہ مسلمانوں کی بات میں اجتماعیت ہو کیونکہ اختلاف ان کے دینی ودنیوی احوال کے فساد کا سبب بنتا ہے۔اور تمام احوال میں سے معصیت کی حالت کو مستثنی کیا جائے گا۔جو حدیث کے ابتدائی حصہ سے سمجھ میں آتا ہے۔اور اس مضمون کی بناء پر جو بعض صحیح حدیثوں میں ہے۔

صاحب تفسیرات احمدیہ نے فرمایا: امراء کی اطاعت واجب ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ جب تک وہ انصاف کرتے رہیں اور حق پر رہیں۔اور وہ اس لئے کہ ''اولی الامر'' کی جو آیت ہے وہ سابقہ آیت سے متصل ہے جس میں امانت ادا کرنے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کا بیان ہے۔اور بعض علماء کے پاس وہ خطاب خاص حاکموں کے لئے ہے اور......

...... یہ خطاب ان کی اطاعت کے لئے عام لوگوں سے ہے اور پھر اختلاف کے وقت اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو اس سے ہم یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کی اطاعت جب تک وہ حق پر رہیں واجب ہے اور جب وہ حق کے خلاف کریں تو ان کی اطاعت نہیں ہوگی ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ'' (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہوگی)۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ تمہارے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کو برداشت کرنا جائز ہے اور اس کے خلاف بغاوت کرنا درست نہیں ہے اور امیر فسق اور زیادتی کی وجہ سے معزول نہیں ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس اخیر مسئلہ میں اختلاف ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس وقت درست ہے جب کہ حق کے ساتھ اس کے لئے فیصلہ ممکن ہو لیکن جب ایسا ممکن نہ ہو تو درست نہیں۔ اور اس کے سوا نہیں کہ ہم حق کا فیصلہ کرنے کی صورت میں اس کے صحیح ہونے کا جو حکم لگائے ہیں وہ اس لئے کہ فسق و فجور اور ظلم و زیادتی، خلفاء راشدین کے بعد ائمہ اور امراء میں پھیل گئی تھی۔ اور سلف ان کی اطاعت کرتے تھے۔ اور جمعہ وعیدین کی نمازیں ان کی اجازت سے قائم کرتے اور ان کے خلاف خروج کی رائے نہیں رکھتے تھے کیونکہ صحابہ علیہم الرضوان سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے احکام کو بجالاتے باوجود اس کے کہ حق سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ ان کے دور میں تھا۔ اور تابعین حجّاج کے احکام کی تقلید کرتے باوجود اس کے کہ وہ ظالم بادشاہ تھا جیسا کہ ہدایہ میں صراحت ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ سے جو مروی ہے کہ فسق سے وہ معزول ہو جائے گا لیکن علماء شافعیہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ فسق کی وجہ سے امیر معزول نہیں ہوگا کیونکہ اس کے معزول ہونے اور دوسرے کو قائم کرنے میں فتنہ کو بھڑکانا ہے کیونکہ امیر کو قوت حاصل رہتی ہے۔ برخلاف قاضی کے کہ وہ ان کے پاس فسق کی وجہ سے معزول ہو جائے گا کیونکہ اس کو کوئی طاقت نہیں ہوتی جیسا کہ شرح عقائد میں اس کی وضاحت ہے اور حق بات یہ ہے کہ ''اولو الامر'' سے مراد وہ سب اشخاص ہیں جن کو تابع اور متبوع کے حسب مراتب حکومت حاصل ہے چاہے امام ہو یا امیر، سلطان ہو یا حاکم، عالم ہو یا مجتہد، قاضی ہو یا مفتی، کیونکہ نص مطلق ہے تخصیص کی دلیل کے بغیر اس کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بات جاننا چاہئے کہ خلافت کاملہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ پر ختم ہوگئی۔ حضور علیہ والہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ''**الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم یصیر ملکا عضوضا**'' (خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر کاٹ کھانے والی حکومت ہوگی)۔

برخلاف خلافت ناقصہ کے، کہ وہ خلفاء عباسیہ میں بھی رہی ہے لیکن امام معدوم ہے۔ اب ہمارے زمانے میں اس کی شرط کا فقدان ہے کیونکہ اس کی ادنی شرط یہ ہے کہ امام اہل قریش سے ہو اور اکثر مقامات میں وہ اب معدوم ہے لیکن سلطنت اور امارت باقی ہے اور ہم پر ان کی اتباع اس زمانے میں بھی واجب ہے کیونکہ وہ اولوالامر ہیں اور اولوالامر کی اتباع نص کے مطلق ہونے کی بناء پر واجب ہے۔ اس اعتبار سے نہیں کہ وہ ائمہ اور خلفاء ہیں۔

جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ یقیناً امام ڈھال ہے جس کے پیچھے سے جنگ کی جاتی ہے۔اوراس کے ذریعہ حفاظت کی جاتی ہے۔پس اگر وہ امام اللہ کے تقوی کا حکم دے اورعدل سے کام لےتواس کواس کی وجہ سے اجر ہےاوراگراس کے سوا کوئی اور بات کہےتواس پراس کا وبال ہے۔(متفق علیہ)

2/4960۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:(امیر کی بات)سننااوراس کی اطاعت کرنا مسلمان آدمی پرضروری ہےاس چیز میں جس کو وہ پسند کرےاوراس چیز میں جس کو وہ ناپسند کرے جب تک کہ اس کوکسی معصیت کا حکم نہ دیا گیا ہو پس جب اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ اس کی بات سننا ہےاور نہ اطاعت کرنا ہے۔(بخاری ومسلم)

3/4961۔سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:کسی گناہ میں کوئی اطاعت نہیں یقیناً اطاعت صرف معروف(خیر کے کام) میں ہوتی ہے۔(بخاری ومسلم)۔

4/4962۔نواس بن سمعان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔(شرح السنہ امام بغویؒ)

5/4963۔سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سمع واطاعت(امیر کی بات سننےاورفرمابرداری کرنے)پربعیت کی،تنگدستی اورفراخدستی میں،خوشی اور ناخوشی میں اورہم پرکسی دوسرے کوترجیح دینے کی صورت میں بھی اوراس بات پربھی کہ ہم صاحب اقتدار سے اقتدار کے بارے میں جھگڑا نہ کریں اوراس بات پربھی کہ ہم جہاں کہیں رہیں حق کی بات کہیں اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں۔

6/4964۔ایک روایت میں ہے’’اوراس پربھی کہ صاحب اقتدار سے اقتدار کے بارے

میں اختلاف نہ کریں مگر یہ کہ تم ان سے ایسا کھلا کفر دیکھو 2 جس میں تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف

2 قولہ: وعلی ان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفرا بواحا الخ (ہم صاحب اقتدار سے اقتدار کے بارے میں اختلاف نہ کریں مگر یہ کہ تم ان سے ایسا کھلا کفر دیکھو) اس ارشاد گرامی کے معنی یہ ہیں کہ حاکموں سے ان کے اقتدار میں جھگڑا مت کرو۔ اور ان پر اعتراض مت کرو۔ مگر جب تم ان سے اسلامی قواعد کے مطابق یقینی طور پر کسی برائی کو دیکھو تو تب ان کو اس کی برائی بتاؤ اور تم جہاں کہیں رہو حق کو قائم کرو۔

اب رہا ان کے خلاف خروج کرنا اور ان سے جنگ کرنا بالاتفاق حرام ہے اگرچیکہ وہ فاسق اور ظالم ہوں۔ اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بادشاہ فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا کیونکہ اس کو معزول کرنے میں فتنے بھڑکتے ہیں اور خون خرابہ ہوتا ہے اور آپس میں تفرقہ پڑتا ہے اس لئے کہ اس کو معزول کرنے میں اس کے باقی رہنے سے بڑھ کر فساد ہوتا ہے اور اس بات پر اتفاق ہے کہ امامت (حکومت) کافر کے لئے منعقد نہیں ہوتی اور اگر اس سے کفر سرزد ہوجائے تو وہ معزول ہوجائے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ نمازوں کو قائم کرنے اور نمازوں کی طرف دعوت دینے کو چھوڑ دے۔ اسی طرح بدعتوں کی وجہ سے (وہ معزول ہوجائے گا) قاضی نے فرمایا: اگر اس پر کفر طاری ہوجائے یا شریعت میں کوئی تبدیلی کرے یا بدعت آجائے (بدعتی ہوجائے) تو اس کی اطاعت ختم ہوجائے گی اور اگر ممکن ہو تو اس کو ہٹانا اور امام عادل کو مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہوجائے گا اور بدعتی امیر کے بارے میں اگر مسلمانوں کو یہ اندازہ ہو کہ اس کو ہٹانے کی قدرت ہے تو ہٹانا واجب ہے ورنہ مسلمان اپنے دین کی خاطر اس کی زمین سے دوسری طرف ہجرت کر کے چلے جائیں۔

اور شرح عقائد میں اس بات پر اجماع ہے کہ امام کو مقرر کرنا واجب ہے کیونکہ بہت سے شرعی واجبات اس پر موقوف ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے واجبات اس پر موقوف ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے احکام کو نافذ کرنا اور حدود قائم کرنا اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور مسلمان فوج کو تیار کرنا اور مسلمانوں سے صدقات، زکوۃ وغیرہ لینا اور باغیوں، چوروں، لٹیروں کو دبانا، جمعہ اور عیدین کو قائم کرنا، چھوٹے بچے، بچیوں کی شادی کرنا جن کے کوئی سرپرست نہیں اور مال غنیمت تقسیم کرنا اور اس جیسے بہت سے وہ امور جن کو امت کے افراد الگ الگ انجام نہیں دے سکتے۔ پھر انھوں (صاحب شرح عقائد) نے یہ کہا: امام فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہوگا کیونکہ امامت کے لئے عصمت ابتداء ہی میں شرط نہیں ہے لہذا امامت پر باقی رہنے کے لئے بدرجہ اولی شرط نہیں ہوگی۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فسق کی وجہ امام معزول ہوجائے گا۔ اور اسی طرح قاضی اور امیر بھی (فسق کی وجہ سے معزول ہوجائیں گے (اصل مسئلہ امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس یہ ہے کہ فاسق اہل ولایت یعنی اقتدار کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ جب وہ اپنا خیال نہیں کرتا تو دوسروں کا کیا خیال رکھے گا۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس فاسق اہل ولایت سے ہے یہاں تک کہ فاسق باپ کو اپنی چھوٹی بچی کی شادی کرانے کا حق حاصل ہے اور شافعہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ قاضی فسق سے معزول ہوجاتا ہے برخلاف امام کے (یعنی وہ فسق سے معزول نہیں ہوتا) اور اس (امام) کے معزول ہونے اور دوسرے کو امام مقرر کرنے میں فرق یہ ہے کہ اس کے اقتدار کی وجہ سے فتنہ بھڑکتا ہے برخلاف قاضی کے۔ (مرقات)

سے کوئی دلیل ہو۔ (متفق علیہ)

7/4965۔ سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے امام وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور جو تم کو چاہتے ہیں اور تم ان کے لئے دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعاء کرتے ہوں۔ تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں اور تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔

ہم نے عرض کیا" یارسول اللہ ﷺ تو کیا ہم اس وقت ان کو ہٹا نہ دیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔ نہیں، جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔ یاد رکھو جس آدمی پر کوئی حاکم مقرر کر دیا جائے اور وہ اس سے اللہ تعالی کی نافرمانی کی کوئی چیز دیکھے تو وہ ناپسند کرے اللہ تعالی کی نافرمانی کے کام کو جسے وہ کر رہا اور ہرگز اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچ لے۔ (مسلم)

8/4966۔ سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر ایسے امراء (حکمران) ہونگے جن میں تم معروف ومنکر کو دیکھو گے پس جو شخص انکار کرے تو وہ بری الذمہ ہو گیا اور جو ناپسند کرے تو وہ محفوظ رہا البتہ جو راضی رہا اور موافقت کر لیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائے نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ یعنی جو آدمی اپنے دل سے ناپسند کرے اور دل سے انکار کرے۔ (مسلم)

اور مصابیح کے بعض نسخوں میں "**يعني من كره بقلبه وانكر بلسانه**" (یعنی جو دل سے ناپسند کرے اور زبان سے انکار کرے) ہے۔

9/4967۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا تم لوگ میرے بعد ترجیحات (حق تلفی) اور ایسے امور جن کو تم منکر جانتے ہو دیکھو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم ان کو ان کا حق دو اور اللہ تعالی سے اپنا حق مانگو۔ (متفق علیہ)

10/4968۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ سلمہ بن یزید جعفیؓ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے کہا یا نبی اللہ ﷺ آپ کیا فرماتے ہیں اگر ہم پر ایسے مراء قائم ہوجائیں جو ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہم سے ہمارا حق روک دیں تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی باتیں سنو اور اطاعت کرو۔ اس کے سوا نہیں کہ ان پر وہ چیز واجب ہے جس کی ذمہ داری وہ اٹھائے ہیں اور تم پر وہ واجب ہے جس کی تم نے ذمہ داری اٹھائی ہے۔ (مسلم)

11/4969۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بنی اسرائیل پر ان کے انبیاء علیہم السلام حکومت کیا کرتے تھے جب کوئی نبی انتقال کرجاتے تو دوسرے نبی ان کے جانشین ہوجاتے اور بلاشبہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے بلکہ عنقریب خلفاء ہونگے پس وہ بکثرت ہونگے صحابہؓ نے عرض کیا آپ ﷺ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا پس تم پہلے جس سے بیعت 3 کئے ہو اس کو پورا کرو وہی پہلا خلیفہ مستحق ہے اور انکو ان کا حق دیدو۔ پس بلاشبہ اللہ تعالی ان سے پوچھے گا اس چیز کے بارے میں جس میں وہ ان کو حاکم بنایا۔ (متفق علیہ)

12/4970۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب دو خلیفہ 4 کے لئے بیعت کی جائے گی تو ان دونوں میں سے آخری کو قتل کردو۔ (مسلم)

13/4971۔ سیدنا عرفجہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم میں مسلسل فتنے ہی فتنے رونما ہوں گے پس جو شخص اس امت کے معاملہ میں جب کہ وہ متحد ہے پھوٹ ڈالنا چاہے تو تم اس کو تلوار سے مارو خواہ وہ کوئی ہو۔ (مسلم)

---

3 قولہ: فوا بیعة الاول فالاول الخ (پس تم پہلے جس خلیفہ سے بیعت کئے ہو اس کی بیعت کو پورا کرو وہی پہلا خلیفہ مستحق ہے) اس حدیث شریف کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی خلیفہ ہوتے ہوئے کسی دوسرے خلیفہ پر بیعت کی جائے تو پہلے کی بیعت صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور دوسرے کی بیعت باطل ہے اور اس کو پورا کرنا حرام ہے اور علماء کا اتفاق ہے اس بات پر کہ ایک زمانہ میں دو خلیفہ کے لئے بیعت جائز نہیں خواہ دارالاسلام کے حدود دوسیع ہوں یا نہ ہوں (امام نووی نے یہ بات کہی ہے اور شرح عقائد میں ایسا ہی ہے)

4 قولہ: اذا بویع لخلیفتین الخ (جب دو خلیفہ کے لئے بیعت کی جائے) اس میں یہ حکم ہے کہ دو خلیفوں کے لئے اطاعت کا معاملہ جائز نہیں ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ اس پر اجماع منقول ہے۔

14/4972 ۔ ان ہی (عرفجہؓ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے تمہارے پاس ایسے وقت جب کہ تمہارا معاملہ کسی ایک آدمی پر متحد ہے کوئی شخص تمہارے اتحاد میں رخنہ یا تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنے کے لئے آئے تو تم اس کو قتل کرڈالو۔(مسلم)

15/4973 ۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی امام سے بیعت کرے، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے اور اپنے دل کا پھل (یعنی خلوص) دے تو وہ جس قدر ہو سکے اس کی اطاعت کرے پس اگر کوئی دوسرا اس سے جھگڑا کرے (چھین لینا چاہے) تو تم اس دوسرے کی گردن اڑادو (جب کہ وہ اس کے سوا کسی اور طریقہ سے باز نہ آئے)۔(مسلم)

16/4974 ۔ ام الحصین رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم پر ناک کان کٹا غلام کو امیر 5 بنادیا جائے جو اللہ کی کتاب سے تمہاری قیادت کرتا ہے تو تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔(مسلم)

17/4975 ۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم (حاکم کی بات) سنو اور اطاعت کرو اگر چیکہ تم پر حبشی غلام حاکم بنادیا جائے 6 جس کا سر

---

5 **قولہ :ان امر علیکم عبد مجدع الخ** (اگر تم پر ناک، کان کٹا غلام امیر بنادیا جائے) یعنی تم امیر کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اگر چیکہ وہ نسب میں کمتر ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ کالا غلام ہو اس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں تو بھی اطاعت واجب ہے اور غلام کی حکومت کا اس وقت تصور ہوگا جب کہ بعض امراء اس کو حاکم بنائیں ہوں یا وہ اپنے اور اپنے پیروکاروں کی قوت وشوکت کی وجہ سے ملک پر غالب آ گیا ہو۔ شروع میں اختیار وقدرت کے ہوتے ہوئے کسی غلام کا حکومت پر آنا جائز نہیں بلکہ اس کے لئے آزادی شرط ہے۔(امام نووی نے یہ بات بتائی ہے) اسی لئے درمختار اور ردالمختار میں ہے غلبہ سے حاصل کرنے والے کا اقتدار ضرورت کے خاطر درست ہے یعنی فتنہ کو دفع کرنے کے لئے (اس کے اقتدار کو قبول کرلیں گے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”**اسمعوا و اطیعوا و لو امر علیکم عبد حبشی اجدع**“ اگر تم پر حبشی ناک کان کٹا ہوا غلام امیر بنادیا جائے تو بھی تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

6 **قولہ :و ان استعمل علیکم عبد حبشی الخ** (اگر چیکہ تم پر حبشی غلام حاکم بنادیا جائے) یعنی اگر حاکمِ وقت قوم پر اس کو گورنر بنادے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حبشی غلام خلیفہ بن جائے کیونکہ ائمہ قریش میں سے ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حاکمِ وقت (یعنی خلیفہ ہی ہے) اور یہ بطور فرض وتقدیر ہے یعنی مان لو کہ اگر وہ امام بن جائے، اس میں بطور مبالغہ امیر کی اطاعت کرنے اور اس کی مخالفت سے باز رہنے کا حکم ہے۔(مرقات)

کشمش کے دانہ جیسا ہو۔(بخاری)

18/4976 ۔زیاد بن کسیب عدویؒ سے روایت ہے کہ میں ابوبکرہؓ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے قریب تھا اور وہ خطبہ دے رہا تھا۔اور اس پر باریک کپڑے تھے تو ابو بلالؒ نے کہا ہمارے امیر کو دیکھو فاسقوں کے کپڑے پہنتا ہے تو ابوبکرہؓ نے فرمایا خاموش رہو۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو آدمی زمین میں اللہ کے (مقررہ کردہ) سلطان کی اہانت کرے گا تو اللہ تعالی اس کی اہانت کرے گا۔(ترمذی۔اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے)

19/4977 ۔سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے فضیلت والا جہاد اس آدمی کا ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہی۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

20/4978 ۔اور امام احمد ونسائی نے طارق بن شہاب سے اس کی روایت کی ہے۔

21/4979 ۔سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو قیامت کے دن اللہ بزرگ و برتر کے سایہ کے طرف سبقت کرنے والے کون ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو حق دیا جاتا ہے تو اس کو قبول کرتے ہیں اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے لئے وہی حکم دیتے ہیں جو وہ اپنے نفس کے لئے حکم دیتے ہیں۔(امام احمد)

22/4980 ۔ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: کہ جب ہم رسول الہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سمع وطاعت کی بیعت کرتے تو آپ ﷺ ہم سے فرماتے''**فیما استطعتم**''ان میں جن کی تم استطاعت رکھتے ہو۔(متفق علیہ)

23/4981 ۔سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا تمہارا ان ائمہ کے ساتھ کیسا معاملہ ہوگا جو میرے بعد ہوں گے۔اس مالِ فئی میں اپنے آپ کو ترجیح دیں گے تو میں نے عرض کیا آپ ملاحظہ فرمائیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنے کندھے پر تلوار رکھلونگا پھر اس سے ضرب لگاؤں گا۔پھر

اس سے ماروں گا۔ یہاں تک کہ میں آپ ﷺ سے ملاقات کروں گا تو آپ نے ارشادفرمایا کیا میں تم کواس سے بھی بہتر بات نہ بتلاؤں؟ تم صبر کرو یہاں تک کہ تم مجھ سے ملاقات کرو۔(ابوداؤد)

24/4982۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جوآدمی کسی امیر سے ایسی چیز دیکھے جس کووہ ناپسند کرتا ہے تو وہ صبر کرے کیونکہ جو کوئی آدمی جماعت سے بالشت بھرا الگ ہوکرانتقال کرے گا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (متفق علیہ)

25/4983۔سیدنا حارث اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو پانچ چیزوں کاحکم دیتا ہوں جماعت کا،سمع کا، طاعت کا،ہجرت اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کا اور یقیناً جوکوئی آدمی جماعت سے بالشت بھر بھی نکل جائے تو وہ اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ نکال دیا مگر یہ کہ پھر وہ واپس آجائے اور جوآدمی جاہلیت کی پکار کی طرح پکارے تو وہ دوزخ کی جماعت میں سے ہے۔اگرچیکہ وہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے۔(امام احمد،ترمذی)

26/4984۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا ہے کہ جوآدمی اطاعت سے نکل جائے اور جماعت سے الگ ہوجائے اور انتقال کرجائے تو جاہلیت کی موت مرے گا۔اور جوآدمی کسی اندھے جھنڈے کے تحت (یعنی جس کا حق ہونا ظاہر نہ ہو) لڑے عصبیت کے لئے غصہ ہوتے ہوئے یا عصبیت کے لئے بلاتے ہوئے یا عصبیت کی بناء پر مدد کرتے ہوئے اور وہ مارا جائے تو یہ جاہلیت کے مارے جانے کی طرح ہے۔جوآدمی میری امت کے خلاف ایک تلوار لے کراس کے اچھے اور برے لوگوں کو مارے اوراس میں سے مومن کی پرواہ نہ کرے اور کسی عہد والے کے عہد کو پورا نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے اور میں اس سے نہیں ہوں۔(مسلم)

27/4985۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا ہے جوآدمی (امیر کی) اطاعت سے اپنا ہاتھ الگ کرے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالی سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی اور جوآدمی انتقال کرجائے اوراس کے گلے میں بیعت نہ ہو(امیر کی) تو اس کی موت جاہلیت کی موت کی طرح

ہے۔(مسلم)

28/4986۔سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اقتدار کا سوال مت کرو کیونکہ اگر وہ تم کو مانگنے سے مل جائے تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے اور اگر وہ تم کو بغیر مانگے مل جائے تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی۔(متفق علیہ)

29/4987۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم عنقریب حکومت اور اقتدار کی حرص کرو گے اور یہ قیامت کے دن تمہارے لئے شرمندگی ہوگی۔پس حکومت کتنی اچھی دودھ پلانے والی ہے اور کتنی بری دودھ چھڑانے والی ہے۔(بخاری)

30/4988۔سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ مجھے گورنر نہیں بنائیں گے؟ ابوذر نے کہا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست (شفقت) میرے مونڈھے پر مارا پھر فرمایا: اے ابوذر تم کمزور ہو اور بے شک یہ ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ ایک رسوائی ہے اور شرمندگی (کا سبب) ہے مگر وہ آدمی جو اس کو اس کے حق کے ساتھ لے اور اس حق کو ادا کرے جو اس کے ذمہ اس سے متعلق ہے۔

31/4989۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اے ابوذر میں تم کو ضعیف دیکھ رہا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم دو آدمیوں پر ہرگز امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کے ذمہ دار بننا۔(مسلم)

32/4990۔سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ دن تک فرمایا: اے ابوذر تم اس چیز کو یاد رکھو جو اس کے بعد تم سے کہی جائے گی" پس جب ساتواں دن آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ تعالی کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں تمہارے اندرونی اور علانیہ معاملہ میں اور جب تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اچھا کام بھی کرو۔اور کسی سے کوئی چیز مت مانگو اگرچیکہ تمہارا چابک (کوڑا) گر جائے اور کسی کی امانت مت رکھو اور دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ مت دو۔(احمد)

33/4991۔سیدنا ابوموسی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے دو چچازاد

بھائی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو ان دو میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ہم کو حاکم بنادیجئے اس میں سے کسی چیز پر جس پر اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اقتدار دیا ہے۔ اور دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم ہم گورنری پر کسی ایسے کو مقرر نہیں کرتے جو اس کو مانگے اور نہ کسی ایسے کو جو اس کی حرص رکھے۔

34/4992۔ اور ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہم ہمارے کسی کام پر ایسے شخص کو گورنر نہیں بناتے جو اس کو چاہتا ہے۔ (متفق علیہ)

35/4993۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے بہتر تم اس آدمی کو پاؤ گے جو ان میں اس اقتدار کو سب سے زیادہ ناپسند کرنے والا ہو یہاں تک کہ وہ اس میں مبتلا ہوجائے۔ (متفق علیہ)

36/4994۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں کا ہر آدمی نگہبان و ذمہ دار ہے اور تم میں کا ہر ایک اپنے ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس جو امام لوگوں پر نگہبان ہے اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا اور آدمی اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے تو اس سے اس کے ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر نگہبان ہے تو اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال پر نگہبان ہے اور اس کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا سنو تم میں ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (متفق علیہ)

37/4995۔ سیدنا عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بدترین حاکم وہ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں۔ (مسلم)

38/4996۔ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہیں ہے کوئی حاکم جو مسلمان رعایا پر حکومت کرتا ہو اور وہ انتقال کر جائے اس حالت میں کہ وہ ان کو دھوکہ دیتا تھا مگر یہ کہ ضرور اللہ تعالی اس پر جنت کو حرام کردے گا۔ (متفق علیہ)

39/4997۔ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا ہے جوکوئی بندہ کہ اللہ تعالی نے اس کوکسی رعایا پر حاکم بنایا ہو اور اس نے ان کے ساتھ کامل خیرخواہی نہیں کی ہے تو وہ جنت کی خوشبو ہرگز نہیں پائے گا۔(متفق علیہ)

40/4998۔ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمای کہ امیر جب لوگوں میں شبہات تلاش کرے گا تو وہ ان کو بگاڑ دے گا (ان میں فساد ڈال دے گا)۔(ابوداؤد)

41/4999۔حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا ہے جب تُو لوگوں کے عیوب کی تلاش میں رہے گا تو ان میں فساد ڈال دے گا۔(بیہقی شعب الایمان)

42/5000۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ جو آدمی میری امت کے کسی معاملہ کا حاکم بن جائے اوران پر مشقت ڈالے تو تو بھی اس پر مشقت ڈال اور جو آدمی میری امت کے کسی معاملہ کا حاکم بنایا جائے اور وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کر۔(مسلم)

43/5001۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کے پاس قیامت کے دن مرتبہ میں سب سے بڑھ کر فضیلت والا، انصاف کرنے والا اور نرمی کرنے والا امام ہے اور قیامت کے دن اللہ کے پاس لوگوں میں سب سے بدترین درجہ والا، ظالم اور سختی کرنے والا امام ہے۔ (بیہقی شعب الایمان)

44/5002۔سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے، اللہ کے پاس نور کے منبروں پر رحمٰن کے سیدھے جانب ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلے میں اور اپنے اہل وعیال اور ان چیزوں میں جن کے وہ حاکم بنائے گئے ہیں انصاف کرتے ہیں۔ (مسلم)

45/5003۔سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بھیجا اللہ تعالی نے کسی بھی نبی کو اور نہ کسی کو خلیفہ بنایا مگر ضرور اس کے لئے دو

اندرونی رفیق ہوتے ہیں۔ایک اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور اس کو اس پر ابھارتا ہے۔دوسرا اندرونی رفیق اس کو برائی کا حکم دیتا ہے اور اس کو اس پر ابھارتا ہے۔اور معصوم (گناہ سے محفوظ) وہ ہے جس کو اللہ (تعالی) بچالے (محفوظ رکھے)۔(بخاری)

46/5004۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالی حاکم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے راستباز وزیر مقرر کردیتا ہے اگر وہ بھول جائے تو یہ اس کو یاد دلاتا اور اگر وہ یاد رکھتا ہے تو یہ اس کی مدد کرتا ہے۔اور وہ (اللہ تعالی) اس کے ساتھ اس (بھلائی) کے سوا دوسری چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے بُرا وزیر مقرر کردیتا ہے۔اگر وہ بھول جائے یہ اس کو یاد نہیں دلاتا اور اگر وہ یاد رکھتا ہے تو یہ اس کی مدد نہیں کرتا۔(ابوداؤد،نسائی)

47/5005۔حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے پاس لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور اس سے ان میں سب سے زیادہ قریب مجلس کے اعتبار سے انصاف کرنے والا امام ہے اور قیامت کے دن اللہ کے پاس لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند اور ان میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا۔

48/5006۔اور ایک روایت میں ہے اور ''اس سے ان میں سب سے زیادہ دور مجلس کے اعتبار سے ظالم بادشاہ ہے''۔(ترمذی اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے)۔

49/5007۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بادشاہ زمین میں ظل اللہ (اللہ کی رحمت کا سایہ) ہوتا ہے جس کے پاس اس کے بندوں میں سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہے پس جب وہ انصاف سے کام لے گا تو اس کو اجر اور رعایا پر شکر (واجب ہے) اور جب وہ ظلم کرے گا تو اس پر گناہ اور رعایا پر صبر (واجب ہے) (بیہقی شعب الایمان)

50/5008۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس افراد کا کوئی امیر نہیں ہے مگر اس کو ضرور قیامت کے دن باندھا ہوا لایا جائے گا یہاں تک کہ اس کو انصاف چھڑائے گا یا اس کو ظلم ہلاک کرے گا۔(دارمی)

51/5009۔سیدنا ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس یا اس سے زائد افراد کے معاملہ کا کوئی بھی والی نہیں ہے مگر ضرور اس کو قیامت کے دن

اللہ بزرگ و برتر اس حالت میں لائے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھے ہوئے ہوں گے۔اس کو اس کی نیکی چھڑائے گی یا اس کو اس کا گناہ ہلاک کرے گا۔اس کی (امارت کی) ابتداء ملامت ہے۔اس کا درمیانی ندامت ہے اور اس کی انتہاء قیامت کے دن رسوائی ہے۔(احمد)

52/5010۔سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں کا خوف کرتا ہوں۔ 1۔کارتیوں (سیزن کے نام) سے بارش طلب کرنا 2۔بادشاہ کا ظلم کرنا 3۔تقدیر کو جھٹلانا (احمد)

53/5011۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امراء کے لئے ہلاکت ہے، سرداروں کے لئے ہلاکت ہے، امانت رکھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ کچھ لوگ قیامت کے دن ضرور اس بات کی تمنا کریں گے ان کی پیشانیوں کے بال کہکشاں سے لٹکے ہوئے ہوتے اور وہ زمین و آسمان کے درمیان حرکت کرتے رہتے حالانکہ وہ کسی کام پر مقرر نہیں کئے گئے۔(شرح السنہ)

54/5012۔اور امام احمد نے آپ کی روایت میں یہ ہے کہ ان کی پیشانی کے بال ثریا سے لٹکے ہوئے ہوتے اور وہ آسمان و زمین کے درمیان حرکت کرتے رہتے جب کہ وہ کسی چیز پر عامل مقرر نہیں کئے گئے تھے۔

55/5013۔غالب قطانؒ ایک شخص سے وہ اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً سرداری حق ہے اور لوگوں کے لئے چودھریوں کا ہونا ضروری ہے لیکن سردار دوزخ میں ہیں۔(ابوداؤد)

56/5014۔سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دوشانوں پر مارا پھر فرمایا اے قدیم تم کامیاب ہوا گر تم اس حالت میں انتقال کرو کہ تم نہ امیر تھے نہ کاتب تھے اور نہ چودھری۔ (ابوداؤد)

57/5015۔سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے معاویہ اگر تم (کسی معاملہ پر) حاکم بنائے جائیں تو اللہ سے ڈرو اور انصاف کرو'' انہوں نے کہا کہ میں ہمیشہ یہ گمان کرتا رہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمان کی بنا پر میں ضرور اس کام میں مبتلا ہونے والا ہوں یہاں تک کہ میں مبتلا ہو گیا۔(امام احمدؒ، اور دلائل النبوۃ بیہقی)

58/5016۔سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اپنے بھائی کو ڈراتے ہوئے ایک نگاہ 7 بھی دیکھے تو اللہ تعالی اس کو قیامت کے دن ڈرائے گا۔(امام بیہقی۔شعب الایمان)

59/5017۔سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا یعنی وہ شخص جو لوگوں سے عشر (دسواں حصہ) لیتا ہے۔(احمد،ابوداؤد،دارمی)

60/5018۔سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ قیس بن سعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے ہی رہتے تھے جیسے کسی امیر کے پاس اس کے احکام جاری کرنے والا رہتا ہے۔(بخاری)

61/5019۔سیدنا کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم کو بیوقوفوں کی امارت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔انہوں نے کہا وہ کیا ہے یارسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب میرے بعد چند امراء ہونگے۔جو ان کے پاس داخل ہوکر ان کے جھوٹ پر ان کی تصدیق کرے اور ان کے ظلم پر ان کی مدد کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہیں۔اور میں ان سے نہیں۔اور وہ ہرگز میرے پاس حوض پر وارنہیں ہونگے۔اور جو ان کے پاس داخل نہ ہوں اور نہ ان کے جھوٹ پر ان کی تصدیق کریں اور نہ ان ظلم پر ان کی مدد کریں تو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہو اور وہ لوگ میرے پاس حوض پر دارد ہونگے۔(ترمذی،نسائی)

62/5020۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی گاؤں میں رہا اس نے ظلم کیا اور جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل رہا اور جو بادشاہ کے پاس آیا فتنہ میں پڑا۔ (احمد،ترمذی،نسائی)

---

7 قولہ :من نظر الی اخیه نظرۃ یخیفه الخ (جو آدمی اپنے بھائی کو ڈراتے ہوئے ایک نگاہ بھی دیکھے) اس باب میں اس حدیث کو لانے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جب محض ڈرانے پر قیامت کے دن سزا مرتب ہورہی ہے تو اس سے بڑھ کر ظلم کی قسموں کا کیا حال ہوگا۔

اس حدیث شریف کے مفہوم سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ جو کوئی اپنے بھائی کو رحمت وشفقت کی نگاہ سے دیکھے تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس پر نظر عنایت فرمائے گا۔(مرقات)

63/5021۔ابو داؤد کی روایت میں ہے: جو آدمی بادشاہ کو لازم کر لیا وہ فتنہ میں پڑا اور جو کوئی بندہ بادشاہ سے قربت میں زیادہ ہوا تو وہ اللہ تعالی سے دوری میں زیادہ ہوگا۔

64/5022۔یحییٰ بن ہاشمؒ، یونس بن ابی اسحاقؒ سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جیسے تم ہوں گے ویسا ہی تم پر امیر مقرر رہوگا'' (امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس کی روایت کی ہے)

65/5023۔سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالی فرماتا ہے میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ بادشاہوں کے دل میرے دست قدرت میں ہیں اور بے شک جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان پر رحمت و شفقت کے ساتھ موڑ دیتا ہوں اور بے شک جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان پر ناراضگی اور سزا کے ساتھ موڑ دیتا ہوں تو وہ ان کو برا عذاب چکھاتے ہیں پس تم بادشاہوں پر بددعا کرنے میں اپنے آپ کو مشغول مت رکھو بلکہ ذکر اور گریہ وزاری میں اپنے آپ کو مشغول رکھو تاکہ میں تمہارے لئے تمہارے بادشاہوں کے مقابلہ میں ہوجاؤں۔(ابونعیم نے حلیہ میں اس کی روایت کی)۔

66/5024۔سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنی بادشاہ بنالیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی[8] جس نے کسی عورت کو حاکم بنایا ہو۔(بخاری)۔

67/5025۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ستر کے دہے کے آغاز اور بے وقوفوں کی حکومت سے اللہ تعالی کی پناہ مانگو۔(احمد)

---

[8] **قولہ: لن یفلح قومٌ ولوا امرھم امراۃ** (وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے عورت کو اپنا حاکم بنایا) صاحب درمختار نے کہا کہ امیر کو مقرر کرنا اہم واجبات میں سے ہے اسی لئے انہوں نے (صحابہ) صاحب معجزات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تدفین پر اس کو مقدم کیا۔ اور امیر کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان، آزاد، مرد، عاقل و بالغ صاحبِ قدرت اور قبیلہ قریش سے ہو، اس کا ہاشمی، علوی اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(1/175) بَابُ مَا عَلَى الْوُلَاةِ مِنَ التَّيْسِيْرِ

حاکموں کے ذمہ سہولت فراہم کرنے کا بیان

1/5026 ۔سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو اپنے کسی کام پر روانہ فرماتے تو ارشاد فرماتے خوشخبری دیا کرو نفرت مت پیدا کرو آسانی فراہم کرو سختی مت کرو۔(متفق علیہ)

2/5027 ۔سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسانی پیدا کرو اور تنگی میں مت ڈالو راحت پیدا کرو نفرت مت پیدا کرو۔(متفق علیہ)

3/5028 ۔ابن ابی بردہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا ابوموسیٰؓ کو اور معاذؓ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا تم دونوں آسانیاں فراہم کرو اور تنگی میں مت ڈالو خوشخبری دیا کرو نفرت مت پیدا کرو ایک دوسرے سے موافقت کرو باہم اختلاف مت کرو۔(متفق علیہ)

4/5029 ۔سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر عہد شکن کے لئے اس کی سرین کے پاس قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا۔

5/5030 ۔اور ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جو اس کی عہد شکنی کے بقدر اونچا کیا جائے گا۔آگاہ [1] رہو عوام سے عہد شکنی کرنے والے حاکم سے بڑھ

---

[1] قولہ: الا ولا غادر اعظم غدرا من امیر عامۃ (آگاہ رہو عوام سے عہد شکنی کرنے والے حاکم سے بڑھ کر کوئی عہد شکن نہیں ہے) امام نوویؒ نے فرمایا اس میں عہد شکنی کی سخت حرمت کا بیان ہے خاص طور پر عوام کے صاحبِ اقتدار کے لئے کیونکہ اس کی عہد شکنی کا نقصان مخلوقِ کثیر کو پہنچتا ہے۔مشہور تو یہ ہے کہ یہ حدیث شریف عہد شکن کی مذمت میں وارد ہوئی ہے اور اس کی طرف سے اس امانت سے متعلق ہے جس کی رعایا کے حق میں اس نے ذمہ داری قبول کی ہے اور اس کی انجام دہی اور حفاظت کو اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا پس جب اس نے ان کے ساتھ خیانت کی یا ان پر شفقت ومہربانی کرنا ترک کیا ہے تو یقیناً اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس حدیث میں رعایا کو امیر کے ساتھ عہد شکنی کرنے سے روکا گیا ہو کہ وہ اس کی جمعیت کو منتشر نہ کریں اور اس کی وجہ سے جس فتنہ کے واقع ہونے کا اندیشہ کیا جارہا ہے وہ اس کے درپے نہ ہوں۔لیکن قابل ترجیح پہلا مفہوم ہے جیسا کہ مرقات میں ہے۔12

کر کوئی عہد شکن نہیں ہے۔(مسلم)

6/5031۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عہد شکن کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی کی علامت ہے۔(متفق علیہ)

7/5032۔سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر عہد شکن کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس کے ذریعہ وہ پہچانا جائے گا۔

8/5033۔سیدنا عمرو بن مرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے معاویہؓ سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص کو اللہ تعالی مسلمانوں کے کسی معاملہ کا والی مقرر فرمائے اور وہ ان کی ضرورت، اور تنگدستی کو دور کرنے کا موقع ہو تو وہ منہ چھپا لیتا ہے 2 تو اللہ تعالی اس حاکم کی ضرورت وعرضداشت اور تنگ دستی سے حجاب فرمالیتا ہے۔چنانچہ معاویہؓ نے لوگوں کی ضرورتوں پر ایک شخص کو مقرر فرمادیا۔(ابوداؤد، ترمذی)

9/5034۔اور ترمذی اور احمد کی ایک روایت میں **اغلق الله له ابواب السماء دون خلته و حاجته و مسكنه** (اللہ تعالی اس کی درخواست، ضرورت ومحتاجی کے وقت آسمان کے دروازے کو بند کردیتا ہے) کے الفاظ ہیں۔

10/5035۔سیدنا ابوشماخ ازدی اپنے ایک چچازاد بھائی سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ وہ معاویہؓ کے پاس آئے اور ان سے ملاقات کی تو فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جب کسی کو لوگوں کے کسی معاملہ کا والی مقرر کیا جائے پھر وہ مسلمانوں کے لئے یا مظلوم کے لئے یا ضرورتمند کیلئے دروازے کو بند کردے اللہ تعالی اس کے لئے اس کی ضرورت اور پہلے سے زیادہ اس کی محتاجی کے موقع پر اپنی رحمت کے دروازے بند کردیتا ہے۔(بیہقی۔شعب الایمان)

11/5036۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب اپنے حکام کو

---

2 قولہ: **فاحتجب دون حاجتهم الخ** (اور وہ ان کی ضرورت، اور تنگدستی کو دور کرنے کا موقع ہو تو منہ چھپا لیتا ہے) درمختار میں ہے: حاکم مسجد میں فیصلہ کرے اور لوگوں کی سہولت کی خاطر وسط شہر کی مسجد کا انتخاب کرے۔اس طرح بادشاہ، مفتی اور فقیہ بھی، یا پھر اپنے گھر میں (فیصلہ کرے) اور سب کے لئے عام اجازت دے۔

روانہ فرماتے تو ان پر شرط لگاتے کہ تم عمدہ سواری پر سوار مت ہو اور میدہ کی روٹی مت کھاؤ اور باریک کپڑے مت پہنو اور لوگوں کی ضرورتوں کے وقت اپنے دروازوں کو بند مت کرو اگر تم نے ان میں سے کوئی چیز کی تو تم پر سزا مقرر ہو چکی پھر وہ ان کو رخصت[3] فرماتے۔

[3] قولہ: **ثم یشیعھم** (پھر وہ ان کو رخصت فرماتے) مرقات میں ہے مشایعت (رخصت کرنا) مستحب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(2/176) بَابُ الْعَمَلِ فِي الْقَضَاءِ وَالْخَوْفِ مِنْهُ

منصب قضاء کی انجام دہی اور اس سے خوف کرنے کا بیان

1/5037۔سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی فیصلہ 1 کرنے والا دو آدمیوں کے درمیان اس وقت ہرگز فیصلہ نہ کرے جب کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔(متفق علیہ)۔

2/5038۔عبداللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت ہے ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم نے کوئی فیصلہ کیا اور اس میں (طلب حق کے لئے) کوشش کی اور صحیح فیصلہ کیا تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور جب اس نے فیصلہ کیا اور اس میں (طلب حق کے لئے) کوشش بھی کی مگر 2 خطاء ہوئی تو اس کو ایک اجر ملے گا۔(متفق علیہ)

1 قولہ: لا يقضين حكم بين اثنين وهو غضبان (دو آدمیوں کے درمیان اس وقت ہرگز فیصلہ نہ کرے جب کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو) یعنی حاکم کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ غصہ غور وفکر سے روکتا ہے اسی طرح سخت گرمی اور سردی اور بھوک و پیاس اور بیماری کی حالت میں فیصلہ نہ کرے اگر وہ ان حالتوں میں فیصلہ کر بھی دے تو اس کا یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا مگر اس کا یہ عمل مکروہ ہے۔(مرقات، عالمگیری)

2 قولہ: اذا حكم الحاكم فاجتهد واخطاء فله اجر واحد (جب اس نے فیصلہ کیا اور اس میں (طلب حق کے لئے) کوشش بھی کی مگر خطاء ہوئی تو اس کو ایک اجر ملے گا) امام نوویؒ نے فرمایا علماء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا ہر مجتہد مصیب (ٹھیک فیصلہ کرنے والا) ہوتا ہے یا صحیح فیصلہ کرنے والا ان میں کوئی ایک ہوتا ہے اور یہ وہی ہے جس کا فیصلہ اس حکم کے مطابق ہو جو اللہ تعالی کے پاس ہے اور دوسرا غلطی پر ہوتا ہے اس میں امام شافعیؒ ان کے اصحاب رحمہ اللہ کے پاس دراصل مجتہد مخطی ہوتا ہے کیونکہ اس کو مخطی (خطا کرنے والا) کہا گیا ہے اگر وہ مصیب (صحیح فیصلہ پر پہنچنے والا) ہوتا تو اس کو مخطی نہیں کہا جاتا اور یہ ایسی صورت پر محمول ہوتا ہے کہ مجتہد سے نص میں خطا ہو جائے یا ایسی چیز میں اجتہاد کرے جس میں اجتہاد نہیں ہوتا۔اور جو حضرات پہلی صورت یعنی مجتہد مصیب ہوتا ہے کی طرف گئے ہیں تو ان کا کہنا یہ ہے کہ مخطی کے لئے اجر مقرر کیا گیا ہے اور اگر وہ حق پر نہ ہوتا تو اس کے لئے اجر نہیں ہوتا۔اور یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اجتہاد کا اہل ہو۔اور لیکن جو آدمی فیصلہ کرنے کا اہل نہ ہو تو اس کو فیصلہ دینا جائز نہیں ہے۔اور اس کا فیصلہ نافذ بھی نہیں ہوگا خواہ اس کا فیصلہ حق کے موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ اس کا یہ صحیح فیصلہ اتفاقی طور پر ہے اور وہ اپنے تمام فیصلوں میں گنہگار ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسے مسائل جس کا بیان کتاب وسنت میں اور اجماع میں نہیں ہے اور اس کے لئے قیاس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے تو وہ شخص قبلہ کے لئے تحری کرنے والے کی طرح ہے پس بلاشبہ وہ مصیب ہے۔اگرچیکہ وہ غلطی کرے۔(مرقات)

3/5039 ۔سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قاضی بنا کر یمن کو روانہ فرمایا3 تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے روانہ فرما رہے ہیں حالانکہ میں نوعمر ہوں اور فیصلہ کرنے کا مجھے علم بھی نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی تمہارے قلب کو ہدایت دے گا اور تمہاری زبان کو جمائے رکھے گا۔ جب دو آدمی تمہارے پاس فیصلہ کے لئے آئیں تو تم جب تک دوسرے کی بات نہ سنو پہلے کے لئے فیصلہ مت کرو۔ کیونکہ یہ طریقہ زیادہ لائق ہے کہ تمہارے لئے فیصلہ اچھی طرح ظاہر ہو جائیگا۔ آپ (علیؓ) کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی کسی فیصلہ میں شک نہیں کیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

4/5040 ۔سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک جنت میں جانے والا اور دوسرا دوزخ میں جانے والا ہے۔ اب رہا

3قولہ:" بَعَثَنِی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الیمن قاضیاً"الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قاضی بنا کر یمن کو روانہ فرمایا) صاحب ہدایہ نے کہا: کسی کو قاضی مقرر کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ اس میں جس کو مقرر کیا جا رہا ہے شہادت کے شرائط پائے نہ جائیں اور تاوقتیکہ وہ اجتہاد کی اہلیت والا نہ ہو۔ اور صاحب بنایہ نے کہا کہ ہمارے (احناف) کے پاس یہ اولویت کے شروط میں سے ہے (یعنی بہتر ہے یہ شروط پائے جائیں) ورنہ یہ شرط جواز کے لئے نہیں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جواز کے لئے شرط ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اسی کو اختیار کئے ہیں اور شافعیہ کی کتاب وجیز میں ہے کہ فیصلہ کرنے کے لئے چند صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔

1۔ مرد ہونا 2۔ آزاد ہونا 3۔ مجتہد ہونا

4۔ صاحب بصیرت ہونا 5۔ پرہیزگار انصاف کرنے والا ہونا۔

اسی لئے عورت، نابینا، بچہ، فاسق، جاہل اور مقلد کا فیصلہ کرنا جائز نہیں (انتہی) اور امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الاصل میں ذکر کیا ہے: مقلد کا قاضی (جج) بننا جائز نہیں ہے۔ اور امام خصاف رحمہ اللہ نے اس کے جواز کی بات بتائی ہے آپ نے فرمایا کہ قاضی اگر وہ صاحب رائے ہے تو اپنی ذاتی اجتہاد سے فیصلے کرے گا اور اگر وہ صاحبِ رائے نہ ہو تو کسی دوسرے فقیہ سے پوچھ لے گا اور اس کے قول کو اختیار کرے گا۔ اور جواز قضاء کے لئے اجتہاد کے شرط نہ ہونے کی دلیل امام ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کی تخریج کردہ یہ حدیث ہے:

سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے روانہ فرما رہے ہیں۔ میں کم عمر ہوں اور مجھے فیصلہ کرنے کا علم بھی نہیں۔ (الحدیث) اور اس کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور شیخین نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی ہے اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت اہلِ اجتہاد میں سے نہیں تھے۔

جنت میں جانے والا تو وہ ایسا قاضی ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا اور وہ آدمی جس نے حق کو پہچانا اور اس کے بعد فیصلہ کرنے میں ظلم کیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور وہ آدمی جس نے جہالت کے ساتھ (حق کو نہ جان کر بھی) فیصلہ کیا پس وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔ 4 (ابوداؤد، ابن ماجہ)

5/5041 ۔سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

4 قولہ: "و رجلٌ قضٰی للناس علی جھلٍ فھو فی النار" (وہ آدمی جو جہالت کے ساتھ فیصلہ کیا تو وہ بھی دوزخ میں جائے گا) اور صاحب ہدایہ نے کہا جاہل کا کیا ہوا فیصلہ بھی ہمارے پاس صحیح ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اور وہ یعنی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قضاء کے منصب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پر آدمی کو قدرت ہو اور بغیر علم کے قدرت نہیں آتی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کوئی دوسرا فتویٰ دے اور یہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اسی سے قضاء کا مقصد پورا ہو جائیگا۔ اور قضاء کا مقصد یہ ہے کہ حق دار کو اس کا حق دیا جائے۔

''فتاویٰ عالمگیریہ'' میں ہے اگر جاہل کو مقرر کیا گیا اور اس نے دوسرے کے فتوی کے مطابق فیصلہ کیا تو جائز ہے۔ ''کتاب ملتقط'' میں ایسا ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود جاہل کو فیصلہ کے لئے مقرر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور کتاب ''بنایہ'' میں ہے: ''اگر تم یہ کہو کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے: (اور ایسا آدمی جو حق سے واقف نہیں ہے اور اسی ناواقفیت سے اس نے فیصلہ دیا تو وہ دوزخ میں ہے) تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ حدیث شریف ایسے جاہل سے متعلق ہے جو اپنی جہالت پر عمل کرتا ہے، اور دوسرے کی طرف مسئلہ میں رجوع نہیں کرتا۔ (انتھی)

اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے: اور قضا (کے منصب کو قبول کرنے) کی پانچ صورتیں ہیں۔

1۔ **واجب**: وہ یہ ہے کہ آدمی اس کے لئے متعین ہو جب کہ کوئی دوسرا اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو۔

2۔ **مستحب**: اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی صلاحیت رکھنے والا دوسرا پایا جاتا ہو لیکن یہ شخص اس کے لئے زیادہ باصلاحیت اور زیادہ مناسب ہو۔

3۔ **مخیّر فیہ**: یعنی منصب قضاء کو قبول کرنے میں اس کو اختیار ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی اس کی صلاحیت اور اہتمام میں برابر درجہ کے ہوں تو ایسی صورت میں اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو قبول کرے اور چاہے تو قبول نہ کرے۔

4۔ **مکروہ**: اس کی صورت یہ ہے کہ یہ منصب قضاء کے لائق ہے مگر دوسرا اس سے زیادہ باصلاحیت ہے۔

5۔ **حرام**: ایسی صورت میں ہے کہ وہ خود اپنے بارے میں جانتا ہو کہ وہ اس منصب سے عاجز ہے اور انصاف نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ اپنے باطن کو جانتا ہے کہ خواہشِ نفس کے پیچھے جائے گا جس کو دوسرے لوگ نہیں جانتے تو ایسی صورت میں اس پر حرام ہے۔ (خزانۃ المفتین)

وسلم نے ان کو جب یمن کی طرف روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا جب تمہیں کوئی فیصلہ کرنے کی نوبت پیش آئے تو تم کس طرح فیصلہ کروگے 5؎ تو انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی کتاب سے

5؎قولہ : کیف تقضی اذا عرض لک قضاء الخ (جب تمہیں کوئی فیصلہ کرنے کی نوبت پیش آئے تو تم کس طرح فیصلہ کروگے) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے قاضی کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ کرے اور اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جو ناسخ ومنسوخ ہے اس سے واقف رہے پھر ناسخ میں محکم کو جانے اور متشابہ جس کی تاویل میں اختلاف ہے اس سے بھی واقف ہو جیسے لفظ اقراء ہے پس اگر وہ کتاب اللہ میں نہ پائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ سے فیصلہ کرے گا اس لئے اس کو چاہئے کہ احادیث میں سے ناسخ ومنسوخ کو جانے اور اگر احادیث شریفہ میں تعارض معلوم ہورہا ہے تو وہ اس حدیث کو اختیار کرے جو صحت سے زیادہ مشابہ ہے اور جس کی طرف اس کے اجتہاد کا میلان ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ حدیث متواتر حدیث مشہور اور اخبار آحاد سے واقف رہے اور راویوں کے مراتب سے واقف ہو۔ کیونکہ رواۃ میں ایسے بھی ہیں جو فقہ اور عدالت میں مشہور ہیں جیسے خلفائے راشدین ہیں اور عبادلہ اربعہ اور ان کے سوا دیگر دوسرے رواۃ ہیں۔ اور ان میں بعض رواۃ ایسے ہیں جو مشہور ہیں طول صحبت اور حسن ضبط یعنی استاد کے ساتھ زیادہ مدت تک رہنے اور اچھے حافظہ میں مشہور ہیں اور اس راوی کی روایت لینا جو فقہ میں مشہور ہے زیادہ بہتر ہے اس کی روایت لینے سے جو فقہ میں مشہور نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی روایت لینا جو اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ مدت رہے ہیں زیادہ بہتر ہے۔ ان کی روایت لینے سے جو طویل صحبت میں مشہور نہیں ہیں۔

اور اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت وارد نہیں ہے تو اس میں ایسی چیز سے فیصلہ کریں گے جس پر صحابہ علیہم الرضوان کا اجماع ہوا ہے کیونکہ صحابہ کے اجماع پر عمل کرنا واجب ہے اور اگر صحابہ اس واقعہ کے سلسلہ میں مختلف ہوں تو اجتہاد کیا جائے گا اور بعض کے قول کو بعض پر اجتہاد سے ترجیح دیں گے جب کہ وہ (فیصلہ کرنے والا) اہلِ اجتہاد سے ہو۔ اور اس کو تمام صحابہ کے خلاف جا کر کوئی تیسری نئی بات نکالنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اس اختلاف کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے ان دو قول کے علاوہ کوئی اور قول باطل ہے۔ اور خصاف رحمہ اللہ تعالیٰ یہ بات فرمایا کرتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کا اختلاف اس بات پر دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کے لئے گنجائش موجود ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم بیان کئے ہیں اور اگر صحابہ کسی حکم پر اتفاق کریں اور تابعین میں سے کوئی اس کی مخالفت کریں اور مخالفت کرنے والے صاحب صحابہ کے زمانہ کو نہ پاتے ہوں تو ان کا اختلاف قابل اعتبار نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر قاضی صحابہؓ کے اجماع کے خلاف ان کے قول پر فیصلہ کرے تو ان کا فیصلہ باطل ہے۔ اور اگر اختلاف کرنے والے صاحب، صحابہؓ کے زمانہ کو پانے والے ہیں اور فتوے میں ان کے ساتھ شریک رہے ہیں اور وہ (صحابہؓ) ان کے لئے اجتہاد کی اجازت دیتے ہیں۔ جیسے شریحؒ اور شعبیؒ ہیں۔ ایسے تابعی اگر مخالفت کرتے ہیں تو اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ اگرچہ بعض تابعین سے اس طرح کی بات آئی ہے اور ان کے سوا دوسروں سے کوئی اور چیز منقول نہیں ہے پس امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں آئی ہیں۔......

فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسے اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ تو؟ انہوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے (فیصلہ کروں گا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر رسول اللہ (ﷺ) کی سنت میں نہ پاؤ تو؟ انہوں نے کہا تو میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر تھپتھپایا اور فرمایا تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اللہ کے رسول کے رسول (قاصد) کو ایسی بات کی توفیق دی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

......ایک روایت میں ہے کہ میں ان کی تقلید نہیں کرتا اور یہ ظاہر مذہب ہے اور نوادر کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ تابعین میں سے جو حضرات صحابہ کے زمانہ میں فتوی دیئے ہیں اور وہ (صحابہؓ) اجتہاد کی ان کو اجازت دیئے ہیں۔ جیسے شریحؒ، مسروق بن اجدعؒ اور حسن بصری ہیں تو میں ان کی تقلید کرتا ہوں ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔

پس اگر کسی چیز میں صحابہؓ سے کوئی قول مروی نہیں ہے اور تابعین کا اس میں اجماع ہے تو اسی اجماع کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور اگر اس میں ان کے مابین اختلاف ہو تو ان میں سے کسی ایک کے قول کو ترجیح دے کر اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور اگر ایسا کوئی اجماع نہ ہو اور وہ (فیصلہ کرنے والا) اہلِ اجتہاد میں سے ہو تو وہ اس کو اس جیسے احکام پر قیاس کرے گا اور اپنی رائے اس میں اجتہاد کرے گا اور حق تک پہنچنے کے لئے کوشش کرے گا پھر اپنی رائے سے فیصلہ دے گا۔ اور اگر وہ اہلِ اجتہاد سے نہ ہو تو اس میں فتویٰ طلب کرے گا اور مفتی کے فتوی کو اختیار کرے گا اور بغیر علم کے کوئی فیصلہ نہیں دے گا اور سوال کرنے سے نہیں شرمائے گا پھر دو اور مسئلوں کو جاننا ضروری ہے۔

1۔ جب ہمارے اصحاب امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کسی مسئلہ میں اتفاق کرلیں تو ایسی صورت میں قاضی اپنی رائے سے ان کی مخالفت نہیں کرسکتا۔

2۔ اگر یہ حضرات آپس میں اختلاف کریں تو عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ تابعین میں سے ہیں اور فتوی (دینے) میں ان کے ساتھ شریک رہے ہیں۔ محیط سرخی میں ایسا ہی ہے۔ اور اگر امام ابوحنیفہؒ سے اور آپ کے اصحاب سے کوئی روایت پائی نہ جائے اور متاخرین سے کوئی روایت آئی ہو تو اس کے مطابق فیصلہ دیا جائے گا۔ اور اگر متاخرین اس میں اختلاف کریں تو کسی ایک کو اختیار کریں گے اور متاخرین سے اس میں کوئی روایت نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے گا جب کہ وہ وجوہ فقہ کو جانتا ہو اور اس معاملہ میں فقہ جاننے والوں سے مشورہ کیا جائے گا۔

درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ قاضی، مفتی کی طرح سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو علی الاطلاق اختیار کرے گا پھر امام ابو یوسف، امام محمد پھر امام زفر اور حسن بن زیاد رحمہم اللہ کے قول کو اختیار کرے گا یہ بات زیادہ درست ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چیزوں میں جو قضاء (فیصلہ جات) سے تعلق رکھتی ہیں فتویٰ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول پر ہوگا کیونکہ ان کو اس میں زیادہ تجربہ ہے۔

6/5042۔سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی منصب قضاء کی خواہش 6 کرے گا اور اس کو طلب کرے گا تو وہ اس کے نفس کے حوالہ کر دیا جائے گا اور جو شخص اس کے لئے مجبور کیا جائے گا تو اللہ تعالی اس پر ایک فرشتہ کو اتارے گا جو اس کو ٹھیک کرتا رہے گا۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

7/5043۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی مسلمانوں کے منصب قضا کو طلب کرے یہاں تک کہ وہ اس کو حاصل کرلے پھر اس کا عدل وانصاف اس کے ظلم پر غالب رہے تو اس کے لئے جنت ہے اور جس آدمی کا ظلم اس کے عدل وانصاف پر غالب رہے تو اس کے لئے دوزخ ہے۔(ابوداؤد)

8/5044۔سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالی قاضی کے ساتھ رہتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔پس جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالی اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان اس کیساتھ ہو جاتا ہے۔(ترمذی،ابن ماجہ)

9/5045۔اور ایک روایت میں ہے کہ جب وہ ظلم کرتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیتا ہے۔

10/5046۔سیدنا سعید بن مسیّب رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس مقدمہ لے کر گئے پس آپ نے حق یہودی کے لئے دیکھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے اس کا فیصلہ فرما دیا تو آپ سے یہودی نے عرض کیا اللہ کی قسم بلاشبہ آپ نے حق کا فیصلہ فرمایا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو درہ لگایا اور فرمایا تجھ کو کیا معلوم ہے؟ تو یہودی نے کہا اللہ کی قسم بے شک ہم تورات میں پاتے ہیں کہ جو کوئی قاضی حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اس کے دائیں ایک فرشتہ اور بائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کو ٹھیک راستہ دکھاتے ہیں۔اور حق

---

6 **قولہ: من ابتغی القضاء الخ** (جو آدمی منصب قضاء کی خواہش کرے گا) اسی لئے درمختار اور ردالمحتار میں ہے منصب قضاء کی دل میں خواہش نہ رکھے اور زبان سے اس کا سوال بھی نہ کرے۔کتاب ''خلاصہ'' میں ہے اقتدار کے طلب گار کو اقتدار نہیں دیا جائے گا۔لیکن جب کوئی آدمی اس منصب کے لئے متعین ہو جائے اس طرح کہ اس کے سوا کوئی دوسرا منصب قضاء کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ایسے شخص پر واجب ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ظالموں کے ظلم کو دفع کرنے کے لئے اس منصب قضاء کو طلب کرے اور علماء شافعیہ اور مالکیہ کے پاس ایسے آدمی کے لئے جو غیر معروف ہے علم کی اشاعت کی خاطر منصب قضاء کو طلب کرنا مستحب ہے۔

کی موافقت رکھتے ہیں جب تک کہ وہ حق کے ساتھ رہے، جب وہ حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ دو فرشتے (آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔(مالک)۔

11/5047۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا جائے تو یقیناً وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔7

7۔قولہ :من جعل قاضیاً بین الناس فقد ذبح بغیر سکین یعنی (جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا جائے تو وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا) عالمگیری میں ہے مفت فقیہ خصافؒ نے ''ادب القاضی'' میں عہدہ قضاء کو قبول کرنے کی کراہت اور رخصت کی بابت احادیث شریفہ کو ذکر کیا ہے انھوں نے کہا ہے کہ صالحین کی ایک جماعت نے اس منصب کو اختیار کیا ہے جب کہ صالحین کی ایک جماعت نے اس سے گریز کیا ہے۔اور اس کو اختیار نہ کرنا ہی زیادہ بہتر و سلامتی کا باعث، درست کام اور دین میں زیادہ مناسب ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کسی شخص میں قضاء کے جملہ شرائط جمع ہوجانے کے بعد آیا اس کے لئے قضاء کو قبول کرنا جائز ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہے اس کے لئے قضاء کو قبول کرنا مکروہ ہے ''محیط'' میں اسی طرح ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے جو شخص ''قضاء'' میں مبتلا کیا جائے تو گویا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔اور عبداللہ بن وھب رحمہ اللہ اپنے گھر چلے گئے اور جو کوئی آپ کے گھر، آپ کے پاس آتا تو اس کے چہرہ کو نوچ دیتے۔اور اس کے کپڑے پھاڑ دیتے پس صحابہ میں سے ایک بزرگ روشن دان میں سے آئے اور انھوں نے کہا اے ابوعبداللہ اگر آپ قضاء کو قبول کریں اور انصاف کریں تو زیادہ بہتر ہے تو انہوں نے کہا اے شخص کیا تیری یہی عقل ہے کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہیں سنا، قاضی حضرات بادشاہوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور حضرات علماء انبیاء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔اور یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کو عہدہ قضاء پیش کیا گیا تو آپ نے انکار کیا یہاں تک کہ آپ کو نود (90) کوڑے لگائے گئے اور آپ کو اپنی جان کا اندیشہ ہوگیا تو اپنے اصحاب سے آپ نے مشورہ کیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کو آپ کے لئے مناسب قرار دیا کہ اگر آپ اس کو اختیار فرمائیں تو لوگوں کو آپ نفع پہنچا سکیں گے۔تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر مجھ کو حکم دیا جاتا کہ میں سمندر کو تیر کر پار کروں تو مجھ سے یہ ہوسکتا تھا۔پس آپ اپنا سر جھکائے اور اس کے بعد ان کی طرف نہیں دیکھا۔اسی طرح خزانۃ المفتیہ میں ہے۔پھر اس کو حضرت امام محمدؒ پر پیش کیا گیا تو آپ بھی انکار کئے یہاں تک کہ آپ کو لا کر قید کیا گیا اور مجبور کیا گیا تو آپ نے اس کو قبول کیا۔(عنایہ شرح ہدایۃ) امام کرخی اور خصاف اور علماء عراق نے فرمایا اور اسی کو صاحب مذہب نے اختیار کیا ہے کہ جب تک اس کے لئے مجبور نہ کیا گیا ہو قبول کرنا مناسب نہیں ہے۔ہمارے ملک کے مشائخ (علماء کرام) نے فرمایا اس شخص کے لئے جو باصلاحیت ہے اور اپنے اوپر اعتماد ہو کہ وہ ناانصافی نہیں کرے گا تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔کوئی دوسرا ہو تو خود اس سے دور رہنا بہتر ہے کیونکہ......

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

12/5048۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی حاکم لوگوں کے درمیان اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ ایک فرشتہ اس کی گدی کو پکڑے ہوئے ہوگا پھر وہ فرشتہ اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھائے گا اگر (اللہ تعالی) اس کو (دوزخ میں) ڈالدینے کے لئے کہے تو وہ اس کو گڑھے میں ڈال دے گا (جس کی گہرائی) چالیس سال کی ہوگی۔ (احمد، ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان)

13/5049۔ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا عادل قاضی کے لئے بھی قیامت کے دن ایک ایسا وقت آئے گا وہ تمنا کرے گا کہ کاش کسی دو آدمیوں کے درمیان بھی وہ کسی کھجور کے بارے میں کبھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ (احمد، دارقطنی)

14/5050۔ ابن موھب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو انہوں نے کہا اے امیر المومنین آپ مجھے معاف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا تم کیوں اس کو ناپسند کررہے ہو۔ جب کہ تمہارے والد قضاۃ کا کام کیا کرتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص قاضی ہو اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرے تو وہ لائق ہے کہ وہ اس سے

......صحابہ رضی اللہ تعالی عنھم اور ان کے بعد آنے والے (تابعین) نے بلا کراہت اس کو قبول کیا ہے۔ کردری کی کتاب ''وجیز'' میں اسی طرح ہے البتہ وہ شخص اپنے فیصلے کرنے میں ظلم وزیادتی کا اندیشہ کرتا ہے تو اس کے لئے اس منصب کو قبول کرنا مکروہ ہے اور جس کو اس کا اندیشہ نہ ہو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے اسی طرح کتاب ''کافی'' میں ہے۔ اور کتاب ''ینابیع'' میں ہے کہ اس پر فائز ہونے کے لئے مطالبہ کرنا اور اس کا سوال کرنا کسی بھی شخص کے لئے مناسب نہیں۔ مطالبہ کی صورت یہ ہے کہ امام سے کہے: مجھے عہدہ قضاء پر فائز کیجئے اور سوال کی صورت یہ ہے کہ لوگوں سے یوں کہے کہ اگر امام مجھے شہر کے عہدہ قضاء پر فائز کرے تو میں اس کو قبول کرونگا اور اس کو اس بات کی حرص ہو کہ یہ بات امام تک پہنچے۔ تو وہ اس کو عہدہ پر فائز کرے گا اور اس کے لئے یہ سب مکروہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا جس شخص کو سوال کئے بغیر اس عہدہ پر فائز کیا جائے تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جو شخص اس عہدہ کے لئے سوال کرے تو وہ اس کے لئے مکروہ ہے۔ اور علماء کرام کا عمومامذہب یہ ہے کہ قضاء کے منصب کو اختیار کرنا رخصت ہے اور اس سے بچنا عزیمت ہے۔ کتاب سراجیہ میں ہے کہ یہی قول مختار ہے (تاتارخانیہ)۔

برابر برابر عہدہ برآ ہو۔ پھر آپ نے اس سے دوبارہ نہیں فرمایا۔ (ترمذی)

15/5051۔اور رزین کی ایک روایت میں نافع رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ ابن عمرؓ نے عثمانؓ سے کہا: اے امیر المومنین میں کسی دو آدمیوں کے درمیان بھی فیصلہ نہیں کرونگا۔آپ نے فرمایا تمہارے والد تو قضاء کا کام کرتے تھے تو انہوں نے کہا اگر ان کے لئے کوئی مشکل ہوتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اشکال ہوتا تو آپؐ جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرماتے۔اور میں تو کسی کو نہیں پاتا ہوں کہ جس سے دریافت کرسکوں۔اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو اللہ کی پناہ مانگے اس نے بڑی ذات کی پناہ مانگی ہے اور میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو اللہ کی پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دو اور میں بے شک اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ آپ مجھ کو قاضی مقرر فرمائیں پس آپ نے ان کو معاف فرمادیا اور فرمایا کسی کو اس کی اطلاع مت دو۔

(3/177) بَابُ رِزْقِ الْوُلَاةِ وَهَدَايَاهُمْ

حاکموں کے لئے روزینہ اور تحائف کا بیان

1/5052۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ میں تم کو دیتا ہوں اور نہ تم سے روک لیتا ہوں۔ میں تقسیم کرنے والا ہوں میں وہیں رکھتا ہوں جہاں مجھے حکم دیا گیا ہے۔ (بخاری)

2/5053۔ سیدتنا خولہ انصاریہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک کچھ لوگ اللہ تعالی کے مال میں ناحق تصرف 1 کرتے ہیں پس ان کے لئے قیامت کے دن آگ ہے۔ (بخاری شریف)

3/5054۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مامور کیا پھر اس کے لئے کچھ روزینہ مقرر کر دیا پس اس کے بعد جو کچھ بھی لے گا تو وہ خیانت ہے۔ (ابوداؤد)

4/5055۔ سیدنا معاذ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا پس جب میں روانہ ہوا تو آپ ﷺ نے میرے پیچھے حکم بھیجا پس میں واپس بلوالیا گیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں بلا بھیجا ہے؟ میری اجازت کے بغیر کوئی چیز 2 ہرگز نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہے اور جو شخص خیانت کرتا ہے تو وہ قیامت کے دن اس چیز

---

1 قولہ: ان رجالا يتخوضون فی مالِ الله بغير حق فلهم النار يوم القيامة (بے شک کچھ لوگ اللہ تعالی کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں تو ان کے لئے قیامت کے دن آگ ہے) یہاں ''خوض'' سے مراد بیت المال اور مال غنیمت وغیرہ میں ناحق تصرف کرنا ہے اور اس میں سے مقررہ مقدار سے بڑھ کر لینا ہے اور یہ حکم حکام اور رعایا ہر دو کے تصرف کو اور ان کی روزینہ و مقررہ حصہ سے زائد لینے کو شامل ہے۔ (کذا فی اللمعات)

2 قولہ: لا تصيبن شيئا بغير اذنی الخ (میری اجازت کے بغیر کوئی چیز ہرگز نہ لینا) اس میں حکام کے تحائف کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تفصیل یوں ہے کہ ہدیہ قبول کرنا شریعت میں مستحب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہدیہ کتنی اچھی چیز ہے جب وہ دروازے میں داخل ہوتی ہے تو دہلیز خوش ہو جاتی ہے۔ اور فرمایا ہدیہ سینہ کے کینہ کو دور کرتا ہے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔ لیکن یہ اس شخص کے حق میں ہے جو مسلمانوں کے کسی کام پر متعین نہ کیا گیا ہو۔ البتہ جو اس کے لئے متعین ہو جاتا ہے جیسے قاضی اور......

......حکام تو ان کے لئے ہدایہ قبول کرنے سے بچنا لازم ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ہدیہ دینے والے کا یا تو کوئی مقدمہ ہوگا یا نہیں ہوگا۔اگر اس کا کوئی مقدمہ ہے تو (یہ قاضی یا حاکم) اس کا ہدیہ قبول نہیں کرے گا اگر چیکہ کہ اس کی عادت ہدیہ دینے کی رہی ہو۔یا وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہو۔اور اگر ہدیہ دینے والے کا کوئی مقدمہ نہ ہو اور قضاء سے پہلے اس کو رشتہ داری یا دوستی کی بناء پر ہدیہ دینے کی عادت نہ رہی ہو تو اس کا ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہئے اور اگر اس کو ہدیہ دینے کی عادت رہی ہو تو اس کا ہدیہ قبول کیا جائے گا بشرطیکہ منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے ہدیہ دینے کی عادتاً جو مقدار تھی اس سے زائد نہ ہو۔اور اگر زیادہ ہو جائے تو وہ زائد مقدار قبول نہیں کی جائے گی۔

اس میں اصل عدہ وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص جس کو ابن لتبیہ کہا جاتا ہے زکوۃ وصول کرنے کے لئے عامل بنایا پس وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں آئے تو انہوں نے کہا یہ آپ کا ہے اور یہ میرا ہے۔تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا کہ دیکھتا آیا اس کے پاس ہدیہ آتا ہے یا نہیں؟

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہدیہ تھا اور آج تو رشوت ہے۔ امام بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو گورنر مقرر کیا تو وہ مال لے کر آئے تو آپ نے ان سے کہا تم کو یہ مال کہاں سے ملا تو انہوں نے کہا بکثرت ہدایا آئے ہیں تو ان سے سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تُو کیوں نہ اپنے گھر میں بیٹھا رہا کہ دیکھتا آیا تیرے پاس ہدیہ آتا ہے یا نہیں پھر آپ نے ان سے وہ مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علت بیان فرمانا (دیکھتا آیا ہدیہ آتا یا نہیں) ایسے ہدیہ کے حرام ہونے کی دلیل ہے جس کا سبب اقتدار ہے (فتح القدیر)۔صاحب بحر نے کہا کہ ہدیہ کا ذکر احرازی نہیں ہے کیونکہ قاضی پر جس کے ہدیہ کو قبول کرنا حرام ہے اس سے قرض لینا عاریۃً طلب کرنا بھی حرام ہے۔(خانیہ)

میں کہتا ہوں اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس پر تمام رضا کارانہ تحفے حرام ہو جاتے ہیں۔جس کے نتیجے میں عطیے اور نذرانے بھی حرام ہو جائیں گے۔اگر واپس کر دینے سے ہدیہ والے کو ناگواری ہوتی ہو تو اپنی خلاصی کے لئے اس ہدیہ کی خالص قیمت کے مثل اس کو دیگا اور اگر اس کی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کا مقام دور ہونے کی وجہ سے واپس کرنا دشوار ہو تو اس کو بیت المال میں رکھدے۔اور حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے خصوصیات میں سے ہے کہ آپ ﷺ کے ہدایا (آپ ﷺ کو پیش کئے جانے والے) آپ ﷺ ہی کے ہیں (تاتارخانیہ)

اس کا مفاد یہ ہے کہ امام کے لئے ہدیہ قبول کرنا نہیں ہے۔ورنہ وہ خصوصیت نہیں ہوگی اور اسی میں ہے امام مفتی اور واعظ کے لئے ہدیہ کا قبول کرنا جائز ہے۔کیونکہ وہ عالم کو ہدیہ پیش کر رہا ہے۔اس کے علم کی بناء پر برخلاف قاضی کے۔شارح نے تاتارخانیہ سے ذکر کیا ہے اور جو کچھ خانیہ میں ہے کہ امام اور مفتی کے لئے ہدیہ قبول کرنا اور خاص......

......دعوتوں کو قبول کرنا جائز ہے۔ پھر انہوں نے کہا مگر یہ کہ امام سے مراد مسجد کے امام ہوں اور اگر امام حاکم کے معنی میں ہو تو اس کے لئے ہدیہ جائز نہیں ہے۔ تو اب دونوں عبارتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اور یہی بات دلائل کے مناسب ہے اور اس لئے کہ وہ تمام عالمین کا سردار ہے اور صاحب نہر نے کہا کہ ظاہر بات یہ ہے کہ عمل سے مراد وہ اقتدار ہے جو امام یا اس کے نائب کی طرف سے حاصل ہوتا ہے جیسے زکوۃ اور عُشر وصول کرنے والے ہیں۔ میں کہتا ہوں انہی کی طرح ہیں بستی کے اور بزرگ پیشہ جات کے بڑے لوگ اور اس جیسے وہ لوگ جن کو غلبہ اور اپنے سے کم تر لوگوں پر تسلط حاصل ہے کیوں کہ یہ لوگ ان کے شر سے ڈر کر ان کو تحفے دیتے ہیں یا اس لئے کہ ان کے پاس مقبول ہو جائیں۔ مفتی اور قاضی کے درمیان فرق تو واضح ہے کیونکہ قاضی احکام کو نافذ کرنے میں ذمہ دار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلیفہ ہے لہذا اس کا ہدیہ لینا رشوت ہو جائے گا۔ اس فیصلہ کے لئے جس کی ہدیہ دینے والا امید رکھا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے فیصلہ کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ اور مفتی ایسا نہیں ہے۔ اور کبھی یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ مفتی کے لئے ہدیہ کے جائز رہنے سے مراد یہ ہے کہ جب یہ ہدیہ اس کے لئے علم کی وجہ سے ہو اور ہدیہ دینے والے کی اعانت کی غرض سے نہ ہو۔ (ماخوذ از مبسوط، فتح القدیر، ردالمحتار، درمختار)

اور عالمگیری میں ہے اب رہی گفتگو قاضی کی دعوت کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل میں فرمایا عام دعوت کو قبول کرنے میں قاضی کے لئے کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن خاص دعوت کو وہ قبول نہیں کرے گا۔ (فتاوی قاضی خان)

اور صحیح بات تو یہ ہے کہ میزبان کی اگر یہ بات معلوم ہوئی کہ قاضی نہیں آئے گا تو وہ دعوت کا اہتمام نہیں کرے گا تو یہ دعوت خاص ہے اور اگر اس کے نہ آنے پر بھی دعوت کا اہتمام کرتا ہے تو یہ دعوت عامہ ہے۔ کتاب ''کافی'' میں ایسا ہی ہے۔ اور خاص دعوت میں رشتہ دار اور اجنبی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے ان دونوں کے درمیان جب کہ قاضی اور دعوت دینے والے کے درمیان منصب قضاء کے پہلے سے خوشگوار تعلق رہا ہو۔ خواہ وہ اس کی خاطر دعوت کیا کرتا تھا، ہو یا نہیں۔ اور صاحب قدوری نے کہا ہے کہ قاضی رشتہ داروں میں خاص دعوت قبول کرسکتا ہے۔ اور شمس الائمہ حلوائی نے کتاب ''شرح ادب القاضی'' میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور امام طحاوی نے اپنی کتاب ''مختصر'' میں ذکر کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمھما اللہ تعالی کے قول کے مطابق رشتہ دار کی دعوت خاص کو نہیں قبول کرے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق قبول کرے گا۔ اور امام شمس الائمہ سرخسی اور شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ صاحب دعوت اگر قاضی کے اس کے منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے دعوت نہیں کرتا تھا تو وہ اس کی دعوت قبول نہ کرے خواہ وہ رشتہ دار ہو کہ اجنبی اور اگر صاحب دعوت منصب قضا سے پہلے اس کی مہینے میں ایک مرتبہ دعوت کرتا تھا اور منصب قضا پر فائز ہونے کے بعد ہفتہ میں ایک مرتبہ کرے تو قاضی اس کی دعوت کو مہینے میں صرف ایک مرتبہ قبول کرے گا۔ اور اسی طرح جب صاحب دعوت قاضی کے منصب قضا پر فائز ہونے کے بعد، سابق کے لوازمات میں اضافہ کر دے تو قاضی دعوت کو قبول نہ کرے سوائے اس کے کہ دعوت دینے والے کے مال میں اضافہ ہوا ہو اور......

کے ساتھ آئے گا جس کی اس نے خیانت کی ہے۔ میں نے اسی لئے تمہیں طلب کیا تھا اب تم اپنے کام کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ (ترمذی)

5/5056۔عدی بن عمیرہ رضی اللہ تعالی عنہ 3 سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے لوگو! تم میں سے جو کوئی ہماری طرف سے کسی کام پر مقرر کیا جائے بس وہ اس میں سے سوئی برابر یا اس سے چھوٹی چیز ہم سے چھپالے تو وہ خائن ہے۔ وہ قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا۔ تو انصار میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا کام (جو آپ میرے سپرد کئے ہیں) اس کو واپس لے لیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیوں تو اس نے کہا میں آپ ﷺ کو ایسا ایسا فرماتے ہوئے سنا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا میں وہی بات پھر کہتا ہوں، جس کو

......وہ اپنے مال میں اضافہ کے بقدر لوازمات کا اضافہ کرتا ہے تو قاضی اس کو قبول کرے گا، یہ سب اس وقت ہے جب کہ دعوت دینے والے کا کوئی مقدمہ نہ ہو۔ اور اگر دعوت دینے والے کا کوئی مقدمہ ہے تو دعوت قبول نہ کرے اگر چیکہ ان دونوں کے درمیان رشتہ داری ہو یا منصب قضا پر فائز ہونے سے پہلے سے خوشگوار تعلقات ہوں۔ (محیط میں ایسا ہی ہے)۔

اب رہی عام دعوت اگر وہ بدعت ہو جیسے بطور تفاخر دعوت کرنا یا اس جیسی کوئی دعوت، تو قاضی کے لئے اس میں حاضر ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ جب غیر قاضی کے لئے بھی ایسی دعوت قبول کرنا جائز نہیں ہے تو قاضی کے لئے بدرجہ اولیٰ جائز نہیں۔ اور اگر دعوت سنت ہو جیسے شادی کا ولیمہ اور ختنہ کی دعوت ہے تو اس کو قبول کرے کیونکہ اس کا قبول کرنا سنت ہے اور اس میں کوئی تہمت نہیں ہے۔ ''بدائع'' میں اسی طرح ہے۔

صاحبِ کفایہ نے کہا ہے صاحب ہدایہ نے دعوت خاص کے بارے میں کوئی فرق نہیں کیا ہے کہ داعی اجنبی ہو یا اس کا قریبی رشتہ دار اور تحفے کی فصل میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار کے سوا کسی کی دعوت قبول نہ کرے۔ ایسی صورت میں ان دو مسئلوں میں تاویل ضروری ہے۔ فقہاء نے کہا ہے ضیافت کے بارے میں انہوں نے جو کہا ہے اس کو محمول کریں گے یعنی اس صورت پر جب کہ وہ ایسا قریبی رشتہ دار ہو کہ ان کے درمیان رشتہ داری کی بناء پر اس سے پہلے کوئی دعوت نہیں ہوئی نہ کوئی ہدئے تحفے دئے گئے ہوں بلکہ یہ دعوت منصب قضا پر فائز ہونے کے بعد ہی شروع کی گئی ہو۔ پس جب ایسی صورت ہے تو رشتہ دار اور اجنبی دونوں برابر ہیں اور ہدایہ میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ قریبی رشتہ دار کی دعوت کو قبول کرے تو اس کو محمول کریں گے اس صورت پر جب منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے رشتہ داری کی بناء پر تحفے تحائف دئے جاتے رہے ہوں تو ایسی صورت میں اگر منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرے تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جو خواہر زادہ سے مشہور ہیں انہوں نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ اور شیخ الاسلامؒ کی مبسوط میں یہ ہے ''مگر یہ کہ دعوت دینے والے کا اگر کوئی مقدمہ ہے تو قاضی کو چاہئے کہ اس کی دعوت قبول نہ کرے اگر چہ کہ اس کی دعوت عام ہو''

3 **قولہ: عن عدي بن عميرة ......الخ:** اس حدیث شریف کی روشنی میں امام ابوداودؒ نے اپنی سنن میں عاملین (وصولی زکوۃ کے لئے حاکم کی طرف سے مقررہ افراد) کو تحفے دئے جانے کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ اس مسئلہ پر ہم نے ابھی تفصیل پیش کی ہے۔

ہم کسی کام پر مقرر کریں تو وہ اس کا تھوڑا اور بہت سب لے کر آئے پس اس میں سے اس کو (تنخواہ یا معاوضہ کے طور پر) جو کچھ دیا جائے تو اس کو لے لے اور جس سے اس کو روک دیا جائے اس سے رک جائے۔ (مسلم، ابوداود اور الفاظ، ابوداؤد کے ہیں)

6/5057۔ مستورد بن شدّاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہوں جو آدمی ہماری طرف سے عامل 4 (گورنر وغیرہ) ہو تو وہ ایک بیوی

---

4 قولہ: من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجة (جو آدمی ہماری طرف سے عامل (گورنر وغیرہ) ہو)
صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر قاضی تنگدست ہو تو اس کے لئے افضل بلکہ واجب ہے کہ وہ بقدر ضرورت لے اور اگر وہ مالدار ہے تو بہتر ہے کہ بیت المال کے مفاد کے پیشِ نظر بیت المال سے وہ اپنا رزق لینے سے رک جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ منصبِ قضاء کو بے وقاری سے بچانے اور اس کے بعد ضرورت مندوں میں سے کوئی منصب قضاء پر فائز ہوسکنے کے پیش نظر اس کو لینا زیادہ درست ہے اور وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کے لئے بقدرِ کفایت لے۔ (عمدۃ القاری)

عالمگیری میں ہے کہ قاضی اگر تنگدست اور محتاج ہو تو بیت المال سے اس کو اپنی روزی حاصل کرنا بہتر ہے بلکہ اس پر فرض ہے۔ اور اگر وہ تونگر ہو تو اس کے بارے میں گفتگو کی گئی۔ اور بہتر یہ ہے کہ وہ بیت المال سے نہ لے۔ (فتاوی قاضی خان)

اور وہ صرف اپنے اس علاقہ کے بیت المال سے لے گا جس میں وہ کام کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس علاقہ کے لوگوں کے لئے کام کر رہا ہے تو اس کا روزینہ اسی علاقہ کے بیت المال میں ہوگا۔ (عتابیہ)

جس طرح قاضی کو اپنے لئے بقدر کفایت بیت المال سے لینا جائز ہے اسی طرح سے اپنے بال بچوں کے لئے اور اپنے خاندان اور خادمین کے لئے جو اس کے زیر پرورش ہیں بیت المال سے بقدر کفایت لینا جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالی سے قاضی کے لئے تعطیل کے دن کا روزینہ لینے سے متعلق کوئی چیز منقول نہیں ہے۔

فقہاء متاخرین کا اس بارے میں اختلاف ہے اور درست بات یہ ہے کہ وہ اس دن کا روزینہ لے سکتا ہے۔ تاتارخانیہ میں ایسا ہی ہے۔

قاضی جب بیت المال سے کوئی چیز لیتا ہے تو اجرت پر کام کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ اللہ تعالی ہی کے لئے کام کرنے والا ہوگا۔ اور اپنا حق اللہ تعالی کے مال میں سے پورا پورا حاصل کرے گا۔ اور اسی طرح فقہاء، علماء اور معلمین حضرات ہیں جو قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں۔ روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ جب خلیفہ ہوئے تو بیت المال میں سے روزینہ لیا کرتے تھے اور اسی طرح سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما بھی۔ البتہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ صاحب ثروت اور خوش حال تھے ثواب کی نیت رکھتے تھے اور کچھ نہ لیتے تھے۔ کتاب ''الخلاصہ'' میں ایسا ہی ہے۔

امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس پر اور اس کے بال بچوں پر روزینہ کو وسیع کیا جائے تاکہ لوگوں کے مال میں اس کی طمع نہ رہے اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عتاب بن اسید رضی اللہ تعالی عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا اور وہاں کے معاملات کا ان کو امیر بنا دیا تو ان کے لئے ہر سال چار سو درہم روزینہ مقرر فرما دیا۔ اور روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے اسی کے بقدر بیت المال سے اجرت مقرر کی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے بیت المال کی جانب سے روزانہ ایک پیالہ ثرید کا تھا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ سیدنا علی مرتضی علی رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے ماہانہ پانچ سو درہم مقرر کئے گئے تھے۔

اختیار کرلے پس اگر کوئی ملازم نہ ہوتو ایک غلام بنالے پس پر اگر اس کیلئے گھر نہ ہوتو ایک گھر بنالے۔

7/5058 ۔اور ایک روایت میں ہے جو آدمی اس کے سوا اختیار کرے گا تو وہ دھوکے باز ہے۔ (ابوداؤد)

8/5059 ۔سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کہا میری قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے گھر والوں کے اخراجات کیلئے ناکافی نہیں تھا اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوگیا ہوں پس ابوبکر کے خاندان والے اس مال میں سے (جو بیت المال میں ہے) کھائیں گے اور وہ اس کے بدلے مسلمانوں کے امور کو انجام دے گا۔(بخاری)

9/5060 ۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مجھے عامل بنایا گیا پس آپ ﷺ نے مجھے روزینہ عطا فرمایا۔(ابوداؤد)

10/5061 ۔حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس قاصد کو روانہ فرمایا کہ تم اپنے ہتھیار اور اپنے کپڑوں کو جمع کر کے میرے پاس آجاؤ۔وہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ وضو فرمارہے تھے۔آپ نے فرمایا اے عمرو میں نے تم کو اس لئے بلا بھیجا تھا کہ تم کو کسی کام پر روانہ کروں۔اللہ تعالی تمہیں سلامت رکھے اور مال غنیمت عطا کرے۔اور میں تم کو کچھ مال دینا چاہتا ہوں تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میری ہجرت مال کے لئے نہیں تھی وہ تو صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کتنی اچھی چیز ہے۔اچھا مال اچھے آدمی کے لئے۔یہ روایت شرح السنہ میں ہے۔

11/5062 ۔امام احمد نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے اور ان کی روایت میں الفاظ یہ ہیں ''نِعْمَ الْمَال الصَّالِح لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ'' اچھا مال اچھے آدمی کے لئے کتنا اچھا ہے۔

12/5063 ۔سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے5 (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)۔

5قوله: لعن رسول الله صلى الله عليه والہٖ وسلم الراشی والمرتشی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے) فتاوی عالمگیریہ میں ہے کہ ہدیہ وہ شئی ہے جو کسی کو دے دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ کوئی شرط نہیں ہوتی۔ اور رشوت وہ شئی ہے جو کسی کو دے دی جاتی ہے اس شرط پر کہ وہ اس کی مدد کرے گا۔ (خزانۃ المفتین میں ایسا ہی ہے) اور اس میں یہ بھی ہے کہ: تم جانو! رشوت کے کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے

1۔ کوئی آدمی کسی آدمی کو کچھ مال دے تاکہ محبت اور دوستی پیدا ہو۔ اور یہ قسم ہدیہ دینے والے اور ہدیہ لینے والے (دونوں کے لئے) حلال ہے۔

2۔ ایک دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص اس کو خوفزدہ کیا ہے تو یہ اپنے سے اس کے خوف کو دور کرنے کے لئے اس کو کچھ مال پیش کرتا ہے یا اپنی جان و مال سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے کسی صاحب اقتدار کو کچھ مال پیش کرتا ہے تو اس قسم کا مال لینا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ اور اگر لے گا تو اس باب میں مذکورہ وعید میں آجائے گا۔ لیکن اس طرح دینا، دینے والے کے لئے جائز ہے؟ علماء کرام کے پاس یہ جائز ہے کیونکہ وہ اس مال سے اپنی جان کو بچا رہا ہے اور مال کا کچھ حصہ دے کر مابقی مال کی حفاظت کر لے رہا ہے۔

3۔ اس کی ایک اور قسم ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کو کچھ مال اس غرض سے دیتا ہے کہ وہ اس کے اور صاحب اقتدار کے درمیان معاملہ کو ٹھیک کروائے اور اس کی مدد کرے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) اس کی یہ ضرورت ناجائز اور حرام ہو۔ ایسی صورت میں دینے والے کا دینا اور لینے والے کا لینا دونوں ناجائز ہیں۔

(ب) اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی یہ ضرورت مباح اور جائز ہو تو پھر اس کی 2 صورتیں ہیں:

1۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ کسی آدمی کو اس مباح حاجت میں اس شرط پر مال دیتا ہے کہ وہ صاحبِ اقتدار کے پاس اس کی مدد کرے تو ایسی صورت میں کسی کے لئے لینا جائز نہیں ہے۔ اور اب رہا کیا ایسی صورت میں دینے والے کا دینا جائز ہے تو اس کے متعلق علماء نے گفتگو کی ہے۔ بعض علماء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور لینے اور دینے کے جائز ہونے کے لئے تمام علماء کرام کے پاس حیلہ یہ ہے کہ صاحب الحادثہ ایک دن رات تک اس کو اپنا اجیر بنالے تاکہ اس کے علم کی قیمت اس مال سے ادا کرے جس کو وہ اسے دینا چاہتا ہے تو یہ اجارہ درست ہو جائے گا اور اجیر بھی اجرت کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

پھر مستاجر (گتہ دار) کو اختیار ہے کہ اس سے وہ یہ کام لے یا اس کو کسی دوسرے کام میں لگائے۔ علماء نے کہا......

13/5064 ۔ نیز ترمذی نے اس حدیث کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے

14/5065 ۔ اور امام احمد اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور جوان دونوں کے درمیان (رشوت لینے دینے والے کے درمیان) معاملہ طے کرتا ہے'' کا (روایت میں) اضافہ کیا ہے۔

...... ہے کہ یہ حیلہ اس وقت درست ہے جب کہ گتہ دار کسی ایسے کام پر اس کو اجرت پر لے جس میں اجرت پر لینا درست ہے (محیط میں اسی طرح ہے) مثلاً پیغام کا پہنچانا وغیرہ اور اگر مدت کو بیان نہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔ (خلاصہ میں اسی طرح ہے)

اب رہا یہ کہ اس حیلے کے بغیر بھی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں علماء نے گفتگو کی ہے۔ چنانچہ بعض کے قول میں ناجائز ہے اور بعض کے قول میں جائز ہے اور یہی بات زیادہ درست ہے۔ یہ گفتگو اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے معاملہ کی یکسوئی سے پہلے مال دے۔ اب رہا اگر وہ اس کو اپنے معاملہ کی یکسوئی کرنے اور اس کو صاحبِ اقتدار کے ظلم سے نجات دلانے کے بعد دے تو اس کا دینا اور اس کا لینا دونوں جائز ہیں۔ اور یہی صحیح ترین قول ہے۔ ''محیط سرخسی'' میں ایسا ہی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں بھی اس کی تائید موجود ہے۔

اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسی کوئی شرط وضاحت کے ساتھ تو نہ لگائے لیکن اس کے پاس یہ تحفہ پیش ہی اس لئے کرے کہ وہ صاحبِ اقتدار کے پاس (معاملہ میں) اس کی مدد کرے۔ اور اس صورت میں علماء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے اور اکثر علماء کے پاس یہ مکروہ نہیں ہے کراہت اور عدم کراہت کا یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ اس سے پہلے کسی بھی وجہ سے دونوں کے درمیان تحفے دینے کا کوئی عمل نہیں تھا۔ اور اگر اس سے پہلے سے دوستی یا رشتہ داری کی بناء پر ہدیہ دینے کا عمل تھا اور سابق کی طرح یہ اس کو ہدیہ دیا ہے پھر جس کو ہدیہ دیا گیا وہ اس کے معاملہ کو ٹھیک کرتا ہے تو یہ امر مستحسن ہے کیونکہ احسان کا بدلہ احسان اور کرم ہے۔

ایک اور قسم یہ ہے کہ صاحب اقتدار کو ہدیہ پیش کرنے والا اس غرض سے دیتا ہے کہ وہ اس کو منصب قضاء پر یا کسی بھی دوسرے کام پر مقرر کرے ایسی صورت میں لینے والے کو لینا اور دینے والے کے لئے دینا دونوں ناجائز ہیں۔ (محیط)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(4/178) بَابُ الْاَقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ

فیصلہ جات اور گواہیوں کا بیان

اور اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ’’وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ، فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى، وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا‘‘.

اور تم اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو1 پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں

1قولہ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ......الخ (اور تم اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو) خلاصہ یہ ہے کہ زنا میں بالاتفاق چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ اللہ تعالی کے اس ارشاد کی بناء پر’’فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ‘‘(سورۃ النساء، آیت نمبر:15) پس تم ان (عورتوں) پر تم میں سے چار گواہ بنالو۔ اور نیز ارشاد ہے: ’’ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ‘‘(سورہ نور، آیت نمبر:4)(پھر وہ چار گواہ نہ لائیں)۔ اور زنا کے سوا حدود اور قصاص میں بالاتفاق دو مردوں کی گواہی کافی ہے کیونکہ امام زہریؒ کا قول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد دونوں خلیفہ سے یہی سنت چلی ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کو شہادت کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس اصل کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ صرف دو مردوں کی گواہی ہے۔ اور حدود وقصاص کے سوا جن معاملات پر مرد آدمی مطلع ہوا کرتا ہے ان میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہمارے (حنفیہ) کے پاس مقبول ہے، خواہ وہ معاملہ مالی میں ہو کہ غیر مالی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے پاس دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اس وقت مقبول ہوگی جب کہ وہ معاملہ مالی ہو یا متعلقاتِ مال سے ہو۔ مثلاً خرید و فروخت، شرط خیار، ادھار معاملہ، اجارۃ اور اعارۃ وغیرہ اور اس جیسی چیزیں۔ اور اگر وہ معاملہ مالی نہ ہو تو صرف دو مردوں کی گواہی مقبول ہوگی۔ جیسے نکاح اور اس جیسے امور اور اگر وہ معاملہ ایسا ہو کہ جس کی مرد آدمی کو خبر نہیں ہوا کرتی ہے جیسے ولادت وغیرہ تو ہمارے پاس (حنفیہ) اس میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے پاس چار عورتوں کی۔ اور اس کے دلائل بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

پھر گواہی کے چند شرائط ہیں: 1۔ اسلام اور 2۔ عدالت

جو کہ یہ آیت شریفہ میں مذکور ہیں۔ اب رہی پہلی شرط تو وہ اللہ تعالی کے ارشاد ’’مِنْ رِّجَالِكُمْ‘‘ (تمہارے مردوں میں سے) کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں ’’تمہاری ملت والوں میں سے‘‘ اور وہ......

......اہلِ اسلام ہیں۔تفاسیر میں ایسا ہی ہے۔اور یہ ارشاد امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے اس مذہب کی دلیل نہیں بن سکتا کہ ''باب شہادت کے تمام مسائل میں گواہوں کا مسلمان ہونا شرط ہے یہاں تک کہ کافروں کی خود آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی (ان کے پاس) مقبول نہیں ہوگی۔ان کیلئے یہ اس لئے دلیل نہیں ہوسکتی ہے کہ اس آیت کریمہ میں جو بات بیان کی گئی ہے مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل میں ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ''اِذَا تَدَا یَنْتُمْ ''(جب تم ادھار کا معاملہ کرو)''اور'' وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ ''(چاہئے کہ (لکھنے والا) تمہارے درمیان لکھے) سے اشارہ ملتا ہے۔اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ گواہوں کے مسلمان ہونے کی شرط اس وقت ہے جب کہ یہ گواہی مسلمانوں پر ہو پس کافروں کی گواہی سوائے کافروں کے کسی کے خلاف قبول نہیں کی جائیگی۔

اب رہی دوسری شرط (عدالت) تو وہ اللہ تعالی کے اس ارشاد میں مذکور ہے۔''مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ''(ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو) کیونکہ مطلق پسندیدہ وہی ہے جو پرہیز گار ہے گویا اس آیت میں یہ بات کہی جارہی ہے ''ممن تعرفون عدالتهم و تعتمدون علی صلاحهم ''یعنی ان گواہوں میں سے جن کی پرہیز گاری کو تم جانتے ہو اور جن کی صلاحیت پر تم اعتماد کرتے ہو۔

لہذا اس کو عادل ہونا چاہئے اور اسی سے صاحب ہدایہ نے شہادت کے بیان میں استدلال کیا ہے۔لیکن منصب قضاء کے بیان میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ قاضی کو فاسق کی گواہی قبول نہیں کرنا چاہئے اور اگر قبول کرے گا تو ہمارے پاس جائز ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا فاسق کی گواہی بالکل قبول نہیں کی جائے گی۔ ہوسکتا ہے اسی معنی کی بنا پر صاحب مدارک نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں دلیل ہے اس بات کی کہ جو پسندیدہ نہ ہو وہ بھی گواہ ہوسکتا ہے۔کیونکہ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوتا ہے ''تم گواہوں میں سے ایسے دو گواہوں کو طلب کرو جن کو تم پسند کرتے ہو'' اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گواہوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو تم ان میں عدالت کے نہ ہونے سے واقفیت ہونے کی بناء پر پسند نہیں کرتے۔پس گواہ عام ہیں کہ وہ پرہیز گار ہوں یا نہ ہوں۔

اب رہے ماباقی اور شروط جیسے آزادی، بلوغ، حافظہ اور لفظ شہادت تو ان امور کی معرفت ان کے مقام میں کرائی جائے گی۔اور حافظہ کے شرط ہونے کا ثبوت اللہ تعالی کے ارشاد:''اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰئهُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰئهُمَا الْاُخْرٰی '' سے ممکن ہے۔اسی طرح لفظ شہادت کے شرط ہونے کا ثبوت اس آیت سے بھی ممکن ہے اور ان تمام آیات سے جس میں شہادت کا بیان مذکور ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے صراحت کی ہے، فرمایا **و اما لفظ الشهادة الخ** اب رہا لفظ شہادت (کا شرط ہونا) اس لئے کہ نصوص اس کے شرط ہونے کو بتا رہی ہیں کیونکہ اس ......

......لفظ (شہادت) کا حکم ان نصوص میں اسی لفظ کے ساتھ موجود ہے یہاں تک کہ اگر کوئی لفظ شہادت ذکر نہ کر کے ''اعلم او اتقن'' کہا یعنی میں جانتا ہوں یا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہا تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ صاحبِ ہدایہ کے الفاظ تھے۔ اسی طرح تفسیر حسینی میں مذکور ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد ''مِنۡ رِّجَالِکُمۡ'' کے معنی ''من رجال المسلمین الاحرار البالغین'' ہے یعنی ''مِنۡ رِّجَالِکُمۡ'' کے معنی مسلمان مردوں میں جو آزاد اور بالغ ہیں۔

اور اسی آیت سے آزادی اور بلوغ کی شرط بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد ''وَلَا یَاۡبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا'' میں دو معنی کا احتمال ہے۔

1۔اس کے معنی یہ ہوں گے کہ گواہوں کے پاس جب گواہی موجود ہے اور مجلس قضا میں ان کو گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ تو ایسی صورت میں امر وجوب کے لئے ہوگا۔

2۔دوسرے معنی یہ ہونگے کہ گواہوں کو گواہ بننے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ ایسی صورت میں ان کو گواہ کہنا مایؤل یعنی انجام کے اعتبار سے ہے۔ (یعنی وہ فی الوقت گواہ نہیں ہے۔ مگر وہ چونکہ گواہ بننے والے ہیں اس لئے ابھی سے ان کو گواہ کہا گیا ہے) اس صورت میں یہ امر استحباب کے لے ہوگا یا اللہ تعالی کے ارشاد ''وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ'' وَّلَا شَھِیۡدٌ'' ''(اور ضرر نہ پہنچایا جائے کسی لکھنے والے کو اور نہ کسی گواہ کو) کی وجہ سے منسوخ ہوگا۔ اور تفسیر کشاف میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''کان الرجل یطوف'' الخ۔ آدمی بڑہ مجمع میں گومتا پھرتا تھا۔ (گواہ کے لئے) لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں چلتا تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور صاحب ہدایہ نے تو پہلے معنی کو ہی قطعیت دی ہے چنانچہ انہوں نے ''کتاب الشھادۃ'' کے شروع میں کہا ہے ''ان الشھادۃ فرض'' الخ کہ گواہی دینا ایک فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے جب مدعی ان سے گواہی کے لئے مطالبہ کرتا ہے تو اس کو چھپانے کی ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ اللہ تعالی کے اس ارشاد کی بناء پر ہے۔

''وَلَا یَاۡبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا'' گواہ انکار نہ کریں جب ان کو بلایا جائے لیکن یہ بات معلوم رہے کہ یہ حکم حدود کے سوا میں ہے اب رہا حدود میں گواہی دینا تو اس میں گواہ کو اختیار ہے خواہ وہ چھپائے یا ظاہر کرے بلکہ ایسی گواہی کو چھپانا افضل ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی بناء پر ہے ''من ستر علی مسلم الخ'' جو کوئی کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا تو اللہ تعالی دنیا وآخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا لیکن چوری کے معاملہ میں مال کی گواہی دینا ضروری ہے اور اس طرح کہے گا کہ اس نے مال لیا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جس کا مال چوری کیا گیا ہے اس کے حقوق کو بحال کیا جائے۔ البتہ وہ ایسا نہیں کہے گا کہ وہ چوری کیا ہے یہ اس کی پردہ پوشی کیلئے ہے۔ (خلاصہ از تفسیرات احمدیہ)

جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلائے گی ۔اور جب گواہوں کو (گواہی کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں ۔(2،سورہ بقرہ، آیت نمبر: 282)

’’یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ، اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ، فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ، وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا‘‘۔

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو2 (اور) اللہ کے لئے سچی گواہی دو، خواہ (یہ گواہی) تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف (ہی کیوں نہ) ہو۔اگر کوئی مال دار یا محتاج ہے تو اللہ سب سے بڑھ کر ان کا خیر خواہ ہے۔تو تم نفسانی خواہش کے پیچھے چل کر انصاف کو نہ چھوڑ بیٹھو۔اور اگر دبی زبان سے گوہی دو گے یا گواہی سے بچنا چاہو گے تو یاد رکھو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔(4،سورہ نساء، آیت نمبر:135)

---

2 قولہ:’’كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ‘‘الخ (تم انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لئے سچی گواہی دو خواہ (یہ گواہی) تمہارے اپنے یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) صاحب مدارک نے کہا ہے **شهادت على نفسه** کے معنی اپنے نفس کے خلاف اقرار کرنا ہے کیونکہ اپنی ذات پر گواہی دینے کا مطلب حق کو لازم کرکے اپنے خلاف گواہی دینا ہے اور یہ بات اس لئے ہے کہ دعوی، شہادت اور اقرار یہ سب الفاظ کسی کے حق کی خبر دینے میں جو دوسرے کے خلاف ہے مشترک ہیں۔فرق اتنا ہے کہ دعوی میں دوسرے کے خلاف اپنے حق کی خبر دینا ہوتا ہے۔اور اقرار دوسرے کے حق کیلئے ہے جو خود کے خلاف ہوتا ہے اور شہادت دوسرے کے حق کی ہوتی ہے جو کسی دوسرے کے خلاف ہوتا ہے (یہ صاحب مدارک کا کلام تھا) اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اقرار کے مشروع وجائز ہونے کی والدین اور رشتہ داروں کے ضرر کے خلاف گواہی دینے کے جواز پر دلیل ہے۔اور آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے اور یہ ایک معروف ومشہور بات ہے اور آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ گواہی اللہ کے لئے دینا ہے۔دکھاوا اور شہرت حاصل کرنے اور اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کیلئے نہیں۔اور اس سے اس امر پر بھی دلیل ملتی ہے کہ مشترکہ مال میں شریک حصہ دار کیلئے، مزدور گتہ دار کیلئے شاگرد اپنے استاذ کیلئے، اور اسی طرح بیٹا والد کیلئے۔اور اس جیسی دیگر صورتوں میں بھی کسی کی گواہی جائز نہیں ہے اور میرے خیال میں بھی یہی بات آتی ہے۔(ماخوذ از تفسیرات احمدیہ)

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلاً اُولٰٓئِکَ لاَخَلاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَایُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ''۔

بے شک جولوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں نہ کوئی حصہ ہوگا اور نہ اللہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ اوران کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ (3،سورہ آل عمران، آیت نمبر:77)

1/5066۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: اگرلوگوں کو محض ان کے دعوی کی بناء پر دے دیا جائے تو یقیناً کچھ لوگ انسان کے خون اوران مال کا دعوی کر بیٹھیں ۔مگرقسم مدعی علیہ لازم ہے۔ (مسلم)

امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے: اور بیہقی میں سندحسن یا صحیح سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مرفوعا کچھ اضافہ منقول ہے لیکن گواہی مدعی پر لازم 3 اورقسم منکر پر اور امام محمد بن حسن علیہ الرحمہ نے کتاب الاثار میں کہا ہے کہ ''اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں''۔

---

3 قولہ: البینة علی المدعی والیمین علی من انکر (گواہی مدعی (دعویدار) پرلازم ہے اورقسم مدعی علیہ (جس کے خلاف دعوی کیا گیا) پر۔) اس حدیث شریف میں بہت سے فوائد ہیں ان میں سے (1) پہلا فائدہ یہ ہے کہ مدعی محض دعوی کرنے سے حق دار نہیں بنتا۔

(2) قول تو منکر (مدعی علیہ) کا ہی معتبر ہوگا۔(3) دلیل اور گواہ مدعی کی جانب سے ہوں گے۔

(4) قسم مدعی علیہ کی جانب سے ہوگی۔(5) مقدمہ محض انکار کرنے سے ختم نہیں ہوگا۔(6) قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہوگی۔(7) مدعی کی جانب سے ایک گواہ اورقسم کی بناء پر فیصلہ دینا جائز نہیں ہوگا۔(8) ملک مطلق میں قبضہ دار کے گواہوں کو قبول نہ کیا جائے گا۔

اور دو مسئلوں میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے (1) مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرنے کی صورت میں ہمارے پاس اس کے انکار کرنے کی وجہ سے اجس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا اوراس پر دعوی ثابت ہوجائے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس اس کی وجہ سے (یعنی مدعی علیہ کے قسم سے انکار کی وجہ سے) فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ قسم مدعی کی طرف لوٹائی جائے گی۔ اگر مدعی قسم کھالے تو وہ مال حاصل کرلے گا اور یہ مدعی قسم کھانے سے انکار کرے تو دونوں کے درمیان مقدمہ ختم ہوجائے گا (مقدمہ خارج ہوجائے گا)

کیونکہ انکار جھوٹی قسم سے بچنے کے لئے بھی وہ ہوسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سچی قسم سے دور رہنے......

......کے لئے انکار کررہا ہو۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ قسم اس پر واجب اور انکار کرکے قسم نہ کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ یا تو حق دیدینا چاہتا ہے یا اقرار کرنا چاہتا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو واجب ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے وہ قسم کھانے میں پیش قدمی کرتا۔ اور مدعی کو حق دینے کی وجہ سے اپنی ذات کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کو دفع کرنے کی غرض سے وہ قسم کھاتا اور شریعت نے جھوٹی قسم کھانے سے بچنے کو اس پر لازم کیا ہے نہ کہ سچی قسم کھانے سے دور رہنے کو پس اس کے انکار کی صورت میں یہ پہلو متصور ہوگا۔

(2) اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس مدعی کی قسم اور ایک گواہ کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث کہ ''ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا گیا'' سے استدلال کیا ہے۔ اس کو امام مسلم ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور اس حدیث کو حاکم نے قيس بن سعد عن عمر و بن دينار عن ابن عباس رضی الله عنهما روایت کیا ہے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ نے اللہ تعالی کے اس ارشاد ''وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ، فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ ''(......الایۃ) (اور تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ طلب کرو پھر اگر وہ (دو مرد) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں) سے استدلال کیا ہے اور اس جیسا اسلوب حکم کو اس پر منحصر کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ''ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا '' (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:282) (یہ بات بہت ہی قریب ہے اس سے کہ تم شک وشبہ میں نہ پڑو) ''ادنی'' اسم تفضیل سے بڑھ کر زیادتی کا کوئی اور صیغہ نہیں ہے یعنی یہ بات زیادہ قریب ہے اس کے کہ دَین (قرض) کی جنس، اس کی مقدار، اس کی مدت اور اس کے گواہوں اور اس جیسے چیزوں میں تم کسی قسم کا شک مت کرو۔

مذکورہ حدیث کے بارے میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ عباس دوری نے یحیٰی بن معین سے یہ بات نقل کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور امام طحاوی نے اس میں علت یہ بیان کی ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ قیس، عمرو بن دینار سے حدیث بیان کرتے ہیں؟

امام ترمذی نے کتاب العِلل میں کہا ہے میں نے محمد (امام بخاری کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ قیس اس حدیث کو عمرو بن دینار سے نہیں سنے ہیں اور عمرو بن دینار، ابن عباس سے روایت نہیں کئے ہیں اس حدیث میں دو جگہ انقطاع کی علت ثابت ہے۔

امام بخاری سے عمرو اور ابن عباس کے درمیان اور امام طحاوی سے قیس اور عمرو کے درمیان اور بعض محدثین نے عمرو اور ابن عباس کے درمیان طاوس کا واسطہ ذکر کیا ہے امام دار قطنی نے اسی طرح اس کو بیان کیا ہے اور بعض محدثین نے جابر بن زید کا واسطہ اضافہ کیا ہے پس ابن عبدالبر کا یہ کہنا کہ ''اس حدیث کی سند میں کسی جگہ بھی کسی کا طعن نہیں ہے'' محل نظر ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے اس حدیث پر عمل متروک ہے اور کتاب اللہ کے ظاہری نص پر عمل برقرار ہے علاوہ ازیں......

...... مذکورہ روایت کے معارض روایت بھی موجود ہے۔ چنانچہ ''الاستذکار'' میں یہ ہے کہ ہشیم نے روایت کی ہے کہ ہم کو مغیرہ نے شعبی سے بیان کیا ہے انہوں نے کہا کہ اہل مدینہ ایک گواہ کے اور قسم کے ذریعہ فیصلہ کرتے تھے اور ہم اس کے قائل نہیں ہیں اور مصنف بن ابی شیبہ میں ہے ''ہم کو سوید بن عمرو نے بیان کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ابوعوانہ نے حدیث بیان کیا اور وہ مغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیم اور شعبی سے روایت کرتے ہیں ایسے آدمی کے بارے میں جس کے پاس ایک گواہ اس کی قسم کے ساتھ ہے تو ان دونوں نے کہا کہ یہ جائز نہیں ہے سوائے دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے۔ عامر نے کہا ہے باوجود اس کے کہ اہل مدینہ ایک گواہ کی گواہی مطالبہ کرنے والے کی قسم کے ساتھ قبول کرتے تھے اور اس سند کے راوی مسلم کی شرط کے مطابق ہیں نیز انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم کو حماد بن خالد نے ابن ابی ذئب سے حدیث بیان کی اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ وہ بدعت ہے سب سے پہلے اس سے فیصلہ کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ سند بھی مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ہم کو معمر نے بتلایا میں نے زہری سے دریافت کیا ایک گواہ کے ساتھ قسم کے بارے میں، انہوں نے کہا کہ یہ ایسی چیز ہے جس کو لوگوں نے نکالا ہے (بلکہ) دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور ''استذکار'' میں ہے یہی بات زیادہ مشہور ہے زہری سے اور کتاب ''تمہید'' میں ہے امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ آپ کے اصحاب امام ثوری اور امام اوزاعی نے کہا ایک گواہ کے ساتھ قسم کی بناء پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور یہ عطاء حاکم اور فقہا کی ایک جماعت کا قول ہے اور ''استذکار'' میں امام نخعی کا بھی یہی قول ہے۔ ابن حزم کی کتاب ''المحلی'' میں ہے۔ سب سے پہلے عبدالملک بن مروان نے اس سے فیصلہ کیا ہے اور حکم بن عتیبہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے ذریعہ فیصلہ نہ کرنے کی روایت آئی ہے کیونکہ انہوں نے اہل شام کو اس کے خلاف پایا اور ابن شبرمہ نے ابھی اس سے منع کیا ہے (انتہی)

اور کتاب ''تمہید'' میں ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ نے اندلس میں اس کو چھوڑ دیا اور کہا کہ انہوں نے لیث بن سعد کو اس پر فتوی دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ اور وہ اس کو اپنا مذہب نہیں بنائے ہیں؟

اور صحیحین کی حدیث شریف **الیمین علی المدعی علیہ** (قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے) اور ایک روایت میں **البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر** (گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم اس کے ذمہ ہے جو انکار کرے) یہ حدیث اس حدیث یعنی (الشاہد مع الیمین) کا رد کرتی ہے اور اسی طرح صحیحین کی حدیث ''**شاھداک اویمینہ**'' (تیرے دو گواہ ہوں گے یا اس کی قسم ہوگی) قرآن کریم کے ظاہر کلمات کے موافق ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے دو مرد نہ ہونے کی صورت میں ضروری قرار دیا ہے ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کرنا۔ اور جب ایک گواہ پایا جائے اور دو عورتیں نہ ہوں تو ایسی صورت میں اس ایک گواہ کو قسم کے ساتھ قبول کرنے میں آیت کریمہ کے معنی کے تقاضہ کی نفی ہوتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہی ارشاد فرمایا: **ممن ترضون من الشھداء** (ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو) اور مدعی پسندیدہ ایک گواہ کے ساتھ جس چیز کا اپنے قول و یمین کے ذریعہ دعوی کر رہا ہے اس کا مستحق نہیں ہوسکتا۔......

2/5067۔ حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: گواہی مدعی (دعویدار) پر لازم ہے اور قسم مدعی علیہ (جس کے خلاف دعوی کیا گیا پر) ترمذی بہ اسناد جید)

پس نبی اکرم ﷺ نے (گواہی اور قسم کی) فریقین کے درمیان تقسیم فرمادی4 ہے۔ چنانچہ گواہی کو مدعی کے ذمہ اور قسم کو مدعی علیہ کے ذمہ قرار دیا اور تقسیم، شرکت کی ضد (منافی) ہے۔ اور نفس قسم کی جنس کو منکرین کے ذمہ فرمادینے سے اب قسم کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اور ''**الشـــاهـد والیـمین**'' کے الفاظ والی حدیث غریب ہے اور جس حدیث کو ہم نے روایت کیا ہے وہ مشہور ہے۔ اور امت کے پاس اس قدر مقبول ہے کہ تواتر کے درجہ میں ہے لہذا یحیٰی بن معین کے اس کو رد کردینے سے وہ حدیث غریب اس حدیث کے معارض نہیں ہوسکتی۔

3/5068۔ اور حضرت امام محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں ابراہیم سے روایت کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے اور آپ قسم کو (مدعی پر) نہیں لوٹاتے تھے۔

4/5069۔ عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت

......(قائلین یمین نے) یہ کہا کہ مدعی کی قسم دوعورتوں کے قائم مقام ہے تو ایسی صورت میں اگر مدعی ذمی ہو اور ایک گواہ کو قائم کرے تو اس کی قسم قبول نہ کرنا واجب ہے جیسا کہ دوعورتیں ذمی ہونے کی صورت میں ہوتا ہے (عقود الجواہر المنیفہ) اور ''**الکـوکـب الدری**'' میں ہے مطلب یہ ہے کہ مدعی کے ایک گواہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ انکار کرنے والے کی قسم سے فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حدیث کے الفاظ کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم کے ذریعہ فیصلہ دیا ہے'' سے یہی مراد ہے یعنی صرف ایک گواہ کی موجودگی میں شہادت کا نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے قسم لے کر فیصلہ دیا ہے (انتھی) اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فعل مبارک ہے جو قول کے برابر نہیں ہوسکتا خاص طور پر جب کہ اس قولِ رسول ﷺ کی تائید قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ''وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ'' (اور تم اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو) اور امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کے متعلق حنفیہ کی تائید میں تفصیل سے خوب بیان کیا ہے (تم اس کی طرف مراجعت کرسکتے ہو)۔

4 قولـه: فـقسم النبی صلی الله علیه وسلم بین الخصمین الخ اس کی وضاحت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لفظ ''الیمین'' الف لام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور الف لام اس میں جنسی ہے کیوں کہ یہاں الف لام عہدی نہیں ہوسکتا اور یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے دلیل و گواہ کو جنس مدعی کی حجت قرار دیا اور یمین (قسم) کو جنس منکرین کی حجت قرار دیا پس تمام قسمیں منکرین کے ذمہ رہیں گی اور جن حضرات نے قسم کو مدعی پر لوٹایا ہے تمام قسمیں منکرین کے ذمہ نہیں رکھی ہیں اور اس سے حدیث مشہور کا نسخ لازم آئے گا اور یہ نسخ نہ خبر واحد سے جائز ہے اور نہ ہی قیاس سے جائز ہے (بنایہ)

میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو انکے بعد متصل ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کی بعد متصل ہیں۔عمران نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ نے اپنے قرن کے بعد دو قرن ذکر فرمائے یا تین قرن ذکر فرمائے پھر ان کے بعد ایسی قوم ہوگی کہ وہ گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی 5 اور وہ خیانت کریں گے امانت داری نہیں کریں گے اور منت مانیں گے اور منت پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹا پا (روغن کی رغبت) غالب رہے گا) (متفق علیہ)

5/5070 ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں مبعوث ہوا ہوں پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہیں۔اور اللہ خوب جانتا ہے آیا آپ ﷺ نے تیسرے (زمانہ) کا ذکر فرمایا یا نہیں؟۔آپ ﷺ نے فرمایا پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ وہ گواہی طلب کی جانے سے پہلے گواہی دیں گے (احمد و مسلم)

6/5071 ۔سیدنا زید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو میں تم کو بہترین گواہ بتاتا ہوں وہ وہ ہے جو گواہی پوچھے جانے سے پہلے ہی گواہی دیتا ہے (مسلم)

7/5072 ۔حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سیدھے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا جھوٹی گواہی اللہ

---

5 قولہ: یشھدون ولا یستشھدون ۔ہمارے پاس قاعدہ یہ ہے کہ گواہی طلب کئے جانے پر ہی آدمی گواہی دے اور اس سے گواہی طلب کرنے کے بعد گواہی دینا اس پر واجب ہوجاتا ہے اور حدود کے معاملہ میں پردہ پوشی کرنا (گواہی نہ دینا) افضل ہے اور اس حدیث شریف میں ایسے لوگوں کی مذمت وارد ہوئی ہے جو بغیر مطالبہ کے ہی گواہی دیتے ہیں اور زید بن خالد کی روایت ہے ''الا اخبر کم بخیر الشھداء الذی یاتی بشھادتہ قبل ان یسالھا ''کہ بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی پوچھنے سے پہلے اپنی گواہی پیش کردے) اس حدیث شریف کی دو تاویلیں بیان کئے ہیں۔

1-ایک تو یہ کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کسی شخص کے حق سے متعلق گواہی ہے اور مدعی کو نہیں معلوم کہ اس کے پاس گواہی ہے تو اس آدمی کا کام یہ ہے کہ مدعی کو اس کی اطلاع دے کہ اس کے حق کے لئے وہ گواہ ہے۔

2-اس کی دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ حدیث شریف حقوق اللہ کے بارے میں ہے جیسے زکوۃ، کفارات، رویت ہلال، وقف، وصیتیں، اور اس جیسی چیزوں سے متعلق ہے پس اس پر حاکم کو اس کی اطلاع دینا واجب ہے اور اس کے علاوہ یہ تاویل بھی کی جاتی ہے کہ یہ گواہی کا مطالبہ کرنے کے بعد گواہی دینے میں مبالغہ کرنے اور جلدی کرنے سے متعلق ہے اور ''یشھدون ولا یستشھدون'' کی اس کے سوا بھی تاویلات ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں کنایہ ہے جھوٹی گواہی دینے سے اور ایسے شخص کی گواہی سے جو گواہی کے لئے اہل نہیں ہے یعنی ان لوگوں میں سے ہو جس سے گواہی طلب کی جاسکتی ہے۔بہر حال یہ (آخر تاویل) تکلف سے خالی نہیں ہے۔(ماخوذ از لمعات)

کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دی گئی ہے۔ تین مرتبہ فرمایا: پھر آپ نے تلاوت فرمائی ''فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ. حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ '' (پس تم بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات بولنے سے بھی بچو اللہ کے لئے یکسو ہوکر اس کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوئے)(22، سورۃ الحج، آیت نمبر:30/31)(ابوداؤد، ابن ماجہ)

8/5073۔ اور اس کی امام احمد و امام ترمذی نے ایمن بن خریم سے روایت کی ہے مگر ابن ماجہ نے آپ کی قرات (ثُم قراء) کا ذکر نہیں کیا ہے۔

9/5074۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ...... الخ'' بہترین زمانہ میرا ہے پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد متصل ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد متصل ہیں پھر ایسی قوم آئے گی جن کی گواہی ان کی قسم سے پہلے ہوگی اور جن کی قسم ان کی گواہی سے پہلے ہوگی۔ (متفق علیہ)

10/5075۔ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کندہ قبیلہ کے ایک آدمی اور قبیلۂ حضرموت کا ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمن کی زمین کا ایک مقدمہ پیش کیا۔ پس حضرمی نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میری زمین کو اس کے والد نے مجھ سے غصب کرلیا ہے اور وہ زمین اس کے قبضہ میں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے لئے کوئی گواہ ہے تو اس نے کہا نہیں ہے لیکن میں اس کو قسم دوں گا کہ (وہ قسم کھائے)۔ خدا کی قسم وہ نہیں جانتا کہ وہ میری زمین ہے اور اس کے والد نے مجھ سے اس کو غصب کرلیا ہے۔ پس کندی قسم کھانے کے لئے تیار ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی آدمی (جھوٹی) قسم کھا کر کسی کا مال نہیں کاٹ لیتا (حاصل کرلیتا ہے) مگر وہ اللہ سے ضرور اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا تو کندی نے کہا وہ اسی (حضرمی) کی زمین ہے۔ (ابوداؤد)

11/5076۔ علقمہ بن وائل رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: قبیلۂ حضرموت کا ایک اور قبیلۂ کندہ کے دو آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرمی نے کہا یا رسول اللہ یہ شخص (کندی) میری ایک زمین پر قبضہ کرلیا ہے تو کندی نے کہا وہ میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ اس زمین میں اس کا کوئی حق نہیں ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کیا تیرے لئے گواہ ہے تو اس نے کہا نہیں ہے تو آپ نے فرمایا تو تیرے لئے اس کی (کندی کی) قسم ہوگی تو اس نے کہا یا رسول اللہ یہ آدمی تو ایسا گناہگار ہے کہ پرواہ نہیں کرتا وہ کس چیز

پر قسم کھا رہا ہے اور نہ کسی چیز سے پرہیزگاری اختیار کرتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے اس کی طرف سے اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ پس وہ قسم کھانے کے لئے چلا۔ جب وہ پیٹھ پلٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ اس کے مال پر اس لئے قسم کھائے کہ اس کا مال ظلم سے کھا جائے تو وہ یقیناً اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس سے ناراض ہوگا۔ (مسلم)

12/5077۔ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے اور یہود کے ایک آدمی کے درمیان ایک زمین (مشترکہ) تھی تو وہ مجھ پر انکار کر دیا تو میں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا کیا تیرے لئے گواہ ہے؟ تو میں نے کہا نہیں ہے تو آپؐ نے یہودی سے فرمایا تُو قسم کھا6 تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ تب تو وہ (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلاً ...... (الآیۃ) (یقیناً جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت کی چیز (دنیا) خریدتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے) (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

13/5078۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی جھوٹی قسم کھائے 7 جب کہ جانتا ہو کہ وہ اس میں جھوٹا ہے، تاکہ اس کے

---

6 **قولہ: قال للیھودی احلف الخ:** اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مقدمات میں کافر سے بھی مسلمان کی طرح قسم لی جائے گی (مرقات)

7 **قولہ: من حلف علی یمین صبر الخ** (جو کوئی جھوٹی قسم کھائے) یمین صبر سے مراد ایسی قسم ہے جس میں کسی مسلمان کا مال اڑا لینے کی غرض سے آدمی عمداً جھوٹ بولتا ہے گویا اس قسم پر خود کو باندھ لیتا ہے یعنی خود کو اس کے لئے مقید کر لیتا ہے اور یہاں اس قول ''وھو فیھا فاجر'' (یعنی وہ اس قسم میں جھوٹا ہے) سے یہی بات ظاہر اور مراد ہے اور یہ جملہ ترکیب میں حال ہے اور اس میں یہ بات ہے کہ گواہی میں جھوٹ فجور کی منجملہ اقسام میں سے ہے اور یمین غموس کے معنی بھی یہی ہیں (ماخوذ از مرقات) اور بذل المجھود میں ہے ابن بطال نے کہا کہ اس آیت کریمہ اور حدیث شریف سے جمہور فقہاء نے یمین غموس میں کفارہ کے نہ ہونے پر استدلال کیا ہے کیوں کہ حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے اس یمین سے متعلق جو ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں گناہ ہے اللہ کی نافرمانی ہے۔ سزا اور اثم ہے مگر کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر اس میں کفارہ ہوتا تو ضرور اس کا ذکر ہوتا جیسا کہ یمین منعقدہ میں اس کا ذکر ہے اور آپ نے فرمایا اس کو چاہیئے کہ وہ اپنی قسم کا (یمین منعقدہ میں) کفارہ دے اور وہ کام کرائے جو بہتر ہے۔ ابن منذر نے کہا کہ ہم ایسی کوئی حدیث نہیں جانتے جو اس یمین غموس میں کفارہ واجب قرار دینے والے کے قول پر دلالت کرتی ہو جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے بلکہ یہ حدیث ان حضرات کے قول پر دلالت کرتی ہے جو کفارہ کو واجب قرار نہیں دیتے جیسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

ذریعہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پرغضب ناک ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق نازل کی ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلاً اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَایُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ''۔

(بے شک جولوگ اللہ کے عہد اوراپنی قسموں کوتھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں نہ کوئی حصہ ہوگا اور نہ اللہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ (بخاری، مسلم)

14/5079۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا ہے۔ جس کسی نے اللہ کی جھوٹی قسم کھائی یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹا ہے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر جھوٹ کو شامل کردیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک (سیاہ) نکتہ رکھ دیا جائے گا۔ (ترمذی شریف)

15/5080۔ ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی شخص اپنی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق اڑالے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو واجب کردیتا ہے اور جنت کو اس پر حرام فرمادیتا ہے۔ آپ سے ایک شخص نے عرض کیا: اگرچہ وہ کوئی معمولی چیز ہو؟ یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک چھڑی ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم)

16/5081۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا، جس کو آپ نے قسم دلائی تھی کہ تم قسم کھاؤ اللہ کی [8] جس کے سواء کوئی معبود نہیں

---

[8] قولہ: احلف بالله الذی لااله الا هو...... الخ: یعنی اللہ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ذکر کے ذریعہ قسم میں سختی کی جائے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ذکر سے قسم میں تاکید پیدا کی جائے گی۔ اور یہ قسم میں سختی کی جائے گی جیسے اللہ کی قسم کہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جو غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ پوشیدہ اور علانیہ یکساں طور پر جانتا ہے کہ اس فلاں کا نہ تیرے اوپر اور نہ تیرے پاس وہ چیز ہے جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے اور نہ اس میں کی کوئی چیز۔ یہ اس لئے ہے کہ لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو قسم میں سختی کی وجہ سے قسم کھانے سے رک جاتے ہیں اور سختی نہ ہو تو قسم کے لئے کوئی حیلہ کرلیتے ہیں۔ لہذا اس پر قسم میں سختی کی جائے گی تاکہ وہ اس کی وجہ سے رک جائے۔ (ماخوذ از زیلعی، درمختار، ردالمحتار)

کہ تمہارے پاس اس کی یعنی مدعی کی کوئی چیز نہیں ہے۔(ابوداؤد)

17/5082۔داؤد بن حصین سے روایت ہے کہ انہوں نے ابوغطفان مری کو فرماتے ہوئے سنا کہ زید بن ثابت اور ابن مطیع ایک گھر کے بارے میں جوان دونوں کے درمیان تھا مروان بن حکم کے پاس مقدمہ لے گئے جو مدینہ کا گورنر تھا۔تو مروان نے زید بن ثابت کو منبر پر قسم کھانے کا فیصلہ دیا تو زید بن ثابت نے فرمایا میں اس کے لئے اپنی جگہ قسم کھاؤں گا۔تو مروان نے کہا خدا کی قسم (قسم) نہیں (ہونی چاہیئے):مگر حقوق دئے جانے کے مقام پر ہی۔انہوں نے کہا کہ زید بن ثابت (اپنی جگہ پر) قسم کھانے لگے کہ ان کا حق ہی حق ہے اور منبر پر قسم کھانے سے انکار کئے۔ 9انہوں نے کہا مروان بن حکم اس پر تعجب کرنے لگا۔

9قولہ: ویابی ان یحلف علی المنبر (اور منبر پر قسم کھانے سے انکار کیا) اسی لئے ہمارے پاس مسلمان پر کسی خاص زمان و مکان میں قسم کھانے کے لئے سختی نہیں کی جائے گی کیوں کہ کسی خاص زمانہ میں قسم کھانے کے لئے سختی کرنے سے اس زمانہ اور اس جگہ میں قسم کے لئے مدعی کے حق کو موخر کرنا لازم آئے گا۔کیوں کہ قسم کے لئے جس مقام کی سختی کی گئی ہے اس مقام میں پہنچنے کی تاخیر ہو جائے گی جو جائز نہیں۔

اور ہدایہ کی ظاہر عبارت میں تغلیظ کے واجب ہونے کی نفی ہے اس لئے تغلیظ کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔اور کتاب محیط کی عبارت سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اسکے بعد ہی اس بات کا ذکر ہے کہ کسی خاص جگہ کے لئے سختی کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مدعی علیہ پر جب قسم کھانے کی نوبت آئے تو جس مقام میں قسم کھانا واجب ہے۔اسی جگہ قسم کھائے گا اس جگہ سے اس کو دوسری طرف نہیں لے جایا جائے گا۔

حنفیہ اور حنابلہ کا یہی قول ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول میں کسی خاص جگہ یا زمانے میں قسم کے لئے سختی کرنا مستحب ہے اور ان کے ایک قول میں خاص جگہ اور زمانے میں قسم کے لئے سختی کرنا واجب ہے۔

قسم کے لئے خاص زمانہ تو وہ جمعہ کے دن عصر کی بعد ہے اب رہا جگہ کے بارے میں تو اگر وہ مکہ میں ہے تو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اور مدینہ طیبہ میں ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس اور اگر بیت المقدس میں ہے تو صخرہ کے پاس اور اس کے سوا کسی مقام ہے تو جامع مسجد میں اور اگر جامع مسجد نہیں ہے تو دوسری مساجد میں۔

اور ہماری دلیل امام مالک اور امام بخاری یہ کی روایت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک جو مطلق ہے اس میں **الیمین علی من انکر** قسم اس پر ہے جو انکار کرے اس کو کسی زمانے یا مکان سے خاص کرنا نص پر زیادتی ہے اور یہ نسخ ہے۔اور اگر تم یہ کہو کہ مخالف جماعت نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی میرے اس منبر شریف کے پاس جھوٹی قسم کھائے گا تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالیا۔اس کا جواب یہ ہیکہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہیں ارشاد کے خلاف ہے۔جو مطلق ہے۔یعنی **البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر** اور خبر واحد سے جس کی صحت معلوم نہ ہو کسی زمانہ یا جگہ کی تخصیص کا اضافہ کرنا جائز نہیں۔(ماخوذ از شروح کنز، عمدہ القاری، بنایۃ)

18/5083۔امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً اور (موطا امام مالک) اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**شاھداک اویمینه**" (تیرے دو گواہ یا اس کی قسم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص جگہ مختص نہیں فرمائی۔

19/5084۔ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک اونٹ کے بارے میں دعوی کیا[10]۔ پس ان دونوں میں سے

---

[10] **قولہ :ان رجلین ادعیاالخ** ۔اس مسئلہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب دو آدمی کسی چیز کے بارے میں دعوی کئے تو اس وقت وہ چیز کسی تیسرے آدمی کے ہاتھ میں تھی۔اور ان دونوں کے پاس یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تھی۔اور تیسرے شخص نے اس کے بارے میں یہ کہا کہ نہیں جانتا یعنی یہ کہ وہ تم دونوں کی ہے یا تم دونوں کے سوا کسی دوسرے کی ہے مجھے نہیں معلوم ۔تو اس کا حکم یہ ہے کہ دونوں مدعیوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا اور ان دونوں میں سے جس کے لئے بھی قرعہ نکلے گا وہ اس (قرعہ) کے ساتھ قسم کھائے گا اور اس کے لئے اس چیز کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی بات فرمائی ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس تیسرے ہی کے ہاتھ میں اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس اس کو دو مدعیان کے درمیان آدھا آدھا کر دیا جائے گا۔اور ابن ملک نے کہا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے ایک قول میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے اپنے ایک دوسرے قول میں کہا ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی قول ہے کہ اس کو دو مدعیان کے درمیان ان سے قسم لے کر دو آدھے آدھے تقسیم کر دیا جائے گا اور ایک قول میں آپ نے فرمایا تیسرے کے ہاتھ میں اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔(مرقات)

اور صاحبِ ہدایہ نے کہا جب دو آدمی کسی ایک چیز کے بارے میں دعوی کریں جو کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دعوی کرتا ہے کہ وہ چیز اس کی ہے اور دونوں بھی دلیل قائم کریں تو اس چیز کو ان دونوں کے لئے فیصلہ کر دیا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے ایک قول میں فرمایا کہ وہ دونوں ساقط ہو جائیں گے۔اور ان کے ایک قول میں ہے کہ ان دونوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا۔اور کتاب کفایہ میں ہے۔یہ مسئلہ کی مِلک مطلق سے متعلق ہے کیونکہ وہ مِلک جو کسی خاص سبب یا تاریخ سے مقید ہو اس میں اختلاف اور تفصیل ہے۔

فقضی بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للذی فی یدہ صاحب ہدایہ نے کہا اور اگر وہ جس کا قبضہ نہیں ہے اور وہ جس کے قبضہ میں ہے۔دونوں میں سے ہر ایک گواہ پیش کرے کہ یہ اس کا نتاج (مالک ہے) ہے تو جس کے قبضہ میں ہے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔اور شرح السنہ میں ہے فقہاء نے کہا ہے کہ جب دو آدمی دعوی کریں کسی چوپایہ کسی اور چیز کے بارے میں اور وہ ان میں سے ایک کے قبضہ میں ہے تو اس آدمی کی ہے جس کے قبضہ میں ہے۔اور وہ اس پر قسم بھی کھائے گا البتہ اگر دوسرا اس پر دلیل قائم کر دے تو اس کے لئے اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔اور اگر ان دونوں میں

ہر ایک نے دو گواہوں کو پیش کیا۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم فرمایا۔(ابوداؤد۔نسائی)

20/5085۔اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا۔ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (اونٹ) کو دونوں کے درمیان مقرر فرمادیا۔

21/5086۔ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے تمیم بن طرفہ سے روایت کیا ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعوی کیا۔ان میں سے ہر ایک نے دلیل قائم کی کہ وہ اونٹ اس کا ہے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرمایا۔

22/5087۔امام بیہقی نے اپنی سنن میں سعید بن ابو بردہ سے ایک روایت نقل کی ہے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی ایک جانور کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ لے کر گئے۔ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل چوپایہ نہیں تھی۔تو آپ نے اس کو ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا کردیا۔

قرعہ ڈالنے کی حدیث شریف کا حکم شروع اسلام میں تھا۔پھر منسوخ ہوگیا۔امام طحاوی نے اس کو بیان کیا ہے۔

23/5088۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دو آدمی ایک چوپایہ کے بارے میں دعوی کئے ان دونوں میں سے ہر ایک نے گواہ پیش کئے کہ وہ اس کی سواری ہے جس کو اس نے جفتی کرا کے جنایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس آدمی کے حق

سے ہر ایک گواہ پیش کردے تو قبضہ والے کے گواہ کو ترجیح حاصل رہے گی۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ قبضہ والے کے گواہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اور وہ غیر قابض کا ہوگا اور اگر بچے کے جنوانے سے متعلق دعوی ہو اور ہر فریق یہ دعویٰ کرے کہ یہ جانور میری ملکیت ہے اور میں نے اس کو جنوایا ہے اور اپنے دعوی پر گواہ پیش کرے تو قبضہ والے کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔اور اگر وہ چیز دونوں کے قبضہ میں ہے تو دونوں سے قسم دلوائی جائے گی اور اس چیز کو ہر ایک کے قبضہ کے مطابق تقسیم کردیا جائے گا۔اور اسی طرح (اگر وہ دونوں میں سے کسی کے بھی قبضہ میں نہ ہو اور ہر ایک اس پر دلیل قائم کرے تو (دونوں کے درمیان اس کو تقسیم کردیا جائے گا)

میں دیا جس کے قبضہ میں یہ جانور تھا۔ (شرح السنۃ)

24/5089۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جائز نہیں 11 گواہی خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی اور جائز

---

11 لا تجوز شهادة خائن الخ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد لوگوں کی امانتوں میں خیانت ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے عام معنی مراد ہوں جس میں جو اللہ تعالی کے احکام میں خیانت کرنا بھی شامل ہے اور یہ سب باتیں اللہ تعالی کے اس ارشاد میں موجود ہیں۔ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا اَمٰنٰتِكُمْ . (سورۃ الانفال، آیت نمبر: 27) (اے ایمان والو اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت مت کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت مت کرو) پس خائن سے مراد فاسق ہے اور ایسی صورت میں مجلود اور زانی وغیرہ کا اس کے بعد ذکر بطور مثال کے ہے اور ان دونوں کو اس پر عطف کرنا عام پر خاص کے عطف کے قبیل سے ہے اور یہ ان دونوں کی خیانت بڑی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد و لا مجلود الخ (اور اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی جس کو حد کے بطور کوڑے لگائے گئے ہیں) غیر شادی شدہ زانی اور تہمت لگانے والے اور شراب پینے والے سب کو شامل ہے لیکن تہمت کی سزا میں جس کو کوڑے لگائے گئے ہیں اس کی گواہی اگرچیکہ وہ توبہ کرے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اگرچیکہ وہ توبہ کرے آیت کریمہ میں ارشاد خداوندی: ’’ وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ . اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوا ‘‘ کا عطف ارشاد خداوندی ہے ’’فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ‘‘ (تم ان کو اسی کوڑے مارو) پر ہے۔ اور اس میں ان کی گواہی کو قبول نہ کرنا ان کی حد (سزا) کا تکملہ ہے اور ’’اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوا ‘‘ ’’استثناء‘‘ ’’الْفٰسِقُونَ‘‘ سے ہے۔ اس کے برخلاف تہمت کے سوا کسی بھی جرم میں جن پر حد لگائی گئی ہے جیسے زنا، چوری، شراب نوشی تو ان کی گواہی سے توبہ کرنے کے بعد ہمارے پاس بھی قبول کی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کی گواہی کا رد ہونا فسق کی وجہ سے تھا۔ حد کے تکملہ کے طور پر نہیں ہے، جیسا کہ تہمت کی حد لگنے والے کے متعلق ہے اور ان کا فسق توبہ کی وجہ سے ختم ہوگیا۔ (لہذا ان کی توبہ قبول کی جائے گی) اور دیگر ائمہ کرام اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تہمت لگانا (قذف) بھی منجملہ فسق کے ہے۔ اس کا تعلق اقامت حد سے نہیں ہے بلکہ اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی گواہی بھی دیگر حدود کی طرح قبول کی جائے گی۔ خواہ اس کو حد لگائی گئی ہو یا حد نہیں لگائی گئی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ’’ ولا ذی غمر علی اخیه‘‘ یعنی کسی دشمن کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ دشمن سے مراد کسی دنیا کے سبب سے دشمنی مراد ہے اب رہا دین کے سبب سے جو مخالف ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ یہ دشمنی دینی سبب سے ہے برخلاف دنیوی دشمنی کے اسمیں اس کے خلاف جھوٹی باتیں گھڑنے کا اس سے اندیشہ ہے۔

اب رہا دوست کی گواہی دوست کے لئے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ مگر جب وہ دوستی اس قدر گہری ہو کہ وہ ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرتے ہیں تو اس وقت قبول نہیں کیا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی: ولاء اور رشتہ داری......

نہیں گواہی ایسے شخص کی جس پر حد (یعنی حد قذف) جاری کی گئی ہو۔اور جائز نہیں ایسے آدمی کی جو دشمنی رکھتا ہے اپنے بھائی کے خلاف (جس سے وہ دشمنی رکھا ہے) اور جائز نہیں ہے ایسے آدمی کی جو متہم ہے ولاء کے بارے میں اور نہ ایسے آدمی کو جو متہم ہے رشتہ داری کے بارے میں اور نہ ایسے آدمی کی جو قانع ہے (یعنی تابع وخادم ہے) کسی گھر والوں کا۔(ترمذی)

25/5090۔عمرو بن شعیب اپنے والد سے اوران کے دادا سے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی درست نہیں ہے۔اور نہ زنا کارمردوعورت کی اور نہ اپنے بھائی کے

......میں متہم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔اس میں ''ظنین'' کے معنی متہم کے ہیں یہ بروزن فعیل (صیغہ صفت) اسم مفعول کے معنی میں ہے اور یہ لفظ ظنۃ سے ہے اس کے معنی تہمت کے ہیں یعنی جو آدمی (آزاد کردہ غلام) اپنے آقا سے ہٹ کر دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے اور کہے کہ میں فلاں کا آزاد کردہ ہوں اور وہ اپنے اس قول میں جھوٹا ہو اور وہ اپنے اس جھوٹ میں مشہور ہو اس طرح کہ لوگ اس کے اپنے اس قول میں اس پر تہمت رکھتے ہیں اوراس کو جھوٹا کہتے ہیں تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ فاسق ہے کیونکہ ولاء میں جھوٹ بولنا اپنے آزاد کرنے والے آقا سے خود کو کاٹ لینے اور جو اس کو آزاد کرنے والا نہیں ہے اس کی طرف خود کو منسوب کرنا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے (علماء نے ایسا ہی کہا ہے)۔ اور ایسا ہی حکم ہے رشتہ داری میں جھوٹا دعویٰ کرنے والے کا اوراس بارے میں لعنت آئی ہے۔

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: **والقانع مع اهل البيت** (کسی گھر والوں کا تابع،خادم) یعنی جو آدمی کسی خاص مستاجر کا مزدور ہو سالانہ یا ماہانہ اجرت پر کام کرنے والا ہو یا اس کا خادم یا اس کے ماتحت یا اس کا ایسا خاص شاگرد ہو استاذ کے ضرر سے اس کو ضرر پہنچتا ہے اور استاذ کے نفع سے اس کو نفع پہنچتا ہو تو ایسا قانع (تابع) کی گواہی باپ اور بیٹے کی گواہی کی طرح ہے اور حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد: **لا شهادة للقانع باهل البيت** سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنی معیشت ان سے حاصل کرنے والا ہے یہ لفظ (قانع) قنوع سے ہے قناعت سے نہیں ہے۔اوراس کا مفاد یہ ہوگا کہ مستاجر کی (مزدور سے کام لینے والی کی) اور استاذ کی گواہی اس کے لئے قبول کی جائے گی۔اب رہا وہ جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کسی بادیہ نشیں (دیہاتی) کی گواہی آبادی میں رہنے والے کے خلاف جائز نہیں ہے۔تو اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ یہ گواہی مناسب نہیں ہے کیونکہ دونوں کے درمیان مسافت کی دوری ہونے کی وجہ سے تہمت کا امکان ہے۔اس لئے سوائے امام مالک کے اکثر اہلِ علم نے کہا ہے کہ بدوی (جنگل میں رہنے والے) کی گواہی جب کہ وہ پرہیزگار ہو اور ٹھیک ٹھیک گواہی دے سکتا ہے تو اس کی گواہی جائز ہے۔(ماخوذ از لمعات، ہدایہ، درمختار، بذل المجہود)

خلاف دشمنی رکھنے والے کی گواہی درست ہے۔ اور آپ ﷺ نے ایک گھر والوں کے قانع (یعنی تابع وخادم) کی گواہی کورد کردیا۔ (ابوداؤد)

26/5091 ۔سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں 12 فریقین کو حاکم کے روبرو بٹھایا جائے۔ (احمد، ابوداؤد)

27/5092 ۔سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک انسان ہی ہوں اور یہ کہ تم میرے پاس مقدمہ پیش کرتے ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ تم میں کا کوئی اپنی حجت میں بظاہر دوسرے سے زیادہ واضح ہو اور میں اس سے سماعت کردہ بیان کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کرڈالوں گا۔ پس جس کے حق میں اس کے بھائی کے تھوڑے سے بھی حق کا فیصلہ ہوجائے تو وہ اس کو ہرگز ہرگز نہ لے۔ کیونکہ میں اس کے حق میں صرف آگ کے ایک حصہ کو الگ کررہا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

اور حدیث کو حجت بنایا ہے ان حضرات نے جن کی رائے میں حاکم اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کرسکتا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں ہمارے (حنفیہ) کے پاس بھی قاضی کے علم پر عمل نہ کرنے پر ہی فتوی ہے۔ 13

---

12 قولہ: ان الخصمین یقعدان بین یدی الحاکم. اسی لئے صاحب ہدایہ نے کہا جب وہ دونوں (فریقین) آجائیں تو ان دونوں کے درمیان بیٹھنے میں اور متوجہ ہونے میں برابری رکھے۔

13 قولہ: الفتوی الیوم عندنا علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا (آج فتوی ہمارے زمانے میں اس بات پر ہے کہ قاضی اسے علم پر فیصلہ نہیں دے گا) ہمارے مذہب کے مطابق اصل میں یہ جائز ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس اس کے جائز ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ (قاضی) اپنے منصب قضاء کے زمانہ میں جس شہر میں وہ قاضی ہے۔ وہاں حدود کے سوا جو حقوق خالص اللہ تعالی کے ہیں اس سے واقف ہوجائے جیسے قرض یا خرید وفروخت یا غصب یا طلاق یا قتل عمداور حد قذف وغیرہ۔ پس اگر وہ حقوق العباد سے منصب قضاء سے پہلے واقف ہوجائے پھر وہ اس منصب کا ذمہ دار گردانا گیا ہو اور وہ واقعہ اس کے سامنے پیش ہوا۔ یا وہ اس سے منصب قضاء سے پہلے دوسرے شہر میں واقف ہوا ہو پھر وہ اس شہر میں داخل ہوا اور اس کے بعد وہ مقدمہ پیش ہوا تو امام کے پاس اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اور محدث عبدالرزاق نے شریح سے اس جیسی روایت کی ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس پر فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اسی طرح مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ اگر وہ اس سے واقف ہوا اس وقت جب کہ وہ اس کے شہر میں قاضی تھا پھر معزول کیا گیا پھر دوبارہ قاضی بنایا گیا ہو۔

اب رہا شراب اور زنا کی حدود کے بارے میں تو بالاتفاق قاضی کا فیصلہ اس کے علم کی بناء پر نافذ نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر)

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے ان حدود میں جو خالص اللہ تعالی کے لئے ہیں اس میں (قاضی کا اپنے علم پر فیصلہ کرنا) نافذ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ شرح ادب القضاء میں اس کی صراحت کی گئی ہے اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک......

28/5093۔امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس اپنی بیوی پر گواہ قائم کیا کہ وہ اس سے شادی کیا ہے پس وہ انکار کی ہے تو آپ نے اس مرد کے لئے بیوی ہونے کا فیصلہ دیا۔تو وہ (عورت) کہی کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کیا ہے۔اب رہا آپ مجھ پر یہ فیصلہ کررہے ہیں تو میرے نکاح کی تجدید بھی کردیجئے۔تو آپ نے فرمایا میں تیرے نکاح کی تجدید نہیں کروں گا۔دو گواہوں نے تیرا نکاح پڑھایا ہے **14**۔

......اس معاملہ میں قاضی کے برابر ہے اور جو غیر قاضی ہے اگر اس کو اس کا علم ہو جائے تو وہ حد کو قائم نہیں کرسکتا اسی طرح قاضی کا بھی حال ہے۔پس فرق اس حد کے بارے میں جو خالص اللہ کے لئے اور اس حد کے بارے میں جو اس کے سوا ہے۔یہ ہے کہ پہلی صورت میں بالاتفاق فیصلہ نہیں کرسکتا برخلاف دوسری صورت کے کہ قاضی اس میں اپنے علم پر فیصلہ کرسکتا ہے۔متقدمین کا یہی قول ہے مگر یہ قول مفتی بہ نہیں ہے۔اوراب مختار اور معتمد علیہ قول یہ ہے کہ قاضی اپنے علم پر مطلق فیصلہ نہیں کرسکتا۔خواہ اس کو قاضی بننے کے بعد اس کا علم ہوا یا پہلے وہ معاملہ حد کا ہو یا قصاص کا ہو۔یا ان کے سوا دیگر حقوق العباد سے ہو اور موجودہ دور کی قید دور حاضر میں قاضی صاحبان کے فساد کی وجہ سے ہے۔حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر برے قاضی صاحبان نہ ہوتے تو ضرور میں یہ کہتا کہ حاکم کو اپنے علم پر فیصلہ کرنے کا حق ہے۔پھر انہوں نے فرمایا اگر قاضی پرہیزگار ہے تو وہ حدود قصاص میں اپنے علم پر فیصلہ نہ کرے سوائے اس کے جس کا اس کے سامنے اقرار کیا گیا ہو۔اور (ماقبی حقوق میں) جس کا اس کو اپنے منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے علم ہو یا اس کے بعد علم ہوا ہو اپنے علم پر فیصلے کرسکتا ہے۔پس قاضی کے پرہیزگار ہونے کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسے افراد بھی قاضی ہوتے ہیں جو پرہیزگار نہیں ہوتے۔(درمختار، ردالمختار، نیل الاوطار)

14قولہ: اَلشَّاهِدَانِ زَوَّجَاکَ (دو گواہوں نے تیرا نکاح پڑھایا ہے) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جھوٹے گواہوں کی گواہی سے ظاہراً و باطناً فیصلہ نافذ ہوجاتا ہے۔لیکن نفاذ باطن کے لئے دو شرط ہیں۔

1۔پہلی شرط یہ ہے کہ قاضی کو گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہو اور اگر قاضی کو ان کے جھوٹ کا علم ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا۔

2۔دوسری شرط یہ ہے کہ محل نکاح (عورت) کا اس کے قابل ہونا پس اگر عورت شوہر والی ہو یا عدت میں ہو یا مرتدہ ہو یا مصاہرت یا رضاعت کی وجہ سے حرمت کا رشتہ ہو تو نافذ نہیں ہوگا۔اور اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔اس مسئلہ میں ایک جماعت نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ وہ فیصلہ اگر مال کے بارے میں ہے اور حقیقت معاملہ اس کے برخلاف ہے جس پر حاکم نے بظاہر اعتماد کیا ہے تو یہ اس شخص کے لئے جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے حلال ہونے کا سبب نہیں بن سکتا۔اور اگر یہ فیصلہ نکاح یا طلاق کے بارے میں ہے تو وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے نافذ ہوجائے گا اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ''فمن قضیت له بشي من حق اخیه فلا یاخذنه'' الحدیث (جس کے لئے کسی چیز کا میں فیصلہ کردوں جو جس کے بھائی کے حق میں سے ہے تو وہ اس کو ہرگز نہ لے کیونکہ میرا فیصلہ اس کے لئے دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے) اس حدیث کو مال پر محمول کئے ہیں۔اس کے سوا دوسری چیزوں میں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ......

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہم اس (حدیث) کو اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو لعان کرنے والوں کے بارے میں مروی ہے۔ (کتاب الاصل)

29/5094۔ بھز بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک الزام میں قید کیا 15 (ابوداؤد) اور امام ترمذی اور امام نسائی کی روایت میں اضافہ بھی ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا۔

......کے قول سے اور دونوں لعان کرنے والوں کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے لعان سے ذریعہ تفریق ظاہر و باطن دونوں طرح سے نافذ ہو جاتی ہے حالانکہ ان دونوں میں سے ایک یقیناً جھوٹا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ اور اصل (قاعدہ) اس میں یہ ہے کہ امام صاحب کے پاس ظاہر میں قاضی کسی بھی چیز کی حرمت اور اس کے حلال ہونے کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ باطن میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور دوسرے علماء اس مسئلہ میں اس بات کو اختیار کئے ہیں کہ فیصلہ مال کی تملیک کا ہو یا ملکیت کو زائل کرنے کا، نکاح کو ثابت کرنے کا ہو یا تفریق کرنے کا ہو یا اس جیسی کسی اور چیز کا ہو اگر وہ باطن میں ایسا ہی ہے جیسا وہ ظاہر میں ہے تو حاکم کے فیصلہ کے مطابق نافذ ہو جائے گا۔ اور اگر باطن میں حاکم نے جس گواہی وغیرہ پر اعتماد کیا ہے اور وہ باطن میں اس کے خلاف ہے تو یہ فیصلہ ملکیت یا ازالۂ ملکیت یا نکاح یا طلاق وغیرہ کا سبب نہیں بن سکتا۔ یہ قول امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے۔ اور یہی قول تیسری جماعت اور امام زفر کا ہے کہ ان کے پاس یہ فیصلہ صرف ظاہر میں نافذ ہوگا کیونکہ جھوٹی شہادت باطن میں حجت نہیں ہوتی۔ یہ اس صورت کی طرح ہے جس میں گواہ غلام یا کفار ہوں۔ اور انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے شرنبلالیہ میں برہان سے اسی پر فتوی نقل کیا گیا ہے۔ نیز قہستانی میں حقائق سے اس کو نقل کیا گیا ہے اور بحر میں ابوالليث سے اس کو نقل کیا گیا ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ اور فتح القدیر میں نکاح سے متعلق یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور یہی قول محقق ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ قاسم نے اپنے رسالہ میں یہ بات تحقیق سے بیان کی ہے کہ امام اعظم کے قول پر مزید کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے پھر اس پر اشکال پیش کر کے امام صاحب کی طرف سے جواب بھی دیا ہے اور متون میں یہی بات ہے اس کی مزید تفصیل مطولات میں موجود ہیں۔ (ماخوذ از درمختار، ردالمحتار، شروح کنز، نیل الاوطار)

15 قولہ: حبس رجلا فی تھمة. (ایک نے ایک آدمی کو ایک الزام میں قید کیا) خطابی نے کہا ہے کہ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ قید کرنا دو قسم کا ہے۔ 1۔ قید کرنا بطور سزا۔
2۔ قید کرنا حقیقت حال کو معلوم کرنے کے لئے پس قید سزا تو صرف واجب میں ہی رہتی ہے۔ اور اب رہا وہ جو کسی الزام میں قید کرنا تو حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے ہے۔ اور اس چیز کے بارے میں حقیقت حال کو جاننے کے لئے ہے جو اس کے درپردہ ہے۔ اور روایت میں آیا ہے کہ آپ نے الزام میں اس کو دن کے کچھ حصہ تک روک رکھا پھر اس کو چھوڑ دیا۔ (بذل المجھود)

30/5095۔ سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی کے پاس سب سے زیادہ ناپسند آدمی وہ ہے جو بہت جھگڑالو اورلڑائی باز ہے۔ (متفق علیہ)

31/5096۔ ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ جوآدمی کسی ایسی چیز کا دعوی کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے۔ (مسلم)

32/5097۔ عوف بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوآدمیوں کے درمیان فیصلہ فرمایا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے واپس جاتے ہوئے کہا (پیٹھ پلٹا کر جاتے ہوئے کہا) حسبی اللہ ونعم الوکیل اللہ میرے لئے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی غفلت پر ملامت کرتا ہے [16] اور لیکن تم ہوشیاری لازم کرلو پھر بھی تم پر کوئی امر غالب آجائے تو اس وقت کہو ''حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ'' (اللہ تعالی میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے)۔

---

[16] قولہ: یلوم عی العجز (اللہ تعالی اس کی غفلت پر ملامت کرتا ہے) یعنی اللہ تعالی اس کو پسند نہیں کرتا اور عجز سے مراد وہ جو کیس کی ضد ہے اور کیس کہتے ہیں معاملات میں ہوشیاری اور صحیح تدبیر و مصلحت اختیار کرنے کو یعنی تم کو اپنے معاملات میں بیدار اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ مدعی کو اپنے گواہ قائم کرنے تک اسمیں تم کو کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس کے باوجود فریق مخالف غالب آجائے تو'' حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ'' کہو۔ (لمعات)۔

(کتاب الاقضیۃ والشھادات ختم)

(18) كِتَابُ الْجِهَادِ

جہاد کا بیان

1۔اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے :" فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ".
(9۔سورۃ التوبۃ، آیت نمبر:5)(پس تم مشرکوں کو قتل کرو1 جس جگہ بھی تم ان کو پاؤ)۔

2۔اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ''. اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین سارا اللہ کا ہوجائے۔
(8۔سورۂ انفال، آیت نمبر:39)

3۔اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ. (2۔سورہ بقرہ، آیت نمبر:216)(اور تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اگر چہ وہ تم پر گراں ہوگا)۔

4۔''وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً''۔
(اور تم سب مشرکوں سے لڑو جس طرح (وہ) تم سب سے لڑتے ہیں)(9۔سورہ توبہ، آیت نمبر:36)

5۔" لَايَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ، فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ، وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ، وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

1قولہ: فاقتلوا المشركين (پس تم مشرکوں کو قتل کرو) الخ۔تم اس بات کو جانو کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔اب رہا اس کا فرض ہونا وہ ان آیات سے ثابت ہے لیکن اس کا علی الکفایہ ہونا وہ اللہ تعالی کے ارشاد لایستوی القاعدون سے رحیما تک آیت کی بناء پر ہے۔پھر یہ اس وقت ہے جب کہ عام کوچ کرنے کا اعلان نہ ہو۔اور اگر ایسا ہو کہ وہ دشمن مسلمانوں کے کسی ملک پر حملہ کر دیں تو فرض عین میں ہوجاتا ہے خواہ اعلان کرنے والا پرہیزگار ہو یا فاسق ہو۔اس شہر کے تمام لوگوں پر کوچ کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔اگر وہ شہر والے کافی نہیں ہورہے ہیں یا سستی کر رہے ہیں یا خلاف ورزی کر رہے ہیں تو ان لوگوں پر بھی فرض ہوجاتا ہے۔جو ان کے قریب ہیں۔اور اسی طرح یہاں تک کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں پر فرض ہوجاتا ہے۔اور اس پر اللہ تعالی کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے۔
انفروا خفافا وثقالا..................(ماخوذ از مرقات)

اَجۡرًا عَظِيۡمًا. دَرَجٰتٍ مِّنۡهُ وَمَغۡفِرَةً وَّرَحۡمَةً، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا".

(4۔سورۂ نساء، آیت نمبر:95/96)

ترجمہ: وہ مسلمان جو (جہاد سے بیٹھے رہتے ہیں حالانکہ وہ کوئی عذر نہیں رکھتے ہرگز ان مسلمان کے برابر نہیں ہوسکتے جو اپنی جان اور مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں جو لوگ اپنی جان و مال سے جہاد کرتے ہیں ان کو بیٹھے رہنے والوں پر اللہ نے مرتبہ میں فضیلت بخشی ہے اور (یوں تو) اللہ نے سب ہی سے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے البتہ بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے والوں کو اللہ نے اجرِ عظیم میں فضیلت بخشی ہے۔ (یعنی) اس کی طرف سے (بلند) درجے ہیں اور اس کی رحمت اور بخشش ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

6۔ "اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا". (9۔سورۃ التوبۃ، آیت نمبر:41) (مسلمانوں گھروں سے کوچ کرو (چاہے ساز وسامان سے) ہلکے ہو یا بوجھل۔

7۔"اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ"۔ (بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اوران کے مالوں کو (اس قیمت پر) خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے۔ (9۔سورہ توبہ، آیت نمبر:111)

8۔ "وَصَابِرُوۡا وَ رَابِطُوۡا". (اور ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو اور مقابلہ کے ئے مستعد رہو۔ (3۔سورۃ آل عمران، آیت نمبر:200)

1/5098۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے نماز قائم کرے اور رمضان کے روزہ رکھے تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرے [2] یا اپنی اس سر زمین میں بیٹھا رہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے۔ تو انہوں نے (صحابہؓ نے) عرض کیا کیا ہم لوگوں کو اس

---

[2] قولہ: جاهد فی سبيل الله او جلس فی ارضه التی ولد فيها (وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرے یا اس سر زمین میں بیٹھے رہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے) یعنی وہ جہاد نہ کرے اور یہ وجوب ہجرت کے منافی نہیں ہے۔ اور اس میں دو چیزوں میں جو برابری رکھی گئی ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ (ماخوذ از لمعات ومرقات)

اور صاحب رحمۃ الامۃ نے کہا ہے کہ امت اس بات پر متفق ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور جب مسلمانوں میں سے کچھ ایسے لوگ اس کا اہتمام کریں جو اس کے لئے کافی ہیں تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔

کی خوشخبری نہ سنائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار رکھا ہے۔ (اس کے) دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کے درمیان کے جیسا (فاصلہ) ہے۔ جب تم اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو کیوں کہ وہ بہترین جنت اور اعلیٰ جنت ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ (بخاری)

2/5099۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اللہ سے اس کے رب ہونے کے اعتبار سے راضی ہوا اور اسلام سے دین ہونے کے اعتبار سے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سے رسول ہونے کے اعتبار سے راضی ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ کو اس پر تعجب ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ اس کو دوبارہ ارشاد فرمائیں تو آپ ﷺ نے اس کو ان کے لئے دوبارہ فرمایا پھر فرمایا اور ایک دوسری بات [3] ہے جس سے اللہ تعالیٰ بندے کو سو درجے بلند کرتا ہے ہر دو درجوں کے درمیان (فاصلہ) ایسا ہے جیسا آسمان وزمین کے درمیان ہے۔

تو انہوں نے عرض کیا اور یارسول اللہ ﷺ وہ (دوسری بات) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد ہے، اللہ کے راستہ میں جہاد ہے، اللہ کے راستہ میں جہاد ہے۔ (مسلم)

3/5100۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا فتح کے بعد ہجرت نہیں [4] اور لیکن جہاد اور نیت

---

[3] قولہ: **و اخری** (اور ایک دوسری بات) الخ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اس حیثیت سے کہ اس کا عطف (دلالت التزامی کے) بطور لوازم اسلام پر ہوا ہے کیوں کہ عطف کلام میں مغایرت کو چاہتا ہے۔ (مرقات)

[4] قولہ: **لاهجرة بعد الفتح الخ** (فتح کے بعد ہجرت نہیں) صاحب عرف شذی نے کہا ہے کہ دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کا مسئلہ متاخرین میں مختلف فیہ رہا ہے اور یہ مسئلہ کتب احناف میں ہے۔ البتہ علماء شافعیہ اس سے بحث کئے ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے کسی رسالہ میں ہجرت کے مستحب ہونے کی بات کہی ہے اور قول مختار یہی ہے اور بعض علماء اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ اور آیات کریمہ واحادیث شریفہ اس کے استحباب پر دلالت کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث شریف ہے جس کو امام ترمذی نے صفحہ 195 پر تخریج کیا ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے **لما فيه انهم يكونون كاعراب المسلمين يجرى عليهم** الخ اور انہوں نے کہا کہ ہجرت اہلِ مکہ پر واجب تھی اور بعض حالات میں کبھی واجب ہوسکتی ہے۔

ہے اور جب تم سے کوچ کرنے کے لئے کہا جائے5 تو تم نکل پڑو۔ (متفق علیہ)

4/5101۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے نہ ہوتے جن کے نفوس کو مجھ سے پیچھے رہ جانا اچھا نہیں لگتا ہوتا جب کہ میں ان کے لئے سواری دے نہیں سکتا ہوں تو میں کسی بھی سریہ سے جو اللہ کے راستہ میں جنگ کر رہا ہے پیچھے نہ رکتا۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں مری جان ہے میری ضرور یہ خواہش ہے کہ اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں 6 پھر قتل کیا جاؤں۔ (متفق علیہ)

5/5102۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی جنت میں داخل ہونے والا پسند کرتا ہو اس بات کو کہ وہ دنیا کو واپس آئے اور اس کو زمین میں جو چیز بھی ہے مل جائے سوائے شہید کے وہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹ کر آئے اور دس مرتبہ شہید ہو اس عظمت کی وجہ سے جس کو وہ دیکھتا ہے۔ (متفق علیہ)

6/5103۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی مسلمان جس کی روح کو اس کا رب قبض کرتا ہے تو وہ پسند نہیں ے کرتا کہ تمہارے پاس لوٹ کر آئے اور اس دنیا کو و مافیھا مل جائے سوائے شہید کے۔ ابن ابی عمیرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے راستہ میں شہید کیا جاؤں یہ مجھے اس

5۔ قولہ: اذا استنفرتم فانفروا (جب تم سے نکلنے کے لئے کہا جائے تو تم نکل پڑو) امام نووی نے فرمایا: اس میں دلیل ہے کہ جہاد فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے اور جب اس کو کوئی ایسے افراد کریں جو ان کے لئے کافی ہو جاتے ہیں تو دیگر حضرات سے اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ سب کے سب اس کو چھوڑ دیں تو تمام کے تمام گناہ گار ہو جائیں گے۔

6۔ قولہ: اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی الخ (میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں) اس میں جہاد اور شہادت کی فضیلت اور شہادت و خیر کی اور ایسے نیک کاموں کی تمنا کرنے کی فضیلت ہے جو عادتاً ممکن نہیں ہیں۔ نیز اس میں یہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ اور عمدۃ القاری میں علامہ عینی نے یہ بھی اضافہ فرمایا ہے کہ اس میں یہ بات بھی ہے کہ امام (حاکم) اور عالم دونوں کے لئے کسی ایسے امر طاعت کو جس کو اس کے ساتھی اور اس کے خیر خواہ اس طرح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جس طرح یہ کر سکتا ہے تو ایسے کام کو ان میں اس کی طاقت آنے تک چھوڑ دینا جائز ہے اور یہ دوستی کے کریمانہ اخلاق و آداب سے ہے۔

بات سے زیادہ پسند ہے کہ میرے لئے تمام گاؤں والے اور شہر والے (محکوم) ہو جائیں۔(نسائی)

7/5104۔مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھے ''وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ، بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَرَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ '' (اورتم ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے ہیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں (الایۃ)(3۔سورۃ آل عمران،آیت نمبر:169) وہ کہتے ہیں: ہم نے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر (قالب) میں ہیں 7 ان کے لئے عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں وہ جنت میں جہاں چاہے جاتی

7قولہ: ارواحھم فی اجواف طیر خضر (ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر (قالب) میں ہیں) یہ بات کہی گئی ہے کہ ان (کی روحوں) کو ان پرندوں کے قالب میں رکھنا ایسا ہے جیسے موتی کو اس کی عظمت وشرافت کے لئے صندوقوں میں رکھتے ہیں۔اوران کو اس طرح کی صورت میں جنت میں داخل کرنا جس کا تعلق دنیا کے اس بدن سے نہیں ہے مگر وہ جس طرح دنیا کے بدن میں تدبیر کرتے ہیں اسی طرح تدبیر کرتے ہیں کیوں کہ وہ جنت میں بسیرا کرتی ہیں اور وہاں کی پاکیزہ خوشبو (ہوائیں) پاتی ہیں اور جو وہاں انوار ہیں۔اس کا مشاہدہ کرتی ہیں اوراس سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور تناسخ (آواگون) کے قائلین کے شبہ کو دفع کیا گیا ہے۔اور جولوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کو انسانی جسم سے نکال کر حیوانی جسم میں داخل کیا گیا ہے۔یہ ان کی شان کو گھٹانا ہے ان کے اس وہم کو بھی دفع کرنا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اوراس سلسلہ میں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ شہداء کی روحیں جب مرتبہ کمال پر پہنچ گئیں تو اللہ سبحانہ کے حکم سے وہ سبز پرندوں کی شکلیں اختیار کر لیں اوران کو وہ شکل حاصل ہوگئی جیسا کہ فرشتہ انسانی شکل کو اختیار کرتا ہے۔پس یہ بدن وہ نہیں جس سے روحیں متعلق ہوتی ہیں اورجن میں تدبیر کی جاتی ہے۔بلکہ یہ بذات خود ان روحوں کی صورتیں ہیں جو یہ شکل اختیار کر لی ہیں۔اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جسم انسانی جسموں کے صفات لئے ہوئے ہوں اگر چیکہ سبز پرندوں کی صورتوں میں ہوں اور درحقیقت پرندوں کی صفات پر نہ ہوں کیوں کہ صورتوں اور شکلوں کا کوئی شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ بات بعید نہیں کہ ان کو پرندے جو کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں آدمیوں کی طرح پاؤں سے چل کر نہیں بلکہ پرندوں کی طرح اڑ کر منتقل ہوتے ہیں۔پس ان کی تنقیص شان کا جو وہم کیا گیا تھا وہ اس معنی کی وجہ سے لازم نہیں آئے گا۔

پس اگر تم یہ کہو کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا کیا فائدہ کہ ان کی روحوں کو ان کے جسموں میں دوبارہ لوٹایا جائے یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستے میں دوبارہ شہید کر دیئے جائیں جب کہ ان کو پھر اس میں وہی چیز حاصل ہوگی جو حاصل ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے،اس کلام سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں سے ان کو سرفراز کیا ہے اس کی شکر گزاری کا اظہار کرنا ہے۔اوراگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار تو سب سے بڑی نعمت ہے تو وہ اس کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے تو اس کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس کے لائق کامل صلاحیت پر موقوف ہے۔جو قیامت کے دن حاصل ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے ان میں کامل استعداد پیدا ہونے کے وقت تک کے لئے ان کے دلوں کو اس کی طلب سے روک دیا۔(شرح ابن ملک،لمعات سے بالاختصار)

ہیں۔ پھران قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں پس ان کا رب ان کی طرف دیکھتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم کوئی چیز چاہتے ہو تو وہ کہتے ہیں ہم کونسی چیز چاہیں گے۔ جب کہ ہم تو جنت میں جس جگہ چاہیں جاتے ہیں تو پروردگار تین مرتبہ یہ معاملہ فرماتا ہے۔ پس جب وہ یہ دیکھے کہ ان کو پوچھے بغیر (جواب دئے بغیر) چھوڑا نہیں جائے گا تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹادی جائیں تا کہ ہم دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہوجائیں پس جب وہ (پروردگار) دیکھے گا کہ ان کو کوئی حاجت نہیں ہے تو ان کو چھوڑ دیا جائے گا (پوچھا نہیں جائے گا)۔

8/5105۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی جنگ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھا جو جنت کی نہروں پر آتی ہیں اس کے پھل کھاتی ہیں اور بسیرا کرتی ہیں سونے کی قندیلوں میں جو عرش کے سایہ سے لٹکی ہوئی ہیں پس جب وہ اپنے کھانے پینے اور آرام کرنے کی لذت پائے تو کہنے لگے کون ہے جو ہمارے بھائیوں تک ہماری طرف سے یہ بات پہنچا دے کہ بلاشبہ ہم جنت میں زندہ ہیں تا کہ وہ جنت (کو حاصل کرنے) سے بے رغبت نہ ہوں اور جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری طرف سے ان کو یہ بات میں پہنچادوں نگا اور یہ آیت نازل فرمائی:''**وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ، بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَرَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ** (جولوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے ہیں تم ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں......اِلیٰ آخر الایات)(ابوداؤد)

9/5106۔سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے لئے اللہ کے پاس (6) چھ خصلتیں (خصوصیات) ہیں۔

1-شروع میں ہی اس کی مغفرت ہوجاتی ہے۔

2-وہ جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔اور عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

3-بڑی گھبراہٹ (حشر کی ہولنا کی) سے امن میں رہتا ہے۔

4-اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے۔جس کا ایک یاقوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

5- بڑی بڑی آنکھوں والی(72) بہتر حوروں سے اس کی شادی کی جاتی ہے۔

6- اپنے ستر (70) رشتہ داروں کے بارے میں وہ سفارش کرے گا (ترمذی، بن ماجہ)

10/5107۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا شہید قتل ہونے کی تکلیف کو نہیں پاتا مگر جیسا کہ تم میں کا کوئی چیونٹی کاٹنے کی تکلیف کو پاتا ہے۔ (ترمذی، نسائی، دارمی) (اور امام ترمذی نے اس حدیث شریف کو حسن غریب فرمایا ہے)۔

11/5108۔ عتبہ بن عبدالسلمی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل ہونے والے تین قسم کے ہیں۔

1- ایسا مومن جو اپنی جان، اپنے مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ جب دشمن سے مدبھیڑ ہوئی تو لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا یہ وہ شہید ہے جس کا امتحان لیا گیا عرش کے نیچے اللہ کے خیمہ میں، اور انبیا علیہم السلام اس سے صرف درجۂ نبوت میں بڑھے ہوئے ہوں گے۔

2- وہ مومن ہے وہ جو اپنی زندگی میں اچھے عمل کو اور دوسرے عمل کو ملا دیا ہے۔ اور اپنی جان اور مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا جب دشمن سے مدبھیڑ ہوئی تو لڑا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پاک کرنے والی ہے جو اس کے گناہوں اور کوتاہیوں کو مٹا دی۔ بے شک تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ اور یہ داخل کیا جائے گا جنت کے جس دروازے سے وہ چاہے گا۔

3- اور منافق ہے جو اپنی جان اور مال سے جہاد کیا جب اس کی دشمن سے مدبھیڑ ہوئی تو لڑا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا۔ پس یہ دوزخ میں ہے کیوں کہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی۔ (دارمی)

12/5109۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے عمر بن خطابؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شہداء چار قسم کے ہیں۔

1- وہ مردِ مومن ہے جو بہترین ایمان والا ہے۔ دشمن سے اس کی مدبھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ کو سچ کر دکھایا (خوب لڑا) یہاں تک کہ وہ شہید ہو گیا پس یہ وہ شہید ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اس طرح اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھیں گے اور آپ نے اپنے سر کو اٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی گر پڑی۔ پس میں نہیں جانتا کہ حضرت عمرؓ کی ٹوپی گری یا ان کی مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی

ہے۔

2-اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ایک وہ مردِ مومن مضبوط ایمان والا ہے جس کی دشمن سے مدبھیڑ ہوئی تو وہ کم ہمتی کی وجہ سے (ایسا تھا) گویا کہ کیکر کے درخت کے کانٹوں سے اسکی جلد کو مارا گیا ایک نامعلوم تیر اس کو لگا اور وہ شہید ہوگیا تو یہ دوسرے درجہ میں ہے۔

3-اور ایک وہ مردِ مومن جو (زندگی) میں اچھے اور برے عمل ملا دیا ہے جب دشمن سے اس کی مدبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو (عہد ربانی) سچ کر دکھایا (خوب لڑا) یہاں تک کہ وہ شہید ہوگیا پس یہ تیسرے درجہ میں ہے۔

4-وہ مردِ مومن ہے جو اپنے نفس پر زیادتی کیا۔(گناہگار رہے) دشمن سے اس کی مدبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کو (عہد ربانی) سچ کر دکھایا یہاں تک کہ وہ شہید ہوگیا۔تو یہ چوتھے درجہ میں ہے۔ (ترمذی)(اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

13/5110۔انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ربیع بنت براء، جو حارثہ بن سراقہ کی والدہ ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیں یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ مجھے حارثہ کے بارے میں بیان نہیں فرمائیں گے؟ وہ جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ایک نامعلوم تیر ان کو لگا تھا پس اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر اس کے سوا ہے تو میں ان پر رونے میں کوشش کروں گی (خوب روؤنگی) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ائے امِ حارثہ یقیناً جنت میں بہت باغات ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں پہنچا ہے۔(بخاری)

14/5111۔ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر تین قسم کے آدمی جو پہلے جنت میں داخل ہونگے پیش کیئے گئے۔

1-شہید 2-حرام سے بچنے والا (پرہیزگار) اور نہ مانگنے والا

3-وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کی اور اپنے آقاوؤں کی خیر خواہی کی۔ (ترمذی)

15/5112۔حسناء بنت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہم کو میرے چچا نے بیان کیا کہ انہوں نے کہا میں عرض کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جنت میں کون ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا

1- نبی جنت میں ہیں۔ 2-اور شہید جنت میں ہے۔

3- مولود (چھوٹا بچہ جو انتقال کر گیا ہے) جنت میں ہے۔8

4- وہ جس کو زندہ در گور کیا گیا ہے وہ جنت میں ہے۔(ابوداؤد)

16/5113۔سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر میں پہنچ گئے پھر مشرکین آئے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی طرح ہے۔عمیر بن حمام نے کہا! واہ، واہ۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے واہ واہ کہنے کی کیا چیز سبب بنی۔تو انہوں نے کہا! خدا کی قسم یارسول اللہ ﷺ اس امید کے سوا کچھ نہیں کہ میں جنت والوں میں سے ہو جاؤں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جنت والوں میں سے ہے۔انہوں نے (یعنی راوی نے) کہا میں اپنی ترکش سے چند کھجوریں نکال کر ان کو کھانے

8قولہ: المولود فی الجنۃ (چھوٹا بچہ (جو انتقال کر گیا ہے) جنت میں ہے)

مولود سے مسلمانوں کا چھوٹا بچہ مراد ہے۔ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس (حدیث) کی موافقت میں کہا ہے کہ مشرکین کے بچوں سے سوال اور ان کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے ان سے متعلق امام ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ نے تردد فرمایا ہے۔اور تحقیق کہ ان کے بارے میں کئی متعارض حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔پس اس کا راستہ یہ ہے کہ ان کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جان لو اللہ تعالیٰ کسی کو بغیر گناہ کے عذاب نہیں دیتا۔

اور آپ کے شاگرد ابن ابی شریف نے اس کی شرح میں فرمایا: یقیناً قاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر جو کبار تابعین سے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر علماء سے آخرت میں ان کے حکم سے متعلق گفتگو سے رک کے رہنے کا حکم منقول ہے اور ابوالبرکات نسفی نے امام ابوحنیفہ سے توقف کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے آپ سے صحیح روایت یہ ہے کہ وہ صحیح حدیث کے ظاہری مفہوم کی بناء پر ''مشیت'' میں ہیں اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔جو کچھ وہ عمل کرنے والے تھے امام نووی نے ان کے بارے میں تین مذاہب کا ذکر فرمایا ہے۔

1-اکثر اس بات پر ہیں کہ وہ دوزخ میں ہیں۔2-توقف

3-جس کو انہوں نے صحیح قرار دیا کہ وہ جنت میں ہیں۔

اس حدیث کی بناء پر کہ ہر مولود فطرت پر امام محمد بن حسن رحمہ اللہ سے نقل کیا ہوا مذکورہ قول اس (تیسرے مذہب) کے میل کھاتا ہے اور ان کے بارے میں دیگر ضعیف اقوال بھی موجود ہیں۔(ردالمحتار میں ایسا ہی ہے)

لگا پھرانہوں نے کہا اگر میں میرے ان کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہوں تو یہ طویل زندگی ہے۔اس نے یعنی راوی نے کہا انہوں نے اپنے ساتھ جو کھجور تھے ان کو پھینک دیا پھران (کفار) سے جنگ کیئے یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے۔(مسلم)

17/5114۔سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کے دروازے تلواروں کی چھاؤں کے نیچے ہیں۔تو ایک صاحب جن کی حالت معمولی تھی اٹھے اور انہوں نے کہا اے ابوموسیٰ آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے تو انہوں نے کہا ہاں تو وہ صاحب اپنے ساتھیوں کی طرف گئے اور کہے میں تم کو سلام کرتا ہوں پھر اپنی تلوار کی نیام کو توڑ کر اس کو پھینک دیا پھر اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف چلے اس سے ضرب لگائے یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے۔(مسلم)

18/5115۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال روزے رکھنے والے قیام کرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیات روز قرآن تلاوت کرنے والے کی طرح ہے جو نہ روزے میں پستی دکھاتا ہے اور نہ نماز میں یہاں تک کہ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا واپس آئے۔(متفق علیہ)

19/5116۔ان ہی سے (ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) روایت ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا ہے اور اس آدمی کے لئے جو اس کے راستہ میں نکلتا ہے اور اس کو سوائے مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے کوئی اور چیز نہیں نکالتی ہے تو میں اس کو اجر وثواب مالِ غنیمت کے واپس بھیجوں گا جس کو وہ حاصل کیا ہے [9] اور یہ کہ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا۔(متفق علیہ)

20/5117۔ان ہی سے (یعنی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) روایت ہے کہ رسول

---

[9] **قولہ**: ان ارجعه بما نال من اجر او غنيمة وادخله الجنة (اس کو اس اجر یا غنیمت کے ساتھ جس کو وہ حاصل کیا ہے واپس کروں گا اور یہ کہ جنت میں داخل کروں گا) طیبی نے کہا کہ آپ کا ارشاد او غنيمة کا عطف اجر پر ہے اور ادخله کا عطف ارجعه پر ہے۔پس وہ ''ان'' کا صلہ ہے اب اس کا مفہوم اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قبول کیا ہے اس کے راستے میں نکلنے والے کے لئے یا تو اس کو اس کے گھر کو مالِ غنیمت کے بغیر ثواب کے ساتھ یا ثواب اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لائے گا اور یا وہ شہید ہوگا تو اس کو جنت میں داخل کرے گا۔(مرقات)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی ان دو آدمیوں پر تبسم فرماتا ہے جن میں ایک اس کے دوسرے کو قتل کر دیتا ہے اور وہ دونوں جنت میں جاتے ہیں۔ یہ تو اللہ کے راستہ میں لڑتا ہے اور شہید ہوجاتا ہے پھر اس کے قاتل پر اللہ تعالی رحم فرماتا ہے پس وہ مسلمان ہوجاتا ہے۔(متفق علیہ)

21/5118۔ان ہی سے (یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر اور کافر کا قاتل دوزخ میں کبھی جمع نہیں ہوں گے۔(مسلم)

22/5119۔ان ہی سے (یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے) روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں وہ آدمی نہیں جائے گا جو اللہ کی خشیت سے رویا تا کہ دودھ تھن میں واپس آجائے اور کسی بندے پر اللہ کے راستہ میں نکلنے کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوگا۔(ترمذی) اور امام نسائی نے ایک دوسری روایت میں **فی منخری مسلم ابدا** (مسلمان کے نتھنوں میں کبھی بھی) کا اضافہ ہے۔

23/5120۔اور ان ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کسی بندے کے پیٹ میں کبھی بھی (جمع نہیں ہوتے) اور شح (نفس کی حرص) اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی بھی جمع نہیں ہوتے۔(نسائی)

24/5121۔سیدنا ابوعبس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کسی بندے کے دونوں قدم اللہ کے راستہ میں غبار آلود نہیں ہوتے پھر اس کو آگ چھوسکے۔(بخاری)

25/5122۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستہ میں کوئی زخمی نہیں ہوتا۔اور اللہ بہتر جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے راستے میں زخمی ہوتا ہے۔مگر قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا۔رنگ تو خون کا رنگ ہوگا اور (اس کی) خوشبو مشک کی ہوگی۔(متفق علیہ)

26/5123۔سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی اللہ کے راستہ میں اونٹنی کے تھن سے دودھ نکالنے کے درمیان کے وقفہ بھر (یعنی تھوڑی دیر) کے لئے بھی قتال کیا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جو آدمی اللہ کے راستہ میں تھوڑا بھی زخمی ہوا یا تھوڑی سی بھی تکلیف (مصیبت) پہنچی تو وہ قیامت کے

دن اس طرح آئے گا کہ وہ زخم جس حالت میں وہ تھا اس سے زیادہ تازہ رہے گا اس کا رنگ زعفران کا ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی ہوگی اور جس آدمی کو اللہ کے راستہ میں کوئی پھوڑا نکلا تو اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

27/5124۔سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرمائے اور ان سے (صحابہ سے) ذکر فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان لانا اعمال میں سب سے افضل ہے تو ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاؤں تو میرے خطاؤں کا کفارہ ہو جائے گا؟ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اگر تو اللہ کے راستہ میں شہید ہو جانے اور صبر کرنے والا ہو تو ثواب کی نیت رکھے آگے بڑھنے والا ہو، پیچھے ہٹنے والا نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اس آدمی سے) تُو نے کس طرح کہا تھا تو انہوں نے عرض کیا: آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں اللہ کے راستہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے خطاؤں کا کفارہ ہو جائے گا۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جب کہ تُو صبر کرنے والا ہو ثواب کی نیت رکھے، آگے بڑھنے والا ہو، پیچھے ہٹنے والا نہ ہو، سوائے قرض کے (وہ ذمہ رہے گا) [10] پس بلاشبہ جبریل نے مجھ سے یہ کہا ہے۔(مسلم)

28/5125۔سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ

---

10 قولہ: اِلَّا الدَّیْن (سوائے قرض کے) یہ فرض کفایہ میں ہے اسی لئے کتاب رحمۃ الامۃ میں ہے کہ ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس آدمی پر جہاد فرض عین نہ ہو وہ ماں باپ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے جب کہ ماں باپ مسلمان ہوں اور جس کے ذمہ قرض ہے وہ قرض خواہ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

درمختار اور ردالمختار میں ہے جہاد ابتداءً فرض کفایہ ہے اگر چند حضرات اس کا اہتمام کریں تو سارے لوگوں کی طرف سے ساقط ہو جائے گا ورنہ اس کو ترک کرنے کی وجہ سے وہ سب گنہگار رہوں گے۔وہ جہاد فرض نہیں ہے بچہ پر، غلام پر، عورت پر اور قرضدار پر قرض خواہ کی اجازت کے بغیر، اور وہ جہاد فرض عین ہے اگر دشمن حملہ کردے پس وہ سارے لوگ نکلیں گے یعنی مذکورہ سارے لوگ عورت، غلام، قرض دار وغیرہ اگرچیکہ اجازت نہ لی گئی ہو۔اور شوہر اور اس جیسے دوسرے اگر وہ منع کریں گے تو گنہگار رہوں گے۔(کتاب ذخیرہ)

اور کنزالدقائق کی شروح میں اس طرح ہے کیونکہ ان کے حقوق فرض عین کاموں پر غالب نہیں آتے جیسے نماز، روزہ (حقوق کے باوجود ان کو ادا کرنا ضروری ہے) برخلاف عام اعلان سے پہلے (یعنی جب کہ وہ فرض عین نہ ہو) اس لئے کہ دوسرے لوگوں سے فرض (کفایہ) قائم ہوسکتا ہے تو ان کے حقوق کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہونا سوائے قرض کے ہر چیز کا کفارہ ہوجاتا ہے۔(مسلم)

29/5126۔ان ہی (عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما) سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جہاد کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں۔
اس نے کہا ہاں۔آپ ﷺ نے فرمایا تو ان دونوں میں رہ کر جہاد کر [11]۔(متفق علیہ)

30/5127۔اور ایک روایت میں یہ ہے: اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہ (اچھا سلوک کر)(متفق علیہ)

31/5128۔سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں ایک مرتبہ صبح میں نکلنا یا شام میں نکلنا دنیا سے اور جو کچھ اس میں ہے تمام سے بہتر ہے۔(متفق علیہ)

32/5129۔سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اللہ کے راستے میں پاسبانی کرنا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے [12]۔(متفق علیہ)

---

[11] **قولہ: ففیھما فجاھد** (پس تو ان دونوں میں رہ کر جہاد کر) شرح السنہ میں ہے: یہ اس صورت میں ہے جب کہ جہاد نفل ہو تو آدمی ماں باپ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے جب کہ وہ دونوں مسلمان ہوں۔اور اگر جہاد فرض عین ہوجائے تو ان کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور گروہ دونوں اس سے منع کریں تو ان کی بات نہ مانے اور (جہاد کے لئے) نکلے۔ اور اگر وہ دونوں کافر ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر ہی جہاد کے لئے نکلے خواہ جہاد فرض ہو یا نفل ہو اور اسی طرح حکم ہے دیگر نفل عبادتوں کے بارے میں جیسے (نفل) حج، عمرہ اور زیارت شریف۔جب والدین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بھی مسلمان ہوں اور ناپسند کررہے ہوں تو نہ نکلے اور نفل روزہ بھی نہ رکھے۔ابن ہمام نے فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ ماں باپ میں سے ہر ایک کی اطاعت کرنا اس پر فرض ہے اور جہاد اس پر فرض عین نہیں ہے (مرقات)

[12] **قولہ: رباط یوم فی سبیل اللہ الخ** (اللہ کے راستہ میں ایک دن پاسبانی کرنا) صاحب درمختار نے کہا: جہاد سے متعلقہ امور میں سے رباط ہے اور رباط ایسے مقام پر ٹھہرنا (پاسبانی کے لئے) جس سے آگے اسلام نہیں ہے اور یہی معنی مختار ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ سرحد کی پاسبانی کرنے والے کی نماز پانچ سو درجہ اور اس کا ایک درھم سات سو گنا زیادہ ہے اور اگر اس میں اس کا انتقال ہوجائے تو اس کا عمل اس کا رزق اس پر جاری کردیا جاتا ہے اور وہ فتنہ میں ڈالنے والی چیزوں (عذاب قبر وغیرہ) سے محفوظ رہتا ہے اور شہید کی حیثیت سے (قیامت میں) اٹھایا جائے گا جو فزع اکبر (حشر کی ہولناکی) سے محفوظ رہے گا۔(اس کی تفصیل فتح میں ہے)

33/5130 ۔سیدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستے میں ایک دن پاسبانی کرنا اس کے سوا گھروں میں رہنے کے ہزار دن سے بہتر ہے۔(ترمذی،نسائی)

34/5131 ۔سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہوں: اللہ کے راستہ میں ایک دن ایک رات سرحد پر حفاظت کرتے ہوئے ٹھہرنا ایک مہینہ بھر روزے رکھنے اور اس میں عبادت کے لئے کھڑے ہونے سے بہتر ہے اور اگر اس کا (اس میں) انتقال ہو جائے تو اس پر اس کا وہ عمل جس کو وہ کرتا تھا جاری رہے گا اور اس کا رزق جاری کر دیا جائے گا اور وہ فتنہ میں ڈالنے والی چیز (عذاب قبر وغیرہ) سے محفوظ رہے گا۔

35/5132 ۔سیدنا فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ے فرمایا: ہر مرنے والے کے عمل پر مہر لگا دی جاتی ہے سوائے اس آدمی کے جو اللہ کے راستہ میں پاسبانی کرتے ہوئے مرے کیونکہ اس کے عمل (ثواب) میں قیامت تک اس کے لئے اضافہ کیا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔(ترمذی،ابوداؤد)۔

36/5133 ۔اور دارمی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کی روایت کی ہے۔

37/5134 ۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو (دوزخ کی) آگ نہیں چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کی خشیت سے روئے اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستہ میں حفاظت کرتے ہوئے رات گزارے۔ (ترمذی)

38/5135 ۔سیدنا ابن عائذ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے جنازے میں نکلے، جب جنازہ رکھا گیا تو عمر بن خطابؓ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ اس پر نماز مت پڑھئے کیونکہ یہ گنہگار آدمی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس کو اسلام کے کام پر دیکھا ہے؟ تو ایک صاحب نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات وہ اللہ کے راستہ میں پاسبانی کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نماز (نماز جنازہ) پڑھے اور پسو سے مٹی بھی ڈالے اور فرمایا تیرے ساتھی یہ سمجھتے ہیں کہ تُو اہل دوزخ میں سے ہے مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو اہل جنت میں سے ہے اور فرمائے اسے عمر! تم سے لوگوں کے اعمال سے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا لیکن تم سے فطرت (اسلام) سے متعلق سوال کیا جائے گا (امام بیہقی نے کتاب ''شعب الایمان'' میں اس کی روایت کی ہے)

39/5136۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے لئے اچھی زندگی والا آدمی وہ ہے جو اللہ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے اس کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے ہو، جب بھی کسی خوفزدہ یا فریادرس کی آواز کو سنتا ہے تو اس کی طرف شہادت کو طلب کرتے ہوئے اور موت کو اس کے مقامات میں طلب کرتے ہوئے اڑ کر پہنچ جاتا ہے۔ یا وہ آدمی ہے جو ان پہاڑوں کی کسی چوٹی میں [13] یا ان وادیوں میں سے کسی وادی میں بکریوں کا ریوڑ لے کر نماز قائم کرتے ہوئے، زکوۃ دیتے ہوئے اور اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے رہتا ہے یہاں تک کے یقین (موت) آجائے۔ وہ لوگوں کے ساتھ سوائے خیر کے کسی چیز میں شریک نہیں رہا۔

40/5137۔ان ہی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب کسی گھاٹی سے گزرے جس میں میٹھے پانی کا چھوٹا سا چشمہ تھا، تو وہ ان کو بہت پسند آیا تو انہوں نے کہا: اگر میں لوگوں سے الگ ہو کر اس گھاٹی میں رہوں (تو میرے لئے بہتر ہے) چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ

---

[13] قولہ: او رجل فی غنیمۃ فی راس شعفۃ الخ (یا وہ آدمی جو چند بکریوں کو لے کر پہاڑ کی کسی چوٹی میں رہتا ہے) نوویؒ نے فرمایا اس حدیث شریف میں ان حضرات کی دلیل ہے جو لوگوں میں میل جول پر گوشہ نشینی (لوگوں سے الگ تھلگ رہنے) کو فضیلت دیتے ہیں اور اس بارے میں مشہور اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور اکثر علماء کرام کا اس بارے میں مذہب یہ ہے کہ لوگوں میں میل جول کے ساتھ رہنا افضل ہے بشرطیکہ فتنوں سے محفوظ رہنے کی امید ہو۔ اور حضرات زاہدین کی چند جماعتوں کا مذہب یہ ہے کہ گوشہ نشینی افضل ہے اور اسی حدیث سے وہ استدلال کئے ہیں اور جمہور علماء نے اس کے جواب میں یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث شریف فتنوں اور جنگوں کے زمانہ پر محمول ہے یا اس آدمی سے متعلق ہے جس سے لوگوں کو امن وسلامتی نہیں ملتی اور نہ وہ لوگوں سے تکلیف پر صبر کرسکتا ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوات والسلام اور اکثر صحابہؓ، تابعینؒ، علماء کرامؒ اور زاہدینؒ لوگوں میں میل جول رکھتے تھے۔ جیسے جمعہ کی نماز، باجماعت نمازیں، جنازے کی نماز، بیمار کی عیادت اور ذکر کے حلقے وغیرہ ہیں (مرقات)

فتاوی عالمگیری میں ہے: ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی سے روایت ہے کہ یہ بات مکروہ ہے کہ لوگ جمع ہو کر کسی ایک مقام میں لوگوں سے الگ تھلگ رہیں اور پاکیزہ چیزوں سے رُکے رہیں اور اس مقام میں اللہ تعالی کی عبادت کرتے رہیں اور اپنے آپ کو اس کے لئے فارغ کرلیں شہروں میں رہ کر کسب حلال، جمعہ کا اہتمام اور جماعت سے نماز زیادہ پسندیدہ ہے اور اسی کو لازم کرنا چاہئے (تاتارخانیہ) اور اس کے بعد والی روایت میں جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے اس میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد کہ لا تفعل (تم ایسا مت کرو) اسی کی تائید کرتا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو کیونکہ تم میں سے کسی کا اللہ کے راستہ میں ٹھہرنا اس کے اپنے گھر میں ستر (70) سال تک نماز پڑھنے سے زیادہ فضیلت والا (کام) ہے۔ کیا تم پسند نہیں کرو گے اس بات کو کہ اللہ تعالی تمہاری مغفرت کرے اور تم کو جنت میں داخل کرے۔ تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ جو آدمی اونٹنی کے تھن کو نچوڑنے کے بقدر (تھوڑے سے وقت کے لئے) اللہ کے راستے میں جہاد کرے گا تو اس کے لئے جنت واجب ہے۔ (ترمذی)

41/5138۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں نکلے تو ایک صاحب ایک غار کے پاس سے گزرے جس میں تھوڑا پانی اور کچھ سبزیاں تھیں تو ان کے جی میں آیا کہ وہ یہاں قیام کریں اور دنیا سے الگ تھلک رہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہ تو یہودیت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور نہ نصرانیت کے ساتھ۔ لیکن میں سیدھا اور سہولت والا دین لے کر مبعوث ہوا ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے صبح میں ایک مرتبہ اور شام میں ایک مرتبہ اللہ کے راستہ میں نکلنا، دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے ان سب سے بہتر ہے اور یقیناً تم میں سے کسی کا صف میں (مجاہدین کی) کھڑے ہونا ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے (احمد)

42/5139۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوٹ کر آنا (جہاد کے بعد) جہاد میں رہنے کے جیسا ہے (ابوداؤد)

43/5140۔ ان ہی (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد کرنے والے کے لئے اس کا ثواب ہے 14 اور جو آدمی اجرت پیش

---

14 قولہ: **وللجاعل اجره واجر الغازی**۔ (جو غازی کے لئے جہاد کا سامان فراہم کرنے والا ہے اس کے لئے اس کا اجر ہے اور جہاد کرنے والے کا بھی) ابن الملک نے کہا جاعل وہ شخص ہے جو کسی کام کے لئے مال دیتا ہے یعنی کسی غازی کو مال دیتا ہے تا کہ وہ جنگ کرے اور یہ ہمارے پاس درست ہے لہذا غازی کے لئے اس کی محنت کا اجر ملے گا اور جاعل کے لئے دو اجر ہوں گے، اللہ کے راستہ میں مال عطا کرنے کا اجر اور غازی کے لئے جنگ میں جانے کا سبب بننے کا اجر۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے منع کیا ہے اور اگر وہ اس کو لیا ہے تو واپس کر دینا واجب قرار دیا ہے اور شرح السنہ میں ہے اس حدیث شریف میں جاعل کے لئے ترغیب ہے اور جس کو اجرت دی گئی ہے اس کے لئے اجازت ہے اور علماء نے جہاد کے لئے اجرت لینے کے جواز میں اختلاف کیا ہے۔ امام زہریؒ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب رحمہم اللہ نے اس میں اجازت دی ہے اور دوسرے فقہاء نے اس کو جائز نہیں قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اجرت لے کر جہاد کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ لیا ہے تو اس کو واپس کر دینا ہوگا۔

کرنے والا ہے (غازی کے لئے جہاد کا سامان فراہم کرنے والا ہے) اس کے لئے اس کا اجر ہے اور جہاد کرنے والے کا بھی اجر ہے۔ (ابوداؤد)

44/5141 ۔سیدنا ابوایوب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تمہارے لئے ملک فتح ہوتے جائیں گے اور جمع شدہ لشکر میں فوجی دستے الگ کئے جائیں گے، تو ایک آدمی فوجی دستہ کو ناپسند کرے گا اور اپنی قوم سے نکل کر قبائل میں جائے گا اور یہ کہتے ہوئے اپنے آپ کو ان پر پیش کرے گا کہ ہے کوئی ایسا جس کی طرف سے جنگی دستہ میں جانے کے لئے میں کافی ہو جاؤں 15 (یعنی کون مجھے اجرت دے گا کہ میں اس کی طرف سے جنگ میں جاؤں) یاد رکھو وہ اپنا آخری قطرۂ خون بہانے تک بھی مزدور ہی رہے گا۔ (ابوداؤد)

45/5142 ۔سیدنا یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا اعلان فرمایا اور میں بہت بوڑھا تھا، میرے لئے کوئی خادم نہیں تھا۔ میں نے اجرت پر ایک کام کرنے والے کو تلاش کیا جو میرے لئے کفایت کرے 16 تو میں ایک شخص کو پایا اور اس کے لئے تین (3) دینار مقرر کیا پس جب مال غنیمت آیا تو میں نے چاہا کہ اس کے لئے اس کا حصہ

---

15 قولہ: یعرض نفسہ علیھم من اکیفہ بعث کذا الخ (اپنے آپ کو ان پر پیش کرے گا کہ ہے کوئی ایسا جس کی طرف سے جنگی دستہ میں جانے کے لئے میں کافی ہو جاؤں) صاحب کتاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: کیا جہاد میں کسی کی نیابت ہوسکتی ہے یا نہیں تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وامام احمد رحمہم اللہ نے فرمایا یہ درست نہیں خواہ جنگ کے لئے مال سے ہو یا اجرت سے یا خوشی سے ہو یا دیگر ہو۔ خواہ وہ جنگ نائب بنانے والے پر فرض ہو یا فرض نہ ہو اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا جب وہ مال کے ذریعہ سے ہو اور جہاد نائب پر فرض نہ ہو جیسے غلام اور باندی ہے تو درست ہے۔

16 قولہ: فالتمست اجیرا یکفینی (میں نے اجرت پر ایک کام کرنے والے کو تلاش کیا جو میرے لئے کفایت کرے) الخ فتاوی عالمگیری میں یہ ہے: اگر اجرت پر کام کرنے والا لشکر کے ساتھ ہے تو ایسی صورت میں امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا وہ اپنے صاحب کی خدمت ترک کردے اور جنگ لڑے تو حصہ کا مستحق ہے اور اگر خدمت کو نہیں چھوڑا تو اس کو کچھ نہیں ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص جنگ کے لئے داخل ہو جائے وہ حصہ کا مستحق ہو جاتا ہے خواہ وہ جنگ کرے یا نہ کرے اور جو جنگ کے سوا دوسری چیز کے لئے داخل ہو تو وہ مستحق جنگ لڑنے والے کی حیثیت سے ہی فوج میں داخل ہو جائے تو وہ جنگ کرے یا بیماری یا کسی دوسری وجہ سے نہیں لڑ سکا، حصہ ملے گا اگر وہ گھوڑا سوار ہے تو گھوڑے سوار اور اگر پیدل ہے تو پیدل فوجی کی حیثیت رہے گی اور جو شخص سپاہی کی حیثیت سے داخل ہوا پھر وہ گرفتار ہو گیا پھر مال غنیمت کے نکالنے (تقسیم کرنے) سے پہلے چھوٹ گیا تو اس کو اس کا حصہ ملے گا (السراج الوہاج)

جاری کروں پس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: میں اس کے لئے اس غزوہ کے اندر دنیا و آخرت میں ان دینار کے سوا جو تم نے اس کے لئے مقرر کیا ہے اور کچھ نہیں پاتا۔ (ابوداؤد)

46/5143۔ سیدنا زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے راستہ میں کسی غازی (جنگ لڑنے والا) کا بندوبست [17] کرے تو یقیناً اس نے بھی جہاد کیا اور جو شخص کسی غازی کے اہل وعیال میں اس کا (اچھا) نائب بنا رہا تو اس نے بھی جہاد کیا۔ (متفق علیہ)

47/5144۔ ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جہاد نہ کرے اور کسی غازی کا بندوبست بھی نہ کرے یا کسی غازی کے اہل وعیال میں خیر و بھلائیت کے ساتھ جانشینی بھی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو روز قیامت سے پہلے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (ابوداود)

48/5145۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی دستہ کو قبیلہ ہذیل کی شاخ بنی لحیان کی طرف روانہ کیا تو فرمایا: چاہیئے کہ ہر دو آدمیوں میں سے ایک (جہاد کے لئے) نکل پڑے اور اجر دونوں کے درمیان (برابر) ہوگا۔ (مسلم)

49/5146۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد میں نہ جا کر بیٹھے رہنے والوں پر مجاہدین کی خواتین کے احترام کا خیال رکھنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے ان کی ماؤں کا احترام ضروری ہے اور جہاد میں نہ جا کر بیٹھے رہنے والوں میں سے جو کوئی آدمی مجاہدین میں سے کسی کے اہل وعیال میں اس کا جانشین ہو کر اس کے ساتھ خیانت کرتا ہے تو اس کو قیامت کے دن مجاہد کے لئے کھڑا کیا جائے گا اور وہ اس کے عمل میں سے جس قدر چاہے لے لیگا۔ تو تمہارا کیا خیال ہے۔

50/5147۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[17] **قولہ: من جهز غازيا...... الخ** (جو آدمی کسی کا بندوبست کرے) صاحب درمختار نے کہا: ابن کمال نے جہاد کی تعریف یوں کی ہے کہ حسب استطاعت اللہ کے راستہ میں براہ راست یا مال دے کر یا رائے پیش کر کے یا مجاہدین کی تعداد بڑھا کر یا ایسے ہی کسی شکل میں لڑنے کا نام جہاد ہے۔

فرمایا: تم مشرکین سے اپنے مال، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو 18۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

51/5148۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومنین دنیا میں تین حصوں میں (تین طرح کے) ہیں، وہ حضرات جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر وہ شک میں نہیں پڑے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کئے۔ اور وہ لوگ ہیں جن سے لوگ اپنے مال اور جانوں سے متعلق امن میں رہیں پھر وہ ہیں جو حرص پر جھانکا اور اللہ بزرگ و برتر کے لئے اس کو چھوڑ دیا (احمد)

---

18 قولہ: جاھدوا المشرکین الخ (تم جہاد کرو مشرکین سے) یہ حدیث شریف اپنے ظاہری معنی میں حدود حرم، حرمت والے مہینوں اور جنگ میں پہل و اقدام کرنے کو شامل ہے۔ ابن ہمام نے کہا جنگ کرنا ان کافروں سے جو عرب کے مشرکین میں سے اسلام قبول نہیں کئے ہیں یا عرب کے سواء دوسرے ان کافروں سے بھی جنگ کرنا جو نہ اسلام قبول کئے ہیں اور نہ جزیہ دیتے ہیں، واجب ہے اگرچیکہ وہ ہم سے جنگ کا آغاز نہ کئے ہوں کیوں کہ جنگ کو واجب کرنے والے جو دلائل ہیں تو اس میں جنگ کے واجب ہونے کے لئے کافروں کی طرف سے جنگ کے اقدام کی قید نہیں (مرقات)۔ اور درمختار میں ہے اور اب رہا اللہ تعالی کا ارشاد ''فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ'' (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 191) (اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان سے لڑو)'' اور اشہر حرام میں جنگ کی حرمت یہ (دونوں باتیں) منسوخ ہیں دوسری آیتوں سے جو عام ہیں جیسے ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ'' (9۔سورۃ التوبۃ، آیت نمبر: 5) (تم مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو) (انتہی) اور ردالمحتار میں ہے پھر تم اس بات کو جانو کہ قتال (جنگ و جہاد) کا حکم بالترتیب نازل ہوا ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں تبلیغ کرنے اور ان سے روگردانی کا حکم آیا ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ'' (سورۃ الحجر، آیت نمبر: 94) (پس آپ کھلے طور پر بیان کردیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے روگردانی کیجئے) اس کے بعد ان سے اچھے انداز میں مجادلہ و بحث کرنے کا حکم آیا ''اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ'' (سورۃ النحل، آیت نمبر: 125) (آپ اپنے رب کی طرف حکمت و موعظت سے دعوت دیجئے اور ان سے ایسے طریقہ سے مجادلہ کیجئے جو سب سے اچھا ہے) پھر ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے، جنگ کی اجازت دی گئی ''اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا'' (سورۃ الحج، آیت نمبر: 39) (کہ وہ بھی جنگ کریں کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ پھر جنگ کا حکم دیا گیا جب کہ وہ ان سے جنگ کریں ''فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ'' (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 191) (پس اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کرو) پھر اس کے بعد حرمت والے مہینے گزر جانے کی شرط کے ساتھ جنگ کا حکم دیا گیا ''فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' (سورۃ التوبۃ، آیت نمبر: 5) (پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کرو) پھر اس کے بعد جنگ کا مطلق حکم دیا گیا ''وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 244) (اور تم اللہ کے راستہ میں جنگ کرو) اور جنگ کا معاملہ ہمیشہ کے لئے اسی پر قائم ہوگیا۔ (تلخیص از: سرخسی)۔

52/5149۔سیدنا علی، ابوہریرہ، ابودرداء ابوامامہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، جابر بن عبداللہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اللہ کے راستہ میں خرچہ بھیجے اور اپنے گھر میں رہے تو اس کے لئے ہر ایک درہم کے بدلے سات سو درہم ہیں اور جو شخص اللہ کے راستہ میں اپنی ذات سے جہاد کیا اور اس کی رضا کے لئے اس کو (مال) خرچ کیا تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات (7) لاکھ درہم ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ''(2۔سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:261)(اور اللہ جس کے لئے چاہے اضافہ کرتا ہے)۔(ابن ماجہ)

53/5150۔خریم بن فاتک رضی تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے اللہ کے راستہ میں کچھ خرچ کیا تو اس کے لئے سات سو درجہ اضافہ لکھا جاتا ہے۔ (ترمذی، نسائی)

54/5151۔سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نکیل ڈالی ہوئی ایک اونٹنی لایا اور کہا: یہ اللہ کے راستہ میں ہے تو رسول الہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے لئے اس کے بدلے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی وہ سب نکیل ڈالی ہوئی ہوں گی۔ (مسلم)

55/5152۔ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ اللہ کے راستہ میں ڈیرہ کا سایہ (فراہم کرنا) اور اللہ کے راستہ میں کسی خادم کا عطیہ کرنا یا اللہ کے راستہ میں نر (اونٹ) کی جفتی کے قابل اونٹنی پیش کرنا ہے (ترمذی)

56/5153۔سیدنا عبداللہ بن حبشی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: (نفل نمازوں میں) قیام کو طویل کرنا پھر عرض کیا گیا کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تنگدست کی محنت کا صدقہ، عرض کیا گیا کونسی ہجرت افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: آدمی کا چھوڑ دینا ان چیزوں کو جس کو اللہ نے اس پر حرام کیا ہے، عرض کیا گیا پس کونسا جہاد افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ آدمی (افضل ہے) جو اپنے مال اور اپنی جان سے مشرکین سے جہاد کرے، عرض کیا گیا کونسی شہادت زیادہ عظمت والی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کا خون بہایا گیا ہو اور اس کا عمدہ گھوڑا بھی زخمی کر دیا گیا ہو (ابوداؤد)

57/5154۔نسائی کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کونسا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ایسا ایمان جس میں کسی قسم کا شک نہ ہواور ایسا جہاد جس میں کسی قسم کی (مال غنیمت میں) خیانت نہ ہواور ایسا حج جو مقبول ہو،عرض کیا گیا کونسی نماز افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: (جس میں) طویل قیام ہو۔اس کے بعد کے الفاظ میں دونوں (ابوداؤد،نسائی) نے اتفاق کیا ہے۔

58/5155۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ (دشمن کی) کھوپڑی پر ضرب لگاؤ تو تم جنت کے وارث ہوجاؤگے۔(ترمذی)

59/5156۔سیدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک سے واپس ہوئے پس آپ مدینہ کے قریب ہوئے تو فرمائے: مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم کوئی سفر کئے اور نہ کسی وادی کو طے کئے ضرور وہ (ہرجگہ) تمہارے ساتھ تھے۔

60/5157۔اور ایک روایت میں آیا ہے''مگر ضرور وہ تمہارے ساتھ ثواب میں شریک ہیں'' انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ان کے مدینہ میں رہتے ہوئے بھی؟ تو آپ نے فرمایا: ان کے مدینہ میں رہتے ہوئے بھی،عذر نے ان کو روک دیا (بخاری)۔

61/5158۔اور امام مسلم نے جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے اس کی روایت کی ہے۔

62/5159۔سیدنا سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سچائی کے ساتھ اللہ تعالی سے شہادت کو طلب کرے گا تو اللہ تعالی اس کو شہداء کے درجوں تک پہنچادے گا اگرچیکہ وہ بستر پر مرے۔(مسلم)

63/5160۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مرے اور وہ جہاد نہ کیا ہواور نہ اپنے نفس سے اس کی (جہاد کرنے کی) بات کہی ہوتو وہ شخص نفاق کی ایک شاخ پر مرا۔[19] (مسلم)

---

[19] قولہ: ولم یحدث به نفسه (اس نے اپنے نفس سے اس کی بات نہیں کی) ظاہر ہے کہ یہ بات عام ہے اور واجب ہے ہر مسلمان پر کہ وہ جہاد کی نیت رکھے یا فرض کفایہ کے طور پر یا فرض عین کے طور پر ہو جب کہ (جہاد کے لئے) روانہ ہونے کا حکم عام ہو (مرقات)

64/5161۔ان ہی (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ) سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالی سے ملاقات کرے اور اس پر جہاد کا کوئی نشان نہ ہو تو وہ اللہ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا [20] کہ اس (کے دین) میں رخنہ ہوگا۔(ترمذی، ابن ماجہ)

65/5162۔سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی کے پاس ان دو قطرے اور دو نشان سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔

1۔آنسوؤں کا قطرہ اللہ کے خشیت کی وجہ سے۔

2۔اور ایک دوسرا اس خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں بہایا گیا ہو۔اور اب رہے دو نشان:

1۔ایک وہ نشان جو اللہ کے راستہ میں لگا ہو۔

2۔دوسرا ایک وہ نشان جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض (کی ادائی میں) لگا ہو۔

(ترمذی)(اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

66/5163۔سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، مسلمانوں کی ایک جماعت اس پر جنگ کرتی رہے گی یہاں تک قیامت ہوگی۔(مسلم)

67/5164۔سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک نہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر جہاد کرتی رہے گی۔وہ غالب رہیں گے اور جو ان سے دشمنی کریں گے ان پر غالب رہیں گے۔یہاں تک کہ ان میں کی آخری جماعت دجال سے جنگ کرے گی۔(ابوداؤد)

68/5165۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے میں شہید کس کو سمجھتے ہو۔وہ عرض کئے یا رسول اللہ جو شخص اللہ کے راستہ

---

[20] قولہ: من لقی اللہ بغیر اثر من جھاد الخ یعنی جو اللہ سے ملاقات کرے اور اس پر جہاد کی کوئی نشانی نہ ہو جیسے زخم یا راستہ کا غبار یا بدن کا تھکنا یا مال کا خرچ کرنا اسباب جہاد کا مہیا کرنا اور ہتھیار فراہم کرنا تو وہ اللہ تعالی سے ملے گا تو اس حال میں کہ اس (کے دین) میں رخنہ یعنی شہادت کی کمال خوش قسمتی اور مجاہد کے جہاد کے مقابلہ میں خلل اور کمی ہوگی۔اور ہوسکتا ہے یہ حدیث شریف مقید ہو اس کے لئے جس پر جہاد فرض ہو اور وہ اس مقصد تک پہنچانے والے (جہاد کے) اسباب کی تیاری شروع کئے بغیر انتقال کر جائے (ماخوذ از مرقات)

میں قتل کیا جائے پس وہ شہید ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہوتو میری امت میں شہداء کم ہو جائیں گے۔21 جو شخص اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو آدمی اللہ کے راستہ میں انتقال کر جائے وہ شہید ہے اور جو آدمی طاعون میں انتقال کر جائے وہ شہید ہے اور جو آدمی پیٹ (کی بیماری) میں انتقال کر جائے وہ شہید ہے۔(مسلم)

69/5166 ۔سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص اللہ کے راستہ میں گھر سے نکلا اور انتقال کر گیا یا قتل کیا گیا یا اس کے گھوڑے یا اس کے اونٹ نے اس کو گرا کر گردن توڑ دی یا اس کو ڈس لے کوئی زہریلا جانور یا وہ بستر پر کسی بھی موت سے جو اللہ نے چاہا انتقال کر جائے تو وہ شہید ہے۔اور یقیناً اس کے لئے جنت ہے۔(ابوداؤد)

70/5167 ۔سیدتنا ام حرام رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کئے ہیں آپ نے فرمایا وہ آدمی جس کو سمندر چکر آئے ، قئے ہو جائے اس کو شہید کا ثواب ہے اور جو غرق ہو جائے تو اس کو دو شہیدوں کا ثواب ہے 22۔(ابوداؤد)

---

21 قولہ: ان شھداء امتی اذًا لقلیل الخ (ایسا ہوتو میری امت کے شہداء کم ہو جائیں گے) صاحبِ درمختار نے کہا یہ ساری باتیں شہید کامل سے متعلق ہیں ورنہ جنگ میں شہید ہونے والا وہ شخص ہے جس نے جنگ ختم ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا ہو یا اس کو دوا دی گئی ہو یا اس کو زخمی حالت میں میدانِ جنگ سے منتقل کیا گیا ہو یا اس نے کوئی دنیوی وصیت کی ہو تو یہ آخرت میں شہید میں شمار ہے اسی طرح حالت جنابت میں شہید ہونے والا ، اس جیسا اور وہ شخص جو کسی دشمن کا ارادہ کیا اور انتقال کر گیا اور جو ڈوب جائے یا جل جائے اور جو حالت سفر میں انتقال کر جائے اور جو کسی چیز کے گرنے سے مر جائے اور پیٹ کی بیماری یا طاعون سے انتقال کرے اور جو زچگی میں انتقال کرے یا شب جمعہ انتقال ہو اور ذات الجنب کی بیماری میں انتقال کرے اور طلب علم کی راہ میں انتقال ہو یہ سب شہید ہیں۔اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے تقریبا(30) تیس تک شمار کئے ہیں۔

22 قولہ: والغریق لہ اجر شھیدین (علماء کا اختلاف ہے کہ سمندر کا شہید افضل ہے یا خشکی کا شہید افضل ہے۔ایک جماعت نے کہا خشکی کا شہید افضل ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے سمندر کا شہید افضل ہے اور ابوعمرو نے کہا اہلِ علم کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب سمندر میں تلاطم ہو تو کسی کو اس وقت اس کا سفر جائز نہیں ہے۔اس کی منجملہ وجوہ کے اس کا متلاطم ہونا ہے۔اور جب حضرات نے افضل ہونے میں سمندر کے شہید کو ترجیح دی ہے۔انہوں نے اس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے۔ (عمدۃ القاری)

71/5168۔اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے انس رضی اللہ تعالی عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان کے پاس تشریف لاتے اور وہ آپ کے لئے کھانا پیش کرتی تھیں اور ام حرامؓ، عبادہ بن صامتؓ کی بیوی تھیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ کے لئے کھانا پیش کیا۔اور آپ ﷺ کے سر مبارک کو غور سے دیکھنے لگیں۔ آپ ﷺ نے آرام فرمایا پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے تو وہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی اس خوشی کی کیا وجہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے مجھ پر پیش کئے گئے۔اس سمندر کے بیچ میں اس طرح سوار ہوکر جیسے بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھے ہیں 23 یا بادشاہوں کے جیسے جو تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے ہیں (اس عبارت میں)

23 قولہ: یرکبون ثبج هذا البحر (اس سمندر کے بیچ میں سوار ہوکر) اس میں جہاد کے لئے سمندری سفر کرنے پر دلالت ہے اور سعید بن مسیّب فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سمندر میں کاروبار کے لئے سفر کرتے تھے۔ان میں سے حضرت طلحہ اور سعید بن زید بھی ہیں اور جمہور علماء کا یہی قول ہے سوائے حضرت عمر بن خطاب اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کے ان دونوں نے سمندر کے سفر سے مطلقاً منع کیا ہے اور ان میں سے بعض نے اس منع کو دنیا طلبی کے لئے سمندر میں سفر پر محمول کیا ہے آخرت کے لئے منع نہیں ہے۔اور امام مالک رحمہ اللہ نے عورتوں کے لئے مطلقاً ناپسند کیا ہے۔کیونکہ وہ خوف کرتے تھے۔ان کے بارے میں کہ ان کو دیکھا جائے گا وہ کسی کی عورت کو دیکھ نہ لیں اور بعض علماء نے اس کو چھوٹی کشتیوں کے سفر کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

بڑی کشتیوں میں منع نہیں ہے جب کہ حدیث اس کے خلاف ہے اگر تم یہ کہو کہ امام ابوداؤ نے ابن عمر کی روایت سے حدیث نقل کی ہے: **لایرکب البحر الا حاجا او معتمراً او غازیا، فان تحته نارا و تحت النار بحرا.** (سمندر کا سفر سوائے حاجی یا عمرہ کرنے یا جہاد کرنے والے کے سوا دوسرا نہ کرے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔تو میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور خلال نے اس حدیث کو اپنی کتاب العلل میں لیث کی روایت سے نقل کیا ہے کہ وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے اس کو مرفوع روایت کی ہے تو اس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ابن معین نے فرمایا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کو جو مرفوع کیا گیا ہے یہ منکر ہے۔(عمدۃ القاری میں اس طرح ہے) اور فتاوی عالمگیری میں ہے جب آدمی تجارت وغیرہ کے لئے سمندر کا سفر کرنا چاہتا تو یہ اس وقت درست ہے جب کہ اگر کشتی ڈوبنے لگے تو وہ ہر ممکنہ ذریعہ سے اپنے آپ کو ڈوبنے سے بچا سکتا ہو۔اور اگر کسی بھی ممکنہ طریقہ سے اپنے آپ کو ڈوبنے سے بچا نہیں سکتا تو اس کے لئے سمندر کا سفر جائز نہیں۔

اسحاق راوی کو شک ہوا ہے ۔تو وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی سے دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کردے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے (اس کی) دعا فرمائی پھر آرام فرمایا اور اٹھے تو خوشی کا اظہار فرمارہے تھے ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی اس خوشی کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کئے گئے اللہ کے راستہ میں جنگ کرتے ہوئے جیسا کہ آپ نے پہلی مرتبہ فرمایا تھا تو وہ کہتی ہیں تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ میرے لئے اللہ سے دعا فرمائیں وہ مجھے ان میں سے کردے تو آپ نے فرمایا تم پہلے والوں میں سے ہو۔ پس وہ معاویہ بن ابی سفیان کے زمانے میں سمندر کا سفر کیں اور جس وقت وہ سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گرگئیں اور انتقال کرگئیں ۔(بخاری)۔

72/5169۔اور امام مسلم نے اس کو یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کی ہے۔

73/5170۔سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:نہیں ہے کوئی غزوہ یا سریہ میں جانے والا جنگی دستہ جو جہاد کرے 24 اور مال غنیمت پائے اور سلامت رہے مگر اس نے اپنے اجر کا (دنیا میں) دو تہائی حصہ حاصل کرلیا اور نہیں ہے کوئی غزوہ یا سریہ میں جانے والا جنگی دستہ جو مضطرب ہوجائے اور تکلیف میں مبتلا ہو مگر یہ کہ وہ اپنا مکمل اجر پائیں گے۔(مسلم)

74/5171۔ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لئے لڑرہا ہے اور ایک شخص اپنے

---

24 قولہ: تغزو فتغنم و تسلم الا کانوا قد تعجلوا ثلثی اجورهم الخ (جنگ کرے اور مال غنیمت پائے اور سلامت رہے مگر وہ اپنے اجر کا دو تہائی حصہ حاصل کرلیا)اس کی تاویل یہ ہے کہ اس کا مقصد صرف جہاد ہے مال غنیمت میں اس کو رغبت نہیں ہے۔اور اب رہی یہ صورت کہ اسکا بڑا مقصد تو جہاد ہے اس کے ساتھ مال غنیمت کی بھی رغبت ہے یہ صورت اللہ تعالی کے اس ارشاد میں داخل ہے پس '' لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ ''(سورہ بقرۃ،آیت نمبر:197)''یعنی حج کے راستہ میں تجارت کرلی جاسکتی ہے اور جس طرح اس کی وجہ سے حج کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی اس طرح جہاد بھی ہے اور جو آدمی جہاد میں جانا چاہتا ہے اور اس کا مقصد حقیقت میں صرف مال حاصل کرنا ہے تو یہ حالت منافقوں کی ہے۔اس کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے۔یا اس کا بڑا مقصد مال حاصل کرنا ہو تو اس جیسی صورت کے لئے حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اس آدمی کے بارے میں جو جہاد میں دو دینار کی مزدوری پر کام کیا تیرے لئے تو دنیا و آخرت میں تیرے دو دینار ہی ہیں۔(ماخوذ از: ردالمحتار)

ذکر یعنی اپنا چرچہ کرنے کے لئے لڑ رہا ہے اور ایک شخص اپنا مقام دکھانے کی غرض سے لڑ رہا ہے تو کونسا لڑنے والا اللہ تعالی کے راستہ میں ہے۔ تو آپ نے فرمایا جو آدمی اس غرض سے لڑ رہا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کے راستہ میں ہے 25 (متفق علیہ)۔

75/5172۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اللہ کے راستہ میں جنگ لڑتا ہے اور نیت نہیں کیا سوائے ایک اونٹ باندھنے کی رسی کے تو اس کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کیا۔ (نسائی)

76/5173۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک آدمی جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ دنیا کے سامان میں سے کچھ چاہتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کوئی اجر 26 نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

77/5174۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غزوہ (جنگ) دو قسم پر ہے ایک وہ آدمی ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہا اور امام (حاکم) کی اطاعت کیا اور اپنی بہترین چیز خرچ کیا اور دشمن شریک جنگ کو گرفتار کیا اور فساد سے بچا رہا تو یقیناً اس کا سونا اور اس کا جاگنا سب اس کے لئے اجر ہے۔ اور اب رہا وہ آدمی جو فخر کے لئے ریا کاری اور شہرت کے لئے لڑا اور امام (حاکم) کے خلاف کیا اور زمین میں فساد مچایا تو یقیناً وہ کفاف (اس کا اجر) لے کر نہیں لوٹے گا۔ (موطا امام مالک، ابوداؤد، نسائی)۔

78/5175۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے جہاد کے بارے میں بتایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا! اے عبداللہ بن عمرو اگر تم صبر کے ساتھ (جمے رہ کر) اور ثواب کی نیت سے لڑو گے تو اللہ تعالی تم کو صابر اور محتسب (ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور

---

25 قولہ: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله الخ صاحب فتح القدیر نے کہا جنگ کا مبدا قوت عقلیہ اور قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ ہے ان میں صرف پہلی صورت میں جنگ فی سبیل اللہ ہے۔ اور نیل الاوطار میں بھی اسی طرح ہے۔

26 قولہ: لا اجر لہ (اس کو کوئی اجر نہیں) یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اللہ کے لئے جنگ نہ کیا ہو۔ اور لیکن جب اللہ کے لئے جنگ کرے اور مال غنیمت کے حصول کا بھی مقصد ہے تو بے شک اس کو اجر ملے گا البتہ اس کا اجر اس شخص کے اجر سے کم ہوگا جو اللہ کے لئے جنگ کرے اور مال غنیمت اس کا مقصد نہ ہو۔ (مرقات)

ثواب کے لئے لڑنے والا) اٹھائے گا۔اور اگر تم ریا کاری اور بڑائی کے لئے لڑوگے تو اللہ تعالی تم کو ریا کار اور فخر کرنے والے کی حالت میں اٹھائے گا۔اے عبداللہ بن عمرو تم جس حالت میں جنگ کروگے یا قتل کئے جاؤگے تو اللہ تعالی تم کو اسی حالت میں اٹھائے گا۔(ابوداؤد)

79/5176۔عقبہ بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بات سے عاجز ہوگئے ہو کہ جب میں کسی شخص کو بھیجوں اور وہ میرا کام جاری نہ کرسکے 27؎ تو تم اس کی جگہ ایسے شخص کو مقرر کرو جو میرے حکم کو جاری کرسکے۔(ابوداؤد)

27؎قولہ: **فلم یمض لأمری ان تجعلوا مکانہ من یمضی لامری** (اور وہ میرا کام جاری نہ کرسکے تو تم اس کی جگہ ایسے شخص کو مقرر کرو جو میرے حکم کو جاری کرسکے) یعنی فاسق کو مقتدا (امیر) بنانا مکروہ ہے اور فسق کی وجہ سے وہ معزول کردیا جائے گا سوائے اس سے کہ اس سے کوئی فتنہ پیدا ہوجاتا ہو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ معزول کیا جائے۔اسی وجہ سے آپ نے یہ نہیں فرمایا وہ خود بخود معزول ہے۔(درمختار، ردالمحتار)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاھرین، واصحابہ الاکرمین الافضلین، والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین اجمعین، اما بعد!

(1/179) بَابُ اِعْدَادِ آلَةِ الْجِهَادِ

جہاد کے آلات کی تیاری کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾(سورہ انفال، پارہ:10، آیت نمبر:60)

ترجمہ: اورتم جہاں تک ہوسکے ان کے مقابلہ کے لئے قوت تیار کرواور گھوڑوں کو باندھے رکھو جس سے تم اللہ کے دشمن کواور تمہارے دشمن پر دھاک بٹھائے رکھو گے۔

1/5177 ۔عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ہے(وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ)اورتم ان (دشمنان اسلام) کے لئے تم سے جس قدر ہوسکے قوت تیار کرو۔

سنو! بلاشبہ قوت تو تیراندازی (ہتھیار چلانا) ہے۔[1] سنو! بلاشبہ قوت تو تیراندازی ہے۔سنو! بلاسبہ قوت تو تیراندازی ہے۔(مسلم)

2/5178 ۔ان ہی سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

---

[1] قولہ: الا ان القوۃ الرمی الخ (سنو! بلاشبہ قوت تو تیراندازی ہے)صاحب مسوی نے کہا اس سے مراد حصر کرنا نہیں ہے بلکہ فرد کامل مراد ہے۔صاحب نیل الاوطار اور قرطبی نے کہا ہے کہ قوت کی تفسیر رمی (تیراندازی) سے جب کہ قوت جنگ کے دوسرے آلات کی تیاری سے بھی ظاہر ہوتی ہے،اس لئے کی گئی ہے کہ رمی سے دشمن کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور اس کا خرچہ کم ہے اور کبھی لشکر کے سردار پر تیر چلایا جاتا ہے اور وہ گھائل ہوجاتا ہے تو اس کے پیچھے والا بھی شکست کھا جاتا ہے۔اور اس (جملہ) کو یعنی (سنو! بلاشبہ قوت تو تیراندازی ہے) مکرر لایا گیا ہے۔تاکہ اس کو سیکھنے اور اوزار جہاد کی تیاری کرنے کی ترغیب دی جائے۔اور اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ جہاد کے آلات کو سیکھنا اور اس کی مشق کرنا اور اس کی تیاری میں توجہ کرنا یہ سب جائز ہے۔تاکہ وہ اس سے جہاد کی مشق اور تیاری کرے اور اپنے اعضاء کو اس کے لئے تیار کرے۔

ہے، عنقریب روم کی حکومت تمہارے لئے فتح ہوجائے گی اور اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ پس تم میں سے کوئی عاجز نہ ہوجائے اپنے تیروں سے کھیلنے میں۔(مسلم)

3/5179۔ ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی تیراندازی سیکھے پھر اس کو چھوڑ دے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یا فرمایا اس نے نافرمانی کی۔(مسلم)

4/5180۔ ان ہی سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالی ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا، اس کے بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں خیر کی نیت کرے اور اس کو چلانے والے کو اور تیر اٹھا کر دینے والے کو تم تیر چلاؤ اور سواری کرو اور یہ کہ تم تیر چلاؤ یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ تم سواری کرو۔ اور ہر وہ چیز جس سے انسان کھیل کود کرتا ہے باطل ہے مگر اس کا اپنی کمان سے تیر چلانا[2] اور اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا پس یہ چیزیں حق یعنی درست ہیں۔(ترمذی، ابن ماجہ)

اور ابوداؤد اور دارمی نے یہ اضافہ کیا ہے "اور جو آدمی تیراندازی سیکھنے کے بعد اس سے بے رغبتی کر کے چھوڑ دے تو یقیناً وہ ایک نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا یا آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے اس کی ناشکری کی۔

5/5181۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی ڈھال سے آڑ کرتے تھے۔[3] اور ابوطلحہ اچھے تیرانداز تھے۔ جب وہ تیر

---

[2] قولہ: رمیہ بقوسہ (اس کا اپنی کمان سے تیر چلانا)۔ صاحب بذل المجہود نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جنگ میں تیر چلانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پس اس میں وہ تمام چیزیں داخل ہوجاتی ہیں بلکہ اس کی جگہ وہ چیزیں ہیں جس میں بندوق سے گولیاں چلائی جاتی ہیں اور توپیں اور ان کے سوا موجودہ زمانہ میں استعمال ہونے والے جدید آلات سب اس میں شامل ہیں کیونکہ ان چیزوں کی وجہ سے تیر چلانے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ ان چیزوں نے تیر چلانے کو ختم ہی کردیا ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا کہ ان احادیث شریفہ میں تیراندازی، نیزہ بازی وغیرہ کی فضیلت اور جہاد کی نیت سے ان کا اہتمام کرنے، اسی طرح اور باقی تمام ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی اور جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے گھوڑ دوڑ میں مقابلہ وغیرہ کرانے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور اس سے مراد جنگ کی مشق کرنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا اور اعضاء کو اس کے استعمال کے قابل بنانا ہے۔

[3] قولہ: یتترس مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بترس واحد۔ (ابوطلحہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی ڈھال سے آڑ کرتے تھے) ابن منیر نے فرمایا کہ ان احادیث میں اس شبہ کا ازالہ ہے کہ ان (جنگی) آلات کو اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے اور حق یہ ہے کہ احتیاط تقدیر کو روک نہیں سکتی لیکن انسانی طبیعت کے وسوسوں کے دائرہ کو تنگ کردیتی ہے۔ (ماخوذ از فتح الباری)

چلاتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گردن اوپر کرکے ان کے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھتے۔(بخاری)

6/5182۔ ابو نجیح سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں کوئی تیر پہنچایا تو اس کو جنت میں ایک درجہ ہے اور جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا تو اس کو ایک آزاد کردہ غلام کے برابر ثواب ہے۔ اور جس پر اسلام کی حالت میں بڑھاپا آیا تو (یہ بڑھاپا) اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔(بیہقی شعب الایمان) اور امام ترمذی نے دوسرا اور تیسرا حصہ روایت کیا ہے۔

7/5183۔اور ان دونوں کی روایت میں فی الاسلام کی جگہ **من شاب شيبة في سبيل الله** (جس آدمی پر اللہ کے راستہ میں بڑھاپا آیا ہو) ہے۔

8/5184۔سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کی ایک قوم کی طرف گئے جو بازار میں آپس میں تیراندازی کا مقابلہ کررہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے بنی اسماعیل تیراندازی کرو کیونکہ تمہارے جدِّ اعلیٰ تیرانداز تھے اور میں فلاں جماعت کے ساتھ ہوں تو انہوں نے (دوسری جماعت والوں نے) اپنے ہاتھوں کو روک لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم کو کیا ہوگیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ہم کیسے تیراندازی کریں جب کہ آپ ﷺ فلاں جماعت کے ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔(بخاری)۔

9/5185۔ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ مقابلہ رکھا میں آگے نکل گئی۔ پس ہمارے کچھ دن گزرے یہاں تک کہ جب میرا گوشت بڑھ گیا تو پھر آپ ﷺ نے دوڑ رکھی اور آپ آگے بڑھ گئے اور فرمایا یہ اور وہ دونوں برابر ہوگئے (احمد، ابوداؤد)

10/5186۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی اس کا نام عضباء رکھا گیا تھا وہ کسی سے پیچھے نہیں ہوتی تھی۔ ایک دیہاتی اپنی سواری پر آیا اور اس سے آگے بڑھ گیا۔ مسلمانوں پر یہ بات سخت گزری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ پر یہ حق ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی بلند ہوتی ہے تو وہ اس کو پست کردیتا ہے۔(بخاری)

11/5187۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان گھوڑوں کے درمیان جن کو سدھایا گیا تھا مقابلہ کروایا 4 مقام حفیاء سے اس کی انتہاء ثنیۃ الوداع تک ہے اور ان دونوں کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے اور آپ ﷺ نے مقابلہ کروایا ان گھوڑوں کے درمیان جو سدھائے نہیں گئے تھے۔ ثنیۃ سے مسجد بنی زریق تک اور ان دونوں کے

4 قولہ: سابق بین الخیل الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کے درمیان جن کو سدھایا گیا تھا مقابلہ کروایا) درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ تیراندازی اور گھوڑوں خچروں اور گدھوں کے درمیان مقابلہ کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ملتقی، مجمع، مختار مواھب، دررالبحار میں اسی طرح ہے اور مصنف نے یہاں اس کو برقرار رکھا ہے برخلاف اس کے جس کو انہوں نے کتاب الفرائض سے کچھ پہلے متفرق مسائل میں ذکر کیا تھا۔ اس میں صرف گھوڑے، اونٹ، پیدل دوڑنا اور تیراندازی کا ذکر کیا تھا۔ کتاب کنز اور زیلعی میں اسی طرح ہے اور شارح نے وہاں اس کا اقرار کیا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے وہاں کہا تھا کہ ان چار کے سوا جیسے خچر ہے ان میں پیسے مقرر کر کے مقابلہ کروانا جائز نہیں ہے۔ لیکن پیسے مقرر کئے بغیر ہر چیز میں مقابلہ جائز ہے۔ اور اس کی مکمل تفصّل زیلعی میں موجود ہے۔ اور فتاویٰ ذخیرہ، خانیہ، اور تاتارخانیہ میں اسی طرح ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث شریف میں کھر والے جانور کا ذکر عام ہے اور جو حضرات اس کے عموم کی طرف گئے ہیں تو اس میں خچر اور گدھے کو بھی داخل کئے ہیں اور جو حضرات اس کی علت پر غور کئے ہیں تو وہ ان دونوں (خچر اور گدھے) کو خارج کردئے ہیں کیوں کہ وہ جہاد کا آلہ نہیں ہیں۔ اونٹ اور پاؤں سے دوڑنا یہ اس لئے کہ یہ جہاد کا آلہ ہیں پس یہ مستحب ہے۔ اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے پاس قدموں کے بل مقابلہ جائز نہیں ہے اور یہ ممانعت مال مقرر کرنے پر ہے۔ اگر مال مقرر نہ کیا جائے تو تمام کھیلوں میں مقابلہ مباح ہے۔ اور پیسے مقرر کرنا جائز ہے اور اس کو لینا بھی اچھا ہے جب کہ شرط ایک طرف سے ہو یہ اس لئے نہیں کہ وہ اس کا مستحق ہو گیا ہے کیوں کہ اگر مغلوب ہونے والا نہیں دے رہا تو قاضی اس کو مجبور نہیں کرسکتا اور اس کی وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا۔ (زیلعی فی مسائل شتیٰ)

اور امام بزازی نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ شرط کی وجہ سے کسی چیز کا استحقاق نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں معاملہ اور قبضہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ معاملہ کرنے سے کوئی چیز لازم آتی ہے جیسا کہ حضرات شافعیہ کہتے ہیں۔ اس میں اچھی طرح غور کرو۔ اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ عدم عقد کے معنی عدم امکان عقد ہے اس بناء پر کہ مذکورہ صورت میں پیسے مقرر کرنے کا جواز بطورِ استحسان ہے۔

امام زیلعی نے فرمایا قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ یہ جائز نہ ہو کیوں کہ اس میں تملیک کو ممنوع چیز پر معلق کیا گیا ہے اسی لئے چار چیزوں کے علاوہ جیسے خچر وغیرہ ہیں، جائز نہیں ہے اگرچہ کہ شرط جانبین میں سے کسی ایک کی طرف سے ہو۔ مال کی شرط مقابلہ میں اگر کسی ایک کی طرف سے یا کسی تیسرے کی طرف سے ہو تو جائز ہے اس طرح کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اپنے ساتھی سے کہے کہ اگر تو مجھ سے آگے بڑھ جائے گا تو میں تجھ کو اتنا مال دوں گا اور اگر میں تجھ سے آگے بڑھ جاؤں تو میں تجھ سے کچھ نہیں لوں گا۔ یا حاکم دو سواروں یا دو تیراندازوں سے یہ کہے کہ تم میں سے جو کوئی آگے بڑھ جائے گا تو اس کو اتنا انعام ملے گا اور اگر وہ خود آگے بڑھ جائے گا تو اس کو کچھ نہیں ہے (تو یہ جائز ہے) (اختیار وغرر الافکار)۔

اور اگر اس میں شرط جانبین سے ہو اس طرح کہ اگر تیرا گھوڑا آگے بڑھ جائے گا تو تیرے لئے اتنا مال ہے اور اگر میرا گھوڑا آگے بڑھ جائے گا تو میرے لئے تیرے ذمہ اتنا مال ہوگا تو یہ ناجائز ہے۔ (زیلعی)

اور اسی طرح اونٹ اور تیر سے متعلق کہے گا تو بھی یہی حکم ہوگا۔ (تاتارخانیہ) کیوں کہ یہ جوا ہو جائے گا۔......

......البتہ اگر وہ دونوں کسی تیسرے آدمی کو اس کے گھوڑے کے ساتھ ان دونوں کے درمیان میں داخل کریں اور وہ ان دونوں کے گھوڑوں کے برابری کا ہو جس کے بارے میں یہ خیال ہو سکے کہ وہ آگے بڑھ جاسکتا ہے۔(تو یہ جائز ہے) ورنہ جائز نہیں ہے۔یعنی اگر اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو تو (اس وقت) یہ جائز نہیں۔کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے''**من ادخل فرسا بين فرسين** ''جو آدمی دو گھوڑوں کے درمیان ایک گھوڑا داخل کرے اور اس کے آگے بڑھنے کے بارے میں اس کو خوف ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو آدمی دو گھوڑوں کے درمیان ایک گھوڑا داخل کرے اور اس کے آگے بڑھ جانے سے متعلق اس کو یقین ہے تو ایسی صورت میں یہ جوا ہے پھر جب وہ ان دونوں پر سبقت لے جائے تو ان دونوں سے لے اور اگر وہ دونوں اس پر سبقت لے جائیں تو ان کو نہ دے اور ان دو کے درمیان میں جو بھی ان میں سے آگے بڑھ جائے تو وہ اپنے ساتھی سے لے اور انتہاء مسافت کے بارے میں شرط ہے کہ وہ گھوڑے اس کو برداشت کرسکیں اور ان دونوں گھوڑوں میں سے ہر ایک کو آگے بڑھ جانے کا احتمال ہو۔(زیلعی)

اور تیر کے بارے میں اور پیدل مقابلہ کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے اور کتاب غررالافکار میں محرر سے روایت ہے مقابلہ اگر اونٹوں کا ہے تو آگے بڑھنے میں کندھوں کا اعتبار ہے اور گھوڑوں کے مقابلہ میں گردن کا اعتبار ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں قدموں کا اعتبار ہے۔متفرقات تاتارخانیہ میں سراجیہ کے حوالے سے ہے قبلہ کی جانب نشانہ بنا کر تیراندازی کرنا مکروہ ہے اور یہی حکم فقہی مقابلہ کے بارے میں ہے۔پس کسی ایک معین کے لئے جس کے ساتھ صواب ہو یعنی جو صحیح جواب دے سکے اس کے لئے شرط رکھی گئی تو یہ درست ہے اور اگر ہر ایک کے لئے اس کے دوسرے ساتھی پر شرط رکھی جائے تو درست نہیں ہے۔(درر مجتبیٰ)

یعنی اس طرح کہے کہ اگر حق تیرے ساتھ ہے تو تجھے اس قدر ملے گا یا اگر حق میرے ساتھ ہو تو مجھے کچھ نہیں یا اسکا بالعکس ہو۔لیکن یہ کہیں کہ ہم میں سے جس کسی کے ساتھ حق ہو تو دوسرے کے لئے اس قدر دینا ہوگا تو یہ ناجائز ہے کیوں کہ یہ دونوں جانب سے شرط ہے اور یہ جوا ہے ہاں اگر ان دونوں کے درمیان کوئی تیسرا محلل آجائے جو اس کو حلال کرسکے تو وہ جائز ہوگا۔اور پہلوانی کا مقابلہ بدعت نہیں البتہ اگر وہ دل بہلائی اور کھیل کود کے لئے ہے تو ناجائز ہے۔(برجندی)

بے شک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متعدد لوگوں سے کشتی کئے ہیں۔ان میں سے اسود جمحی ہے اور ان ہی میں سے رکانہ بھی ہے۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اس شرط پر کہ آپ ﷺ اس کو بچھاڑ دیں تو اسلام قبول کرے گا مسلسل تین بار بچھاڑ دیا۔(شرح شمائل ملاعلی قاری)

اور جراحی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ابوجہل سے کشتی کرنے کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ (مقابلے) جہاد پر ابھارنے اور علم سیکھنے کی ترغیب کی غرض سے جائز ہیں کیوں کہ دین کا قیام جہاد اور علم سے ہے اسی لئے صرف اس جیسی صورتوں میں جائز ہے۔اور دوسری صورتوں میں نہیں ہے۔(فصول العلامی)

اب رہا گھوڑ دوڑ، مال کی شرط کے بغیر ہر چیز میں جائز ہے یعنی ہر ایسی چیز میں جس سے شہ سواری سیکھی جاتی ہے اور جہاد کے لئے مددگار ہوتی ہے جب کہ دل بہلائی مقصود نہ ہو جائز ہے۔جیسا کہ ہمارے فقہاء کرام کے اقوال سے ظاہر ہے۔

ان کا استدلال اس حدیث شریف سے ہے کہ''**لاتحضر الملائكة شيئا من الملاهي سوى النضال و الرمي و المسابقة** ''فرشتے کسی چیز کے پاس حاضر نہیں ہوتے سوائے کشتی، تیراندازی اور مقابلہ کے اور اس کو لہو کھیل کود نام دینا صورتاً مشابہت کی وجہ سے ہے۔

درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔ (متفق علیہ)

12/5188۔ اور امام بغوی نے کتاب شرح السنہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دوگھوڑوں کے درمیان کوئی گھوڑا داخل کرے اور وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ سبقت لے جائے گا تو اس میں کوئی بھلائی نہیں اور اگر وہ یقین نہیں رکھتا کہ وہ سبقت لے جائے گا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

13/5189۔ اور ابوداود کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی گھوڑے کو دو گھوڑے کے درمیان داخل کرے یعنی وہ یقین نہیں رکھتا ہے کہ وہ (گھوڑا) سبقت کر جائے گا تو یہ جوانہیں ہے۔ اور جو آدمی داخل کرے کسی گھوڑے کو دوگھوڑوں کے درمیان اور اس کو یقین ہے کہ وہ سبقت کر جائے گا تو یہ جوا ہے۔

14/5190۔ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ گھوڑے کو پیچھے سے آواز کر کے آگے بڑھانا [5] اور نہ دوڑاتے ہوئے گھوڑے کے بازو دوسرا گھوڑا رکھنا ہے اور یحیٰ نے اپنی حدیث میں "فی الرھان" (گھوڑ دوڑ میں) کا اضافہ کیا ہے۔ (ابوداود، نسائی)

اور امام ترمذی نے اس کو باب الغصب میں تھوڑے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

15/5191۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقابلہ نہیں ہے مگر نیزہ بازی یا خف والے جانور (اونٹ) یا کھر والے جانور (گھوڑے) میں۔ ترمذی، ابوداود، نسائی)

یعنی مقابلے کے ذریعے مال کا لینا حلال نہیں ہے سوائے ان میں سے کسی ایک میں۔ [6]

---

[5] قولہ: لاجلب و لا جنب (نہ گھوڑے کو پیچھے سے آواز کر کے آگے برھانا اور نہ دوڑاتے ہوئے گھوڑے کے بازو دوسرا گھوڑا رکھنا) کتاب نہایہ میں ہے جلب گھوڑے کے مقابلہ میں یہ ہے کہ آدمی اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی آدمی کو لگا دے تا کہ وہ اس کو دوڑانے اور بھاگنے کے لئے پیچھے سے ہانکے اور آوازیں کر کے ابھارتے رہے۔

اور جنب یہ ہے کہ آدمی اپنے اس گھوڑے کے بازو دوسرا گھوڑا رکھے جس کو مقابلہ میں دوڑا رہا ہے تا کہ جب وہ گھوڑا کمزور پڑ جائے تو بازو والے گھوڑے پر سوار ہو جائے (مرقات)

[6] قولہ :ای لایحل اخذ المال بالمسابقة الا فی احدھا الخ (یعنی مقابلے کے ذریعے مال کا لینا حلال نہیں ہے سوائے ان میں سے کسی ایک میں) اب رہا بغیر مال لئے مقابلہ کرنا ہر اس کھیل و کرتب میں درست ہے جس سے سپہ گیری کی تعلیم دی جاتی ہے اور جہاد پر مدد ملتی ہے کیوں کہ مقابلہ میں مال کا لینا حدیث سے ثابت ہے نہ کہ قیاس سے اس لئے اس کے سوا تمام مقابلے بغیر مال لئے جائز ہونگے۔ غور کرو۔ (درمختار، ردالمختار)

اور ہمارے فقہاء نے اس کے ساتھ پیدل دوڑنے کو بھی شامل کیا ہے۔ کیوں کہ وہ بھی جہاد کے اسباب میں سے ہے۔

16/5192۔انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برکت گھوڑوں کی پیشانیوں میں ہے۔(متفق علیہ)

17/5193۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ گھوڑے کی پیشانی (کے بال) اپنی انگشت مبارک سے لپیٹے تھے (ہٹاتے تھے) اور فرماتے تھے بھلائی (اجر وغنیمت) قیامت تک کے لئے گھوڑوں کی پیشانیوں سے باندھ دی گئی ہے۔7 (مسلم)۔

18/5194۔عتبہ بن عبدالسلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم گھوڑوں کے پیشانی کے اور گردن کے بال اور دموں کومت کاٹو کیوں کہ ان کے دم ان کے مکھیوں کو دور کرنے کے آلے (مورچھل) ہیں اور ان کے گردن کے بال ان کو گرم رکھنے کا ذریعہ (کمبل ہیں) اور ان کی پیشانیوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔(ابوداود)

19/5195۔ابووھب حبشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کو پالا کرو اور ان کی پیشانیوں پر اور ان کی دموں پر ہاتھ پھیرا کرو یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا ان کی سرینوں پر اور ان کو ہار پہنایا کرو اور تانت کا ہار مت ڈالو8۔(ابوداود، نسائی)

20/5196۔ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی گھوڑے کو پالے اللہ کے راستہ میں اللہ پر ایمان کے تقاضہ کی بناء پر اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے تو اس کا کھانا، اس کا پینا، اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس کے میزان میں ہوگا۔(بخاری)۔

7قولہ: الخیل معقود بنو اصیھا الخیر الی یوم القیامة الخ (بھلائی (اجر وغنیمت) قیامت تک کے لئے گھوڑوں کی پیشانیوں سے باندھ دی گئی ہے) شرح السنہ میں ہے اس حدیث میں جہاد کے لئے گھوڑے رکھنے کی ترغیب ہے اور یہ بات بھی کہ جہاد ختم نہیں ہوگا۔(مرقات)

8قولہ: ولا تقلدوھا الاوتار (اور ان کو تانت کا ہار مت ڈالو) ابن جوزی نے کہا: ''اوتار'' سے مراد کیا ہے اس سے متعلق تین اقوال ہیں:......

21/5197۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عورتوں کے بعد گھوڑوں سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں تھی۔ (نسائی)

22/5198۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ گھوڑوں میں شکال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرماتے تھے 9 شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے سیدھے پاؤں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا سیدھے ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۔ (مسلم)

...... **1**- وہ اونٹوں کو ریشم کے تار ڈالا کرتے تھے ان کا یہ خیال تھا کہ اس سے نظر نہیں لگتی۔ ان کو توڑ دینے کا حکم یہ بتانے کے لئے دیا گیا کہ یہ تانت اللہ کی تقدیر کو رد نہیں کر سکتے۔ یہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

2- دوسری بات یہ ہے کہ اس تانت کے ڈالنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ تیز دوڑاتے وقت کہیں جانوروں کا گلہ گھٹ نہ جائے۔ اور یہ قول حضرت امام اعظم کے شاگرد محمد بن حسن سے منقول ہے۔ اور اس بارے میں ابوعبید کے کلام سے بھی اس بات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیوں کہ انہوں نے کہا کہ اس سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے اور ان کا دم گھٹتا ہے اور چارہ چرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے اور اگر کسی وقت وہ (تانت) کسی درخت میں اٹک جائے تو گلہ گھٹ جاتا ہے یا اس (جانور) کے لئے چلنے میں رکاوٹ آجاتی ہے۔

3- تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ لوگ ان تانتوں میں گھنٹیاں باندھتے تھے۔ خطابی نے اس کو بیان کیا ہے امام نووی اور دیگر حضرات کہتے ہیں کہ جمہور علماء کے پاس یہ ممانعت بطور کراہت ہے اور کراہت تنزیہی ہے۔ اور اس کو کراہتِ تحریمی بھی کہا گیا ہے اور یہ بھی قول ہے کہ ضرورت نہ ہو تو منع ہے اور ضرورت کے وقت یہ جائز ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے پاس ہار کی یہ کراہت تانت کے ساتھ ہے اور تانت کے علاوہ کسی دوسری چیز سے جائز ہے، جب کہ نظرِ بد کو دور کرنے کا اس میں تصور نہ ہو۔ اور یہ سب ایسی تعویذیں وغیرہ گلے میں لٹکانے سے متعلق ہے جس میں قرآن یا اس جیسی چیز نہ ہو اور اب رہا جس میں اللہ کا ذکر ہو تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے کیوں کہ اس کو محض تبرک کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء الٰہیہ اور اس کے ذکر کی پناہ لینے کے لئے بنایا جاتا ہے اور اسی طرح جو چیز زینت کے لئے لٹکائی جاتی ہے وہ بھی جائز ہے جب تک کہ وہ تکبر اور فضول خرچی کی حد تک نہ پہونچے۔ (بذل المجہود)

9 قولہ: یکرہ الشکال فی الخیل (گھوڑوں میں شِکال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرماتے تھے) اس کا مدار تجربہ پر ہے یہ تشریعی حکم یا خبر نہیں ہے (عرف شذی)

اور صاحب لمعات نے کہا ہے کہ شِکال کی کراہت کی وجہ شارع کے علم کے حوالے ہے اور صاحبِ نہایہ نے کہا ہے کہ شارع نے اس کو مکروہ قرار دیا کیوں کہ یہ صورتاً مشکول (جس کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے باندھے گئے ہوں) کی طرح ہے جس کو ناپسند کیا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس جنس کا تجربہ کیا گیا تو اس میں نجابت نہ پائی گئی ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ساتھ اگر وہ اغر بھی ہو یعنی اس کی پیشانی میں سفیدی ہو تو اس کی کراہت ختم ہوجائے گی کیوں کہ اسمیں شِکال سے مشابہت باقی نہیں رہتی۔

23/5199۔ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہترین گھوڑا 10 وہ ہے جس کا رنگ کالا، پیشانی سفید اور ناک سفید ہو۔ پھر وہ جس کی پیشانی سفید اور جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں اور سیدھا پاؤں خالی ہو۔ اور اگر وہ کالا نہ ہو تو سرخ رنگ ہو اور یہی صفات والا ہو۔(ترمذی، دارمی)

24/5200۔ابو وھب حبشمی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہر سرخ گھوڑے کو اختیار کرو جو سفید پیشانی والا اور پنج کلیان ہو یا صرف سرخ رنگ والا اور سفید پیشانی والا اور پنج کلیان ہو یا کالا، سفید پیشانی والا پنج کلیان ہو۔(ابوداود، نسائی)

25/5201۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے کا مبارک ہونا صاف سرخ رنگ میں ہے۔(ترمذی، ابوداؤد)

26/5202۔انہی سے (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامور بندے تھے آپ ﷺ نے دوسروں سے ہم کو سوائے تین باتوں کے کسی بات میں خاص نہیں کیا 11۔

1- ہم کو حکم دیا کہ ہم وضوء کو کامل طور پر کیا کریں۔

2- اور یہ کہ ہم صدقہ نہ کھائیں۔

3- یہ کہ ہم گھوڑیوں پر گدھوں کو نہ چھوڑیں۔(ترمذی، نسائی)

27/5203۔حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

10 قولہ: خیر الخیل الأدھم الخ (بہترین گھوڑا وہ ہے) حضور اکرم ﷺ نے مذکورہ صفات کے ساتھ گھوڑے کی جو خوبصورتی وحسن بیان فرمائی ہے وہ شرعی قانون کے بطور نہیں؛ بلکہ تجربہ ومشاہدہ کی نوعیت سے ہے۔(العرف الشذی)

11 قولہ :الا بثلاث الخ (سوائے تین باتوں کے) وضوء کو کامل طور پر بنانا اور گھوڑیوں پر گدھوں کو چھوڑنے کی ممانعت سے متعلق اختصاص کے معاملہ میں اشکال پایا جاتا ہے کیوں کہ پہلی بات (وضوء کامل طور پر بنانا) یہ ہر ایک کیلئے مستحب ہے اور دوسری بات (گھوڑیوں پر گدھوں کو چھوڑنا) اس کی ممانعت ہر ایک کیلئے کی گئی ہے۔ہاں صدقہ کھانے کی حرمت یہ اہل بیت کیلئے خاص ہے۔اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ یہ دو باتیں (اہل بیت کیلئے) واجب کی گئی تھیں تو واجب کرنا ان کے ساتھ خاص تھا یا بطور مبالغہ ابھارنے کیلئے یا اس مسئلہ میں تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے۔(جواب میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کے اس قول کی طرح ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا :الا فی ھذہ الصحیفۃ (سوائے اس کے جو اس صحیفہ میں ہے)۔اس سے کسی حکم میں اختصاص اور ترجیح کی نفی کرنا مراد ہے کیونکہ یہ اشیاء ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔(لمعات)

لئے ایک خچر کا تحفہ پیش کیا گیا پس آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر ہم گدھوں کو گھوڑیوں پر چھوڑیں تو ہمارے لئے اس جیسے (خچر) حاصل ہوں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے سوا نہیں کہ یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو ناواقف ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد اور نسائی)

امام طحاوی نے کہا کہ 12 یہ ممانعت از راہ لطف و کرم ہے تا کہ جہاد کے آلات کم نہ ہوں

---

12 قوله: **وقال الطحاوی** (امام طحاوی نے کہا) الخ ان کی اصل عبارت اس طرح ہے **فان قال قائل فما معنی اختصاص النبی صلی الله علیه وسلم بنی هاشم بالنهی عن انزاء الحمیر علی الخیل.** پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گدھوں کو گھوڑیوں پر چھوڑنے کی ممانعت کو بنی ہاشم کے ساتھ خاص کرنے کے کیا معنی ہیں تو اس کا جواب درج ذیل حدیث شریف میں ہے۔ ابوجھضم نے کہا مجھ سے عبید اللہ بن عبداللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دوسروں سے سوائے تین باتوں کے کسی بات میں خاص نہیں کیا۔ 1۔ یہ کہ ہم صدقہ نہ کھائیں۔ 2۔ یہ کہ ہم کامل طور پر وضوء بنائیں۔ 3۔ یہ کہ گدھوں کو گھوڑیوں پر نہ چھوڑیں۔ انہوں (عبید اللہ بن عبداللہ) نہ کہا کہ میں نے عبداللہ بن حسن سے جب وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے ملاقات کی تو میں نے ان سے یہ بات کہی۔ انہوں نے کہا کہ وہ سچ کہتے ہیں۔ بنی ہاشم کے پاس گھوڑے تھوڑے ہی تھے تو آپ ﷺ نے یہ پسند فرمایا کہ گھوڑے ان کے پاس زیادہ ہوں۔ پس عبداللہ بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تفسیر میں اس کی مراد کیا ہے بتلائی جس کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ہاشم کے لئے یہ خاص کیا تھا کہ وہ گھوڑیوں پر گدھوں سے جفتی نہ کرائیں اور یہ حکم اس کے حرام ہونے کی بناء پر نہ تھا بلکہ اس کی وجہ ان کے پاس گھوڑوں کا کم ہونا تھا۔ پس جب یہ وجہ باقی نہیں رہی اور ان کے پاس گھوڑے زیادہ ہوگئے تو وہ اس مسئلہ میں دوسروں کی طرح ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں خاص ان کے لئے نہی کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دوسروں کے لئے جائز ہے اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو باندھ کر رکھنے میں اجر وثواب بتایا جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور آپ ﷺ سے گدھوں کے باندھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ان کے باندھنے میں کچھ بھی (اجر) قرار نہیں دیا اور خچر بھی جو گھوڑوں کے برخلاف ہیں اور ان (گدھوں) کے جیسے ہیں تو گویا جو آدمی ان جانوروں کی افزائش نسل کو چھوڑے جن کے پالنے میں اور کسب میں ثواب ہے اور ان جانوروں کی افزائش نسل کرے جن کو باندھ کر رکھنے اور ان کے کسب میں کوئی ثواب نہیں ہے تو ایسا آدمی ان لوگوں میں سے ہے جو ناواقف ہیں جانتے نہیں ہیں۔ ہمارے اس بیان سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ بنی ہاشم اور دوسروں کے لئے خچروں کی افزائش نسل جائز ہے اگرچیکہ گھوڑوں کی افزائش نسل اس سے افضل ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی قول ہے۔ اور صاحب درمختار نے کہا ہے کہ گھوڑیوں پر گدھوں کی جفتی کرانا جائز ہے جیسا کہ اس کا برعکس جائز ہے۔ (قہستانی) اور صاحبِ تکملہ البحر الرائق نے کہا گھوڑیوں پر گدھوں کی جفتی کرانا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی خچر پر سوار ہوئے ہیں اور اس کو رکھے بھی ہیں اور اگرچہ یہ حرام ہوتا تو آپ ﷺ یہ عمل نہ فرماتے کیونکہ اس سے اس کا دروازہ کھلتا ہے یہ بات صاحب ہدایہ نے کہی ہے۔

کیونکہ گھوڑا وہ کام کرتا ہے جو خچر نہیں کرسکتا پس خلاصہ یہ ہے کہ خچروں کو پیدا کروانا ناجائز نہیں ہے۔

28/5204 ۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوار کی ٹوپی چاندی کی تھی۔13 (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

علامہ تورپشتی نے کہا کہ مزید یہ (راوی حدیث) کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کی سند قابلِ لحاظ نہیں ہے۔صاحب استیعاب نے ان کی حدیث کو ذکر کرکے کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ہے۔

---

13 قولہ: كانت قبيعة سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم من فضة (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوار کی ٹوپی چاندی کی تھی) ردالمحتار میں ہے کہ تلوار پر چاندی چڑھانے کے مسئلہ میں شرط یہ ہے کہ چاندی کے مقام پر ہاتھ نہ رکھے۔اور نسائی کے الفاظ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے میان کا سرا چاندی کا تھا اور آپ ﷺ کی تلوار کی ٹوپی اور اس کے درمیان کا حصہ چاندی کا تھا۔اور لفظ "قَبِیْعَۃٌ" "ق" اور "ب" پھر "ی" اس کے بعد "ع" مھملہ ہے اور سفینہ کے وزن پر ہے تلوار کے قبضہ پر چاندی یا لوہے کا سرا ہوتا ہے۔(شرح النقایہ)

اور عالمگیریہ میں ہے قبیعۃ وہ ہے جو تلوار کی نوک یا اس کے دستہ میں چاندی کا سرا ہوتا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے کہا اگر چھری میں چاندی کے مقام کو پکڑے گا تو یہ مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے اور ردالمحتار میں ہے پھل، قبضہ، لجام میں ہاتھ رکھنے کی جگہ سے اجتناب کرے۔تلوار کا پانی چاندی کا ہوسکتا ہے سونے کا نہیں۔ (ردالمحتار)

عالمگیری میں اور کتاب "سیر" میں ہے کہ تلوار کو سونے کا پانی چڑھانا مناسب نہیں ہے اگرچیکہ جنگ میں ہو کیونکہ جنگ میں سونے کا پانی چڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اور وہ تو محض زینت کے لئے ہے۔اور انہوں نے کہا اللہ تعالی ان کو معاف کرے جب تلوار میں یہ بات ہے تو اس کے پر تلے میں بدرجہ اولیٰ (مناسب نہیں) ہے (تمرتاشی) صاحب قہستانی نے شرح نقایہ میں فتاوی قاضی خان سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ کمر پٹہ اور ہتھیار اور تلوار کے پرتلوں کو ان (فقہاء) کے قول میں چاندی لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور سونے کا پانی چڑھانا بعض فقہا کے قول میں مکروہ ہے یہ سب اس وقت ہے جب کہ خالص چاندی یا سونا لگائے اور اگر خالص چاندی وسونا نہ ہو تو تمام فقہاء کے پاس اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے کہ ہتھیار کو چاندی یا سونے کا پانی چڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سراجیہ) اور مجمع البرکات میں ہے لیکن پانی چڑھانا (چاندی، سونے کا) جس میں خالص سونا یا چاندی نہیں ہوتی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(مختلف حواشی کا خلاصہ)

29/5205۔سائب بن یزید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد کے دن دو زرہ میں تھے اور آپ ﷺ نے ان دونوں کو ایک دوسرے پر پہنا تھا۔[14] (ابوداؤد،ابن ماجہ)

30/5206۔ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا جھنڈا (رایت) کالے رنگ کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لواء یعنی چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔(ترمذی،ابن ماجہ)

31/5207۔موسیٰ بن عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جو محمد بن قاسم رضی اللہ تعالی عنہ کے غلام تھے کہا کہ محمد بن قاسم نے مجھے براء بن عازب رضی اللہ تعالی کے پاس ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رایۃ (بڑے جھنڈے) کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے کہا وہ کالے رنگ کا چوکور دھاری دار کالی چادر کا تھا۔(احمد،ترمذی،ابوداؤد)

32/5208۔حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کا لواء (چھوٹا جھنڈا) سفید رنگ کا تھا۔(ترمذی،ابوداود،ابن ماجہ)

33/5209۔سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عربی کمان تھی۔آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں فارسی کمان تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے تم اس کو ڈال دو اور یہ اس (عربی کمان) کو اور اس جیسی کمانوں کو اور کامل نیزوں کو اختیار کرو۔پس یقیناً اللہ تعالی اس کے ذریعہ تمہارے لئے دین میں مدد کرے گا اور شہروں میں تم کو جمادے گا۔(ابن ماجہ)

---

[14] **قولہ: کان علیہ یوم احد درعان قد ظاہر بینہما** (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد کے دن دو زرہ میں تھے)اس طرح سے ان دونوں میں سے کہ ایک ذرہ دوسرے کے اوپر تھا اور یہ لفظ ''تظاہر'' سے ہے۔اس کے معنی تعاون کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔(نہایہ) اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جدوجہد کے اسباب اختیار کرنے میں مبالغہ کرنا چاہئے اور یہ بات توکل کے منافی ہے اور نہ واقع ہوکر رہنے والے امور مقدرہ کو تسلیم کرنے کے منافی ہے۔(مرقات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(2/180) بَابُ آدَابِ السَّفَرِ

آدابِ سفر

1/5210 ۔کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے جمعرات کے دن نکلے اور آپ ﷺ جمعرات کے دن نکلنے کو پسند فرماتے تھے۔(بخاری)

2/5211 ۔صخر بن وداعہ غامدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو میری امت کے لئے اس کی صبح کے ابتدائی وقت میں برکت عطا فرما[1] اور آپ ﷺ جب کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔اور صخر ایک تاجر تھے وہ اپنی تجارت دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ کرتے تھے چنانچہ وہ مالدار ہوگئے اور ان کا مال بکثرت ہوگیا۔(وہ بہت مالدار ہوگئے)۔(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

3/5212 ۔ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک فوجی دستہ میں روانہ فرمایا اور وہ جمعہ کا دن تھا، ان کے ساتھی صبح چلے گئے اور انہوں نے کہا میں پیچھے رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز (جمعہ) پڑھوں گا پھر ان سے جا ملوں گا۔پس جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سارا خرچ کرو تو بھی ان کے صبح جانے کی فضیلت کو پا نہیں سکتے۔ (ترمذی)

4/5213 ۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات میں چلنے کو اختیار کرو کیونکہ رات میں زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔(ابوداؤد)

5/5214 ۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ جان لیں اس چیز کو جو تنہائی میں ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں تو کوئی سوار رات میں

---

[1] قولہ: اللھم بارک لامتی فی بکورھا الخ (اے اللہ تو میری امت کے لئے اس کی صبح کے ابتدائی وقت میں برکت عطا فرما) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور آپ ﷺ کے اس عمل کی بناء پر صبح کے ابتدائی وقت میں سفر کرنا، تحصیل علم کرنا اور معیشت کا کام کرنا وغیرہ کا سنت ہونا ثابت ہوا۔(ماخوذ از بذل المجہود، مرقات)

تنہا سفر نہ کرے گا۔(بخاری)2

6/5215۔عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سرا دو شیطان ہیں اور تین سوار، سوار ہیں۔(مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

7/5216۔ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بہترین ساتھی (سفر کے) چار ہیں اور بہترین سریہ (چھوٹا فوجی دستہ) چار سو کا ہے بہترین فوجی لشکر چار ہزار کا ہے اور بارہ ہزار کی تعداد کم ہونے کی بناء پر ہرگز مغلوب نہیں ہوگی۔(ترمذی، ابوداؤد، دارمی، اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

8/5217۔ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی سفر میں تین آدمی ہوں تو ان میں کسی ایک کو وہ امیر بنالیں۔3(ابوداؤد)

9/5218۔سھل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم کا سردار سفر میں ان کا خادم ہے اور خدمت کرنے میں جو ان پر سبقت لے جائے تو وہ لوگ شہادت کے سوا کسی بھی عمل سے اس پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔(بیہقی شعب الایمان)

10/5219۔ابوثعلبہ خشنی سے روایت ہے لوگ جب کسی مقام میں اترتے گھاٹیوں اور وادیوں میں الگ الگ پھیل جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ان گھاٹیوں اور وادیوں میں الگ الگ ہوجانا شیطان ہی کی طرف سے ہے۔پس اس کے بعد وہ کسی بھی مقام

2قولہ: ماسار راکب بلیل وحدہ (کوئی سوار رات میں تنہا سفر نہ کرے گا) مہلب نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رات میں تنہا سفر کرنا سے منع فرمانا یہ تنہا آدمی پر شیاطین کے اندیشہ سے ہے کیونکہ وہ وقت ان کے پھیلنے کا ہے اور ان کو گھبراہٹ میں ڈالنے اور وسوسے ڈالنے اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہوکر تکلیف پہونچانے کے اندیشہ کی وجہ سے ہے۔اسی لئے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ رات کے اندھیرے میں اپنے بچوں کو روک لیں اور باوجود اس کے تنہا نکلنا حرام نہیں ہے وہ صرف مکروہ ہے۔پس جو آدمی افضل چیز یعنی ساتھی کو اختیار کرے گا تو وہ بہتر ہے اور جو تنہا نکل گیا تو وہ حرام کا نہیں کیا۔اور علامہ عینی نے فرمایا اور جب تنہا نکلنے میں مصلحت ہو جیسے کسی جاسوس کو یا حالات معلوم کرنے والے کو روانہ کرنا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔(ماخوذ از عمدۃ القاری)

3قولہ: فلیؤمروا احدھم یعنی ان میں کسی ایک کو اپنا امیر بنالیں تا کہ کسی جھگڑے اور اختلاف کے موقعہ پر تصفیہ کرنا آسان رہے۔اور یہ حکم استحبابی ہے۔(بذل المجھود)

میں اترتے تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے یہاں تک کہ کہا جاتا اگر ایک کپڑا (چادر) ان پر پھیلا دی جائے تو ان سب کو ڈھانپ لے گی۔(ابوداؤد)

11/5220۔سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں شریک تھے لوگوں نے منزلیں تنگ کردیں اور راستے بند کردئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ندا دینے والے کو روانہ فرمایا وہ لوگوں میں ندا کرتے تھے کہ جس آدمی نے منزل کو تنگ کیا یا راستہ بند کردیا تو اس کا کوئی جہاد نہیں۔(ابوداؤد)

12/5221۔ابوقتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں ہوتے اور رات میں اترتے تو اپنی سیدھی کروٹ پر لیٹتے اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتے تو اپنا دست مبارک کھڑا کرتے اور اپنے سر مبارک کو اپنی ہتھیلی پر رکھتے۔(مسلم)

13/5222۔ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے سفر کے ان ساتھیوں کے ساتھ نہیں ہوتے جن میں چیتے کا چمڑا ہو۔(ابوداؤد)

14/5223۔انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے سفر کے ان ساتھیوں کے ساتھ نہیں رہتے جن میں کتا اور گھنٹی ہو۔4(مسلم)

4قولہ: ولا جرس عالمگیری میں ہے جانوروں میں گھنٹی کے لٹکانے سے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ان میں بعض نے کہا کہ ہر قسم کے سفر میں مکروہ ہے خواہ وہ جنگ ہو یا اس کے سوا کوئی دوسرا ہو سب سفر برابر ہیں۔اور ان کے پاس سفر کی طرح حضر میں بھی مکروہ ہے اور اسی طرح بچوں کے پاؤں میں گھنٹیاں باندھنا (مکروہ ہے) اور امام محمد رحمہ اللہ نے سیر کبیر میں فرمایا گھنٹیاں باندھنا غازیوں کے لئے دارالحرب میں مکروہ ہے۔اور یہی ہمارے علماء کا مذہب ہے کیونکہ دارالحرب میں جانوروں کو گھنٹیاں باندھنے سے دشمن مسلمانوں کے مقام سے باخبر ہوجائیں گے۔اگر مسلمان کم تعداد میں ہوں تو ان کی طرف جھپٹ کر ان کو قتل کردیں گے اور اگر مسلمان بڑی تعداد میں ہوں تو کفار ان سے بچنے اور محفوظ ہونے کی کوشش کریں گے، پس اسی لئے علماء نے کہا قافلہ اگر دارالاسلام میں ایسے مقام میں ہو کہ لٹیروں کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بھی جانوروں کو گھنٹیاں لٹکانا مکروہ ہے تاکہ چور ان سے باخبر نہ ہوجائیں اور ان کو قتل کرنے اور مال لوٹنے کی تیاری نہ کریں۔ہم نے جو جواب گھنٹی سے متعلق ذکر کیا ہے وہی جواب پاؤں میں چھوٹی گھنٹیاں باندھنے کا بھی ہے۔امام محمد رحمہ اللہ کتاب سیر میں فرماتے ہیں اب رہا یہ کہ جو آدمی دارالاسلام میں ہو اور اس میں سوار کے لئے فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔......

15/5224۔ ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھنٹی شیطان کے باجے ہیں۔(مسلم)

16/5225۔ ابوبشیر انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ کے ساتھ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد کو روانہ کیا کہ باقی نہ رکھا جائے کسی بھی اونٹ کے گلے میں تانت کا ہار یا کوئی بھی ہار مگر وہ کاٹ دیا جائے۔5(متفق علیہ)

17/5226۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ہریالی کی زمین میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے ان کا حق دو اور جب تم سفر کرو قحط زدہ زمین میں تو اس پر سے جلدی سفر طے کرو اور جب تم رات میں اترو تو راستے سے بچو کیونکہ وہ رات میں جانوروں کے راستے اور کیڑے مکوڑوں کے ٹھکانے ہیں۔

18/5227۔ اور ایک روایت میں ہے جب تم قحط زدہ زمین میں سفر کرو تو تم ان کو جلدی لے چلو ان کا گدنکل آنے سے پہلے۔(مسلم)

19/5228۔ ان ہی سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنے

......اورانہوں نے کہا کہ گھنٹی لٹکانے میں بہت فائدے ہیں۔

1۔ جو آدمی قافلے سے بھٹک جائے تو وہ گھنٹی کی آواز سے ان سے مل جائے گا۔

2۔ گھنٹی کی آواز رات کے موذی جانوروں کو جیسے بھیڑیا وغیرہ ہیں قافلہ سے بھگا دیتی ہے۔

3۔ اور یہ کہ گھنٹی کی آواز جانوروں میں نشاط پیدا کرتی ہے۔بس وہ حدی خوانی کی طرح ہے۔(محیط)

امام نووی وغیرہ نے کہا ہے کہ جمہور علماء کے پاس یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس کو مکروہ تحریمی بھی کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بے ضرورت منع ہے اور ضرورت کے وقت جائز ہے۔اور امام مالک رحمہ اللہ مکروہ ہونے کو تانت کے ذریعہ قلادہ ڈالنے سے خاص کرتے ہیں۔اور اس کے سوا جب کہ نظرِ بد کو دفع کرنا مقصود نہ ہو تو جائز ہے۔(عمدۃ القاری)

5قولہ :لا تبقین فی رقبۃ بعیر قلادۃ من وتر الخ (باقی نہ رکھا جائے کسی بھی اونٹ کے گلے میں تانت کا کوئی ہار) امام نووی نے کہا کہ امام محمد بن الحسن اور ان کے سوا دوسروں نے بھی کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ریشم کے تانت کا ہار مت ڈالو تا کہ اس کی گردن میں تنگ نہ ہو کہیں اور اس کا گلا نہ گھٹ جائے۔(انتہیٰ) اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ بعض دفعہ وہ جانور کسی درخت کو چرے گا یا اس سے اپنی گردن کو کھجائے گا تو وہ اس سے اٹک جائے گا۔(مرقات)

جانوروں کی پیٹھ کو منبر مت بناؤ۔ 6 بیشک اللہ نے اس کے سوا نہیں کہ ان کو تمہارے لئے مسخر کیا تا کہ وہ تم کو ایسے شہر تک پہنچائیں جہاں تم جان توڑ محنت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے اور اس نے تمہارے لئے زمین بنائی ہے پس تم اس پر اپنی ضرورتوں کو پورا کیا کرو۔ (ابوداؤد)

20/5229 ۔ انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم کسی مقام میں اترتے تھے نفل نمازیں نہیں پڑھا کرتے تھے تا آنکہ سواریوں کو ہم کھول دیتے۔ (ابوداؤد)

21/5230 ۔ ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک آدمی ایک سواری پر آیا پس وہ سیدھے اور بائیں مارنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے ساتھ زائد سواری ہو تو اس کو وہ اس آدمی کو دے جس کے پاس سواری نہیں ہے۔ 7 اور جس کے پاس زائد توشہ ہے تو اس کو وہ اس آدمی کو دے جس کے پاس توشہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال کے انواع میں اسے ذکر کرتے گئے یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو زائد چیز میں کوئی حق نہیں ہے۔ (مسلم)

22/5231 ۔ سعید بن ابی ہند ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اونٹ شیطانوں کے لئے ہوتے ہیں اور کچھ گھر شیطانوں کے ہوتے ہیں۔ اب رہا شیطانوں کے اونٹ، میں ان کو دیکھتا ہوں تم میں کا کوئی اپنے ساتھ اچھے اونٹ لے کر نکلتا ہے جس کو وہ موٹا کیا ہے پس وہ ان میں سے ایک اونٹ پر نہیں سوار ہوتا اور اپنے کسی ایسے

---

6 قولہ: لا تتخذوا ظهور دوابكم منابر (تم اپنے جانوروں کی پیٹھ کو منبر مت بناؤ) خطابی نے کہا یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا۔ پس اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سواریوں کی پشت پر ٹھہرنا اگر اس کی کوئی ضرورت ہو یا کسی ایسی حاجت کو پورا کرنا ہو جو زمین پر اترنے سے پوری نہیں ہو سکتی تو (سواری پر ٹھہرنا) مباح ہے۔ اس کے سوا نہیں کہ اس پر ٹھہرنے کی یہ ممانعت ایسی صورت میں ہے جب کہ اس کے لئے ضروری بات نہ ہو ورنہ سواری کو بلاضرورت مشقت میں ڈالنا ہے۔

7 قولہ: من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له الخ (جس کے ساتھ زائد سواری ہو تو وہ اس کو اس آدمی کو دے جس کے پاس سواری نہیں ہے) امام نووی نے کہا کہ اس میں ساتھیوں اور احباب کے ساتھ صدقہ، ہمدردی اور احسان کرنے اور ان کی مصلحتوں کا خیال رکھنے اور ضرورتمند کی ضرورت ان کے بغیر مطالبہ کے داد و دہش کے ذریعہ پورا کرنے کی ترغیب ہے اگر چیکہ اس کے پاس سواری ہو اور اس پر کپڑے ہوں اگر چیکہ وہ اپنے وطن میں مالدار ہو تو ایسی حالت میں اس کو زکوٰۃ میں سے بھی دیا جا سکتا ہے۔ (مرقات)

بھائی کے پاس سے گزرتا ہے جو عاجز ہوگیا ہے تو وہ اس کو سوار نہیں کرتا۔ اب رہا شیطانوں کے گھر تو میں اس کو دیکھا نہیں ہوں۔ سعید کہتے تھے میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہ پنجرے ہیں جس میں لوگ ریشم کے پردے ڈالتے ہیں۔ (ابوداؤد)

23/5232۔ جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں پیچھے رہتے اور کمزور کو نرمی کے ساتھ آگے بڑھاتے اور پیچھے سوار کرا لیتے اور ان کے لئے دعا کرتے۔ (ابوداؤد)

24/5233۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے 8 وہ تم میں کے ایک ایک کو اس کی نیند سے اور اس کے پینے سے روکتا ہے اور جب وہ اپنی ضرورت اس (سفر) سے پوری کرلے تو وہ اپنے گھر والوں کی طرف جلدی لوٹ جائے۔ (متفق علیہ)

25/5234۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے تشریف لاتے تو آپ ﷺ کے خاندان کے بچوں کو آپ ﷺ کے سامنے کیا جاتا۔ جب آپ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے تو مجھے آپ ﷺ کے سامنے بڑھایا گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے دو صاحبزادوں میں سے کسی ایک کو لایا گیا تو ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے تین آدمی ایک سواری پر تھے۔ 9 (مسلم)

---

8 **قولہ: السفر قطعة من العذاب الخ** (سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے) شرح السنہ میں ہے کہ اس میں زانی کو شہر بدر کرنے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ '' (24۔ سورۃ النور، آیت نمبر:2) ان کے عذاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔ اور تغریب یعنی شہر بدر کرنا بھی کوڑے لگانے کی طرح ایک عذاب ہے۔ یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تغریب یقیناً عذاب ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس اس سے مراد یہی ہے یا نہیں؟ اس میں کلام ہے اور اختلاف اس بارے میں ہے کہ وہ حد کے طور ہے یا سیاسی مصلحت کی بناء پر ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا: اللہ تعالی کا ارشاد ''فَاجْلِدُوْهُمْ '' ہماری دلیل ہے، حرف ''فَا'' سے معلوم ہوتا ہے جلد یعنی کوڑے لگانا مکمل سزا ہے یا اس بات سے ساری مذکورہ بات جلد یعنی کوڑے لگانے کی ہی ہے اور اس مسئلہ پر گفتگو کتاب الحدود میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

9 **قولہ: فادخلنا المدينة ثلاثة على دابة الخ** (جب ہم مدینہ داخل ہوئے تین آدمی ایک سواری پر تھے) حدیث شریف دلالت کرتی ہے کہ ایک جانور پر تین آدمی بیٹھنا جائز ہے اور یہ اس وقت ہے جب کہ اونٹنی اس کی طاقت رکھتی ہو اور جب اس میں اس کی طاقت نہ ہو تو جائز نہیں ہے۔ (بذل المجھود)

26/5235 ۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ وہ اور ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کو اپنے ساتھ پیچھے بٹھائے ہوئے تھے۔(بخاری)

27/5236 ۔ بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے کہ ایک صاحب آئے ان کے ساتھ ایک گدھا تھا اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سوار ہو جائیں اور وہ پیچھے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔تم اپنی سواری کے سامنے کے حصہ پر بیٹھنے کے زیادہ حقدار ہو [10] مگر یہ کہ تم اس کو میرے لئے کر دو تو اس نے کہا میں اس کو آپ کے لئے کر دیا تو آپ سوار ہو گئے۔(ترمذی، ابوداؤد)

28/5237 ۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے ہم جنگ بدر کے دن ہر تین آدمی ایک اونٹ پر تھے۔ابولبابہؓ اور علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو ان دونوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی طرف سے ہم دونوں چلتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دونوں مجھ سے زیادہ قوت والے نہیں ہیں [11] نہ میں تم سے بڑھ کر ثواب سے بے نیاز ہوں۔(شرح السنہ)

29/5238 ۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس (سفر سے) رات میں نہیں آتے تھے [12] اور آپ ﷺ صبح یا شام کے وقت پہنچتے تھے۔(متفق علیہ)

---

[10] **قولہ: لا انت احق بصدر دابتک الخ** (نہیں تم اپنی سواری کے سامنے کے حصے پر بیٹھنے کے زیادہ حق دار ہو) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاف اور آپ ﷺ کی تواضع اور تلخ حقیقت کا اظہار ہے کہ پیچھے بیٹھنے کو پسند فرمایا اور ان کے غالب رضا پر اعتماد نہ فرمایا۔(مرقات)

صاحب بذل المجھود نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کا فرمانا باوجود یہ کہ انہوں نے اپنی سواری کے سامنے کا حصہ آپ کے لئے کر دیا تھا مسئلہ پر تنبیہ کرنے کے لئے تھا۔

[11] **قولہ: قال ما انتما باقوی منی، و ما انا باغنی عن الاجر منکما الخ** (تم دونوں مجھ سے زیادہ قوت والے نہیں ہیں نہ میں تم سے بڑھ کر ثواب سے بے نیاز ہوں) علامہ طیبی نے کہا اس میں آپ ﷺ کا انتہائی اظہارِ تواضع اور ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی اور اللہ تعالی کی طرف اپنی احتیاج کا اظہار ہے۔(مرقات)

[12] **قولہ: لا یطرق اھلہ لیلا الخ** (اپنے گھر والوں کے پاس (سفر سے) رات میں نہیں آتے تھے) امام نووی نے کہا ہے کہ جو شخص طویل سفر کیا ہو اس کے لئے رات کے وقت آنا مکروہ ہے۔اور لیکن جس نے قریبی سفر کیا ہو اور اس کے رات میں آ جانے کی توقع ہو اور اسی طرح جس کا سفر طویل رہا لیکن اس کے آنے کی اطلاع مشہور ہو اور اس کی بیوی کو بھی اس کا آنا معلوم ہو تو ایسے آدمی کے لئے رات میں آنا مکروہ نہیں ہے۔کیونکہ اس کا (اس کی کراہت کا) جو سبب تھا وہ ختم ہو گیا۔کیونکہ مقصد (عورت کا اس کے لئے) تیار ہونا ہے وہ حاصل ہو گیا۔میں کہتا ہوں کہ (اس کے لئے پہنچنے کے بعد) دروازہ کھٹکھٹانا اور جواب کا انتظار کرنا ضروری ہے اور ان کا اس کو مکروہ کہنا یہ شرعی قواعد کے تقاضہ کی بناء پر نہیں ہے بلکہ فلسفی حکماء کے کلام کے مطابق ہے۔(مرقات)

30/5239۔ جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی طویل مدت تک غائب رہے تو اپنے گھر والوں میں رات میں نہ آ جائے۔(متفق علیہ)

31/5240۔ امام ابوداؤد نے انہیں سے تخریج کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جب سفر سے آئے تو اپنے گھر والوں میں آنے کا سب سے بہتر وقت رات کا ابتدائی حصہ ہے۔13

32/5241۔ انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم راستہ میں آؤ تو اپنے گھر والوں میں مت آؤ یہاں تک کہ عورت جس کا شوہر غائب تھا بال صاف کرلے اور جو پراگندہ بال تھی کنگھی کرلے۔14 (متفق علیہ)

33/5242۔ کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے نہیں آتے تھے مگر دن میں چاشت کے وقت تشریف لاتے اور جب تشریف لاتے تو مسجد سے ابتداء فرماتے پس اس میں دو رکعت نماز پڑھتے پھر لوگوں کے لئے اس میں تشریف فرما ہوتے۔(متفق علیہ)

34/5243۔ مقطم بن مقدام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں

---

13 قولہ: اذا قدم من سفر اول اللیل (اپنے گھر والوں میں آنے کا سب سے بہتر وقت رات کا ابتدائی حصہ ہے۔) صاحب لمعات نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اور اس حدیث میں جس میں رات میں آنے سے منع کیا گیا ہے تطبیق اس طرح ہے۔ اس حدیث کو قریبی سفر پر محمول کیا جائے امام نووی نے کہا اور اس طرح جب سفر طویل ہو جائے اور اس کے آنے کی خبر بھی مشہور ہو جائے تو ایسی صورت میں (رات میں آنے میں) کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ مقصد (عورت کا) تیاری کرنا ہے اور وہ اس سے حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنے گھر والوں میں آنے سے مراد مجامعت ہے کیونکہ مسافر پر دور رہنے کی وجہ سے شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ خواہش سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور جب وہ اول رات میں اپنی خواہش پوری کرلے گا تو اس کا بدن ہلکا اور نفس میں سکون رہے گا اور نیند بھی خوشگوار رہے گی۔ نیز اس میں اظہار محبت اور اظہار شوق اور حقوق کی ادائی میں جلدی ہے اور انتظار کی تکلیف کو دور کرنا ہے۔(مرقات)

14 قولہ: حتی تستحد المغیبۃ (یہاں تک کہ جس کا شوہر غائب تھا بال صاف کرلے) صاحب مرقات نے کہا ہے کہ استحداد سے مراد زیر ناف کے بال صاف کرنا ہے کیونکہ اس سے عام طور پر عورتوں میں جو عادل ہے بال کو اکھاڑنا اور "نورہ" چونا وغیرہ کا استعمال کرنا ہے۔ استرے کا استعمال مراد نہیں ہے کیونکہ یہ عورتوں کے لئے مستحسن نہیں ہے۔

چھوڑ ا کوئی بھی اپنے گھر والوں کے پاس کوئی بھی چیز ان دو رکعتوں سے افضل جس کو وہ ان کے پاس پڑھتا ہے جس وقت وہ سفر کا ارادہ کرتا ہے۔ (طبرانی)

35/5244 ۔ جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے کہا کہ تم مسجد میں جاؤ اور اس میں دو رکعت نماز پڑھو۔ 15 (بخاری)

36/5245 ۔ انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح کی۔ 16 (بخاری)

---

15 قولہ: **فصل فیه رکعتین** (تم مسجد میں جاؤ اور اس میں دو رکعت نماز پڑھو) صاحب درمختار نے کہا ہے کہ سفر کی دو رکعتیں اور سفر سے آنے کے وقت کی دو رکعتیں مستحب ہیں۔ اور شامی نے کہا ہے کہ صاحب درمختار کا قول رکعتا السفر الخ (سفر کی دو رکعتیں اور واپسی پر دو رکعتوں سے متعلق) مقطم بن مقدام سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ماخلف احد عند اهله افضل من رکعتین**......الخ آدمی جو سفر کا ارادہ کرتا ہے تو نہیں چھوڑتا اپنے گھر والوں میں کوئی چیز ان دو رکعت سے افضل جس کو وہ ان کے پاس پڑھتا ہے۔ (طبرانی)

اور کعب بن مالک سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے نہیں آتے تھے مگر دن میں چاشت کے وقت اور جب آپ ﷺ تشریف لاتے تو مسجد سے آغاز فرماتے اس میں دو رکعت نماز پڑھتے پھر اس میں تشریف رکھتے۔ (مسلم)

اور شرح منیہ میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سفر کی دو رکعت کو گھر میں پڑھنے اور سفر سے آنے کے بعد کی دو رکعتیں مسجد میں پڑھنے سے خاص ہیں۔ اور حضرات شوافع نے اس کی صراحت کی ہے۔ (بذل المجہود)

16 قولہ: **لما قدم المدینة نحر جزورا الخ** (جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح کی) ملا علی قاری نے فرمایا سفر سے آنے والے کے لئے سنت ہے کہ وہ اپنی وسعت کے بقدر مہمانی کا انتظام کرے۔ (ابن ملک)

بسم الله الرحمن الرحیم

(3/181) بَابُ الْكِتَابِ اِلَى الْكُفَّارِ وَ دُعَائِهِمْ اِلَى الْاِسْلَامِ

کفار کی طرف خط بھیجنے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے کا بیان

1/5246 ۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو خط لکھا 1 اس کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اور اپنا نامہ مبارک دحیہ کلبی کے ذریعہ اس کے

---

1 قولہ: کتب الی قیصر الخ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو خط لکھا) صاحب مرقات نے کہا ہے کہ امام نووی نے کہا اس فرمان میں بہت سے اصول وقواعد اور طرح طرح کے فائدے ہیں منجملہ ان کے

(1) آپ ﷺ کا ارشاد ''سلام علی من اتبع الھدی'' (سلامتی ہے اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی) اس میں امام شافعی کے مذہب اور ان کے جمہور اصحاب کی دلیل ہے کہ کافر کو سلام میں پہل نہیں کی جائے گی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ میں اس میں کوئی اختلاف نہیں سمجھتا۔

(2) اس میں یہ بھی ہے کہ کافروں کو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا چاہئے اور ان کو اس کی دعوت دینا ضروری ہے اگر ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو تو ان سے اس دعوت سے پہلے جنگ شروع کرنا حرام ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے ائمہ میں ابن ہمام نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر ان کو دعوت پہنچی ہے تو پھر دعوت دینا ضروری نہیں ہے لیکن پھر بھی دعوت دینا مستحب ہے۔

(3) امام نووی نے کہا ہے کہ منجملہ فوائد کے خبر واحد پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس (فرمان مبارک) کو تنہا دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ روانہ فرمایا تھا۔

(4) منجملہ فوائد کے یہ ہے کہ کلام (تحریر) کا آغاز ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے کرنا مستحب ہے اگر چیکہ جس کی طرف بھیجا گیا ہے وہ کافر ہو۔

(5) منجملہ ان فوائد کے ایک یا دو آیتوں اور اس جیسی کسی چیز کے ساتھ دشمن کی زمین کی طرف سفر کر سکتے ہیں اور قرآن مجید کو لے کر (دشمن کی زمین کی طرف) سفر کرنے کی ممانعت محمول ہے ایسی صورت پر جس میں اس کے کافروں کے ہاتھ لگ جانے کا خدشہ ہو۔

(6) منجملہ ان فوائد کے یہ کہ غیر قرآن کے ساتھ قرآنِ مجید کی ایک یا چند چھوٹی آیتوں کو بے وضو آدمی کا یا کسی کافر کا چھونا جائز ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سب مبنی ہے اس بات پر کہ ''تعالوا'' سے قرآن مجید کے الفاظ مقصود ہیں۔ لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ یہ نقل بالمعنی ہے اس سے تلاوت مقصود نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کے شروع میں جو لفظ ''قل'' ہے یہاں حذف کردیا گیا ہے۔......

پاس روانہ فرمایا اوران کو حکم دیا کہ وہ بصریٰ کے گورنر کے حوالے کردیں تا کہ وہ روم کے حاکم قیصر کو پہنچادے پس اس میں یہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے بندے اوراس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے روم کے حاکم ہرقل کی طرف سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد! میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرلو تم سلامت رہو گے اور تم کو اللہ تعالیٰ تمہارا اجر دوگنا دے گا اور اگر منہ موڑو تو تم پر عوام کا بھی گناہ ہوگا۔ اور اے اہل کتاب تم ایک بات کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم سے بعض، بعض کو ربّ نہ بنائے اللہ کے سوا۔ پس اگر وہ منہ موڑیں گے تو تم کہدو کہ تم گواہ ہو ہم مسلمان ہیں۔ (متفق علیہ)

2/5247۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ''مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ'' ہے اور ''إِثْمَ الْيَرِيسِيِّينَ'' اور ''بِدَاعِيَةِ الإِسْلَامِ'' ہے۔

......(7) منجملہ ان فوائد کے لوگوں کے درمیان مراسلت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نام سے شروع کریں مثلاً ''من زید الی عمرو'' (زید کی جانب سے عمرو کی طرف) اوراس میں دو چیزیں برابر ہیں شروع میں اپنا نام یا پتہ لکھا جائے جیسا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' (27۔سورۃ النمل، آیت نمبر:30) (یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور یہ کہ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

(8) منجملہ فوائد کے یہ ہے کہ تعریف وتعظیم میں کمی یا زیادتی نہ کی جائے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الی ھرقل عظیم الروم'' فرمایا اور ''ملک الروم'' نہیں فرمایا۔

(9) منجملہ فوائد کہ بلاغت کا استعمال اور کلام کا اختصار اور عمدہ الفاظ کا انتخاب مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان انتہائی مختصر اور نہایت بلیغ اور تجنیس بدیع کے ساتھ ساتھ معانی ومطالب کا جامع ہے کیونکہ لفظ ''تسلم'' میں دنیا کی رسوائی سے، جنگ سے، قیدی بنائے جانے اور قتل کئے جانے، ملک اور مال ودولت کے چلے جانے سے، سلامتی اور عذاب آخرت سے سلامتی سب شامل ہیں۔

(10) منجملہ فوائد کے یہ بھی ہے کہ جو آدمی دوسروں کے لئے گمراہی کا اور ہدایت سے روکنے کا سبب بنتا ہے تو اس کا گناہ زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ'' (29۔سورۃ العنکبوت، آیت نمبر:13) ''اور وہ ضرور ان کے اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور ان کے اپنے بوجھ کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔''

(11) منجملہ فوائد کے یہ بھی ہے کہ تقریر وتحریرات میں ''امابعد'' کا استعمال مستحب ہے۔

3/5248 ۔انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرمان کسریٰ کی طرف عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ساتھ روانہ فرمایا اوران کو حکم فرمایا کہ وہ اس کو بحرین کے گورنر کو دیں 2 پس بحرین کے گورنر نے اس کو کسریٰ کے پاس بھیج دیا۔ جب اس نے (کسریٰ نے) اس کو پڑھا تو اس کو چاک کردیا۔ ابن مسیّب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بددعا کی کہ وہ سب پوری طرح چاک کردئے جائیں۔(بخاری)۔

4/5249 ۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر صاحب اقتدار کو اللہ کی طرف بلاتے ہوئے تحریر روانہ فرمائی۔ اور یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔(مسلم)

5/5250 ۔ابو وائل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ خالد بن ولید نے فارس والوں کو لکھا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خالد بن ولید کی طرف سے رستم اور مہران کو فارس کے سرداروں میں۔

سلامتی ہے اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد! پس ہم تم کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں پس اگر تم انکار کرتے ہو تو جزیہ دو اپنے ہاتھ سے درانحالیکہ تم ذلیل ہو۔ پس اگر تم انکار کروگے تو میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو اللہ کے راستہ میں قتل کرنے کو ایسا پسند کرتی ہے جیسے اہل فارس شراب کو پسند کرتے ہیں۔ اور سلامتی ہے ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں۔(شرح السنہ)

---

2 قولہ: **بعث كتابه الى كسرىٰ مع عبد الله بن حذافة الخ** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرمان کسریٰ کی طرف عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ساتھ روانہ فرمایا) عمدۃ القاری، ''**باب كتاب اهل العلم بالعلم الى البلدان**'' میں ہے کہ حاکم کا خط دوسرے حاکم کی طرف لے جانے کے لئے ایک آدمی کافی ہے۔ اس کے لئے دو گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ آج کل قاضی حضرات کرتے ہیں۔ یہ بات ابن بطال نے کہی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ان (فقہاء) نے دو گواہوں پر اس کو محمول کیا ہے۔ اس لئے کہ لوگوں میں فساد داخل ہوگیا ہے تو لوگوں کے خون کی، شرمگاہوں کی اور اموال کی حفاظت کے لئے دو گواہوں کی شرط لگا کر اس میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس فرمان مبارک اور ایک قاضی کی دوسرے قاضی کی طرف تحریر کے درمیان کھلا فرق ہے کیونکہ کسی قاضی کا قاضی کی طرف تحریر، فیصلہ تو اس کی عمل آوری ضروری ہے۔ اور جس چیز کی عمل آوری ضروری ہے اس میں ثبوت شرط ہے تا کہ اس کے ذریعہ اس کی عمل آوری ضروری ہونا معلوم ہو۔ اس کے برخلاف اس فرمان مبارک کی عمل آوری لازمی نہیں ہے اس لئے کہ کسریٰ کو اختیار تھا۔ جیسا کہ حربی کے امن طلب کرنے کی تحریر کیونکہ حاکم کو اس میں اختیار ہے چاہے اس کو امن دے یا نہ دے پس اس میں گواہ ہونا شرط نہیں ہے۔(ماخوذ از: ہدایہ وشروح ہدایہ)

6/5251 ۔سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی لشکر یا سریہ پر امیر مقرر فرماتے تو آپ ﷺ ان کو وصیت کرتے کہ وہ خاص طور پر اپنے لئے اللہ کا تقوی اختیار کریں اور اپنے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں پھر آپ ﷺ فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔ اور لڑو ان سے جو اللہ کا انکار کریں، جہاد کرو خیانت مت کرو اور دھوکہ مت دو اور مثلہ مت کرو۔ اور کسی بچے کو قتل مت کرو۔ اور جب تمہارا مقابلہ ہو جائے مشرکین میں سے کسی کے ساتھ تو تم ان کو تین باتوں کی طرف بلاؤ۔ پس وہ ان میں سے کسی کو بھی قبول کرلیں تو ان کی طرف سے قبول کرلو۔ اور ان سے (لڑائی کو) روک دو۔ پھر ان کو اسلام کی دعوت دو پس اگر وہ قبول کریں تو ان کی طرف سے قبول کرو اور ان سے (لڑائی) روک دو پھر ان کو دعوت دو کہ وہ لوٹ کر آئیں اپنے گھروں سے مہاجرین کے گھروں کی طرف اور ان کو بتاؤ کہ اگر وہ یہ کام کریں گے تو ان کے لئے وہ حقوق ہیں جو مہاجرین کے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو مہاجرین پر ہیں پس اگر وہ ان (گھروں سے) منتقل ہونے سے انکار کریں تو ان کو بتادو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہیں ان پر اللہ کا حکم جاری کیا جائے گا جو مسلمانوں پر جاری کیا جاتا ہے اور ان کو مال غنیمت اور مال فیئی (دوسری قوم سے مالِ غنیمت حاصل کر کے دینا) میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا 3 مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں پس اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان سے جزیہ کا

3قولہ: ولا یکون لھم فی الغنیمۃ والفیئی شئی الخ (ان کو مال غنیمت اور مال فئی میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا) اس حدیث شریف میں کئی فوائد ہیں۔

وہ دیہاتی جن کو اموال زکوۃ دیئے جاتے ہیں اگر وہ اپنے مقام سے پلٹ کر نہیں آئے ہیں تو ان کو اموال فئی اور مال غنیمت دیا نہیں جائے گا اگرچیکہ وہ فقراء اور مساکین ہوں۔ اموال فئی و اموال غنیمت لینے والوں کو اموال زکوٰۃ دیئے نہیں جاسکتے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے اور انہوں نے اموال فئی وغنیمت اور اموال زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ دیہاتیوں کو دوسرے میں یعنی اموال زکوۃ میں حق ہے اور پہلے یعنی اموال فئی وغنیمت میں کوئی حق نہیں ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ نے ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے اور یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مصرف میں دے سکتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ''ولا یکون فی الغنیمۃ والفیئی شئی ''یعنی مال غنیمت اور فئی میں کوئی حصہ نہیں ہے یہ منسوخ ہے۔ اور اس کے سوا نہیں کہ یہ ابتدال اسلام میں تھا۔ (ماخوذ از مرقات ونیل الاوطار)

مطالبہ کرو۔4

اگر وہ تم کو (جزیہ دینے کا) جواب دیں تو ان سے اس کو قبول کرلو اور ان سے لڑائی روک دو اگر انکار کریں تو تم اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے لڑائی کرو۔ اور جب تم قلعہ والوں کا محاصرہ کرلو اور وہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ دو تو تم ان کے لئے اللہ کا ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ مت دو 5 لیکن تم ان کو اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دو کیونکہ تم اگر اپنے ذمے اور اپنے ساتھیوں کے ذمے کو توڑو گے تو یہ ہلکا ہے اللہ کے اور اس کے رسول کے ذمہ کو توڑنے سے اور اگر تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرلو اور وہ تم سے چاہیں کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتاریں تو تم ان کو اللہ کے حکم پر مت اتارو بلکہ تم ان کو اپنے حکم پر اتارو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اس کے بارے میں تم اللہ کے حکم کے مطابق ٹھیک پہونچو گے۔ (مسلم)

4 قولہ :فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ (تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو) اس حدیث شریف سے امام مالک، امام اوزاعی اور جو حضرات (اس میں) ان کے موافق ہیں استدلال کرتے ہیں کہ ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، کتابی ہو یا غیر کتابی۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صرف اہل کتاب سے ہی جزیہ قبول کیا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جزیہ عرب کے مشرکین و مجوس کے سوا تمام کفار سے لیا جائے گا اور ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ'' تم ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو جب کہ وہ مرتد اور عرب کے مشرکین نہ ہوں۔ کیونکہ ان سے اسلام یا پھر تلوار اس کے سوا کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ (ماخوذ از مرقات، نیل الاوطار)

5 قولہ :فلا تجعل لهم ذمة الله الخ (تم ان کے لئے اللہ کے ذمہ اور اس کے رسول کا ذمہ مت دو) امام نووی نے کہا ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے کیونکہ کبھی وہ آدمی جو اس کا حق نہیں پہچانتا وہ اس کو توڑ دیتا ہے اور بعض دیہاتی اور فوجی اس کی حرمت کو پامال کردیتے ہیں اسی طرح ''فلا تنزلهم على حكم الله'' (تم ان کو اللہ کے حکم پر مت اتارو) نہی تنزیہی ہے۔ اس میں ان حضرات کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب نہیں ہے بلکہ مصیب ایک ہی ہوتا ہے اور وہ وہی ہے جو حقیقت میں اللہ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''فانک لاتدری اتصیب حکم الله فیهم'' یعنی ''تم بے خوف نہیں ہو سکتے اس امر سے کہ تم نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے خلاف مجھ پر کوئی وحی نازل ہو'' جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسعید کی حدیث میں بنی قریظہ کے بارے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم بنانے سے متعلق فرمایا ہے کہ تم نے ان کے بارے میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (وصال) نہیں رہی۔ اب ہر مجتہد مصیب ہے اور یہی مذہب معتزلہ کا ہے اور بعض اہلِ سنت یعنی اشاعرہ کا ہے۔ (مرقات)

اور ہم یہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''**ولا یکون لھم فی الغنیمۃ والفیئی شئی** ''(ان کے لئے مال غنیمت اور مال فئی میں سے کچھ نہیں ہے) یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس منسوخ ہے اور یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا اور شیخ ابن ہمام نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''**فسلھم الجزیۃ** ''تم ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو۔ یعنی اگر وہ مرتد نہیں ہیں اور عرب کے مشرکین نہیں ہیں ان سے اسلام یا تلوار کے سوا کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی۔

7/5252۔عبداللہ بن ابی اُوفی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ان دنوں میں جن میں دشمن سے مقابلہ ہوا تھا، انتظار کیا یہاں تک کہ سورج ڈوبنے لگا تو آپ ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہوکر فرمایا اے لوگو! دشمن سے مقابلے کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگو اور جب تمہاری مدبھیڑ ہوجائے تو جمے رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے پھر فرمایا: اے اللہ! کتاب کو اتارنے والے اور بادل کو چلانے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دیدے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔(متفق علیہ)

8/5253۔نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک رہا پس جب آپ ﷺ دن کے اول حصہ میں جنگ نہیں کرتے تو انتظار کرتے یہاں یک ہوائیں چلتیں اور نماز کا وقت آجاتا۔(بخاری)

9/5254۔انہی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا۔اگر آپ ﷺ دن کے ابتدائی حصہ میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے یہاں تک کہ سورج ڈھل جاتا اور ہوائیں چلتیں اور مدد اتر آتی۔(ابوداؤد)

10/5255۔قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک رہا ہوں پس جب فجر طلوع ہوتی تو آپ ﷺ رک جاتے [6] یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجاتا پس جب سورج طلوع ہوجاتا تو پھر جنگ کرتے پس جب آدھا دن ہوجاتا تو رک جاتے یہاں تک کہ سورج ڈھل جاتا پس جب سورج ڈھل جاتا تو پھر

---

[6] **قولہ :فکان اذا طلع الفجر امسک الخ** (پس جب فجر طلوع ہوجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک جاتے) ہوسکتا ہے یہ اس صورت میں ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کا آغاز کررہے ہوں اور صلوۃ خوف اس وقت ہے جب کہ کفار کا غلبہ ہو(مرقات)

عصر تک جنگ کرتے پھر عصر کی نماز پڑھنے تک رک جاتے پھر جنگ کرتے۔قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس وقت کہا جاتا تھا مدد کی ہوائیں تیز ہوجاتی تھیں اور مسلمان اپنی فوجوں کے لئے اپنی نمازوں میں دعائیں کرتے۔(ترمذی)

11/5256۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو لے کر کسی قوم سے جنگ کرتے تو جنگ شروع نہیں کرتے یہاں تک کہ صبح ہوجاتی اور ان کی طرف دیکھتے پس اگر اذان کو سنتے تو رک جاتے 7 اور اگر اذان کی آواز نہیں سنتے تو ان پر حملہ کردیتے۔8 انہوں نے کہا پس ہم خیبر کی طرف نکلے اور ان کے پاس رات میں پہنچے پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی اور اذان نہیں سنی تو آپ ﷺ سوار ہوگئے اور میں بھی ابوطلحہؓ کے پیچھے سوار ہوگیا اور یقیناً میرے قدم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مس ہو رہے تھے۔انہوں نے کہا پس وہ ہماری طرف اپنے ٹوکرے اور پھاوڑے لے کر آئے پس جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے محمد (ﷺ) خدا کی قسم محمد اور فوج۔پس وہ قلعہ میں پناہ لے لئے۔جب رسول اللہ صلی اللہ

---

7 **قولہ: فان سمع اذاناً کفّ عنھم الخ** (پس اذاں سنتے تو رک جاتے) خطابی نے کہا ہے کہ اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اذان دینِ اسلام کا شعار ہے اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی شہر والے اس کو چھوڑنے پر اتفاق کرلیں تو بادشاہ کو اس پر ان سے جنگ کرنے کا حق ہے اور ہمارے ائمہ کرام میں امام محمد رحمہ اللہ سے ایسا ہی منقول ہے۔(مرقات)

اور صاحب عمدۃ القاری نے کہا ہے کہ علامہ تیمی نے کہا ہے کہ اذان کی وجہ سے خونریزی روک دی جاتی ہے اس لئے کہ اس میں توحید کی شہادت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کو دعوت پہنچی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کو سننے تک ان سے قتال کو روک دیتے تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ دعوت کو قبول کرنے والوں میں سے ہیں یا نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے دین کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کرے گا اور آپ ان کے اسلام کی امید رکھتے تھے۔اور آج تک دعوت پہنچی ہے ان سے اذان کو سننے تک قتال کو روکنا ائمہ کے لئے ضروری نہیں کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی سرکشی معلوم ہوچکی ہے اس لئے ان کے بارے میں اس موقعہ کا فائدہ اٹھانا ہی مناسب ہے۔

8 **قولہ: وان لم یسمع اَذَاناً اغار علیھم** (اور اگر اذاں نہیں سنتے تو ان پر حملہ کردیتے) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو دعوتِ اسلام پہنچی ہو اس کو دوبارہ دعوت دئے بغیر اس سے قتال کیا جاسکتا ہے۔اس حدیث شریف میں اور "**باب الدعوۃ فی القتال**" میں جو حدیث شریف گزری ہے دونوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ دوبارہ دعوت دینا شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔(فتح القدیر، نیل الاوطار، ہدایہ)

علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر اجڑ گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان (صحن) میں اترتے ہیں تو جن کو آگاہ کیا گیا تھا ان کی صبح بری ہوجاتی ہے۔(متفق علیہ)

12/5257 ۔عصام مزنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا اور فرمایا کہ جب تم کوئی مسجد دیکھو9 یا مؤذن کو سنو تو کسی کو قتل مت کرو۔ (ترمذی،ابوداؤد)

9قولہ: اذا رایتم مسجدا او سمعتم مؤذنا فلا تقتلوا احدا (جب تم کوئی مسجد دیکھو یا موذن کو سنو تو کسی کو قتل مت کرو) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی شہر میں صرف مسجد کا پایا جانا وہاں کے باشندگان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔اگرچیکہ ان سے اذان سنائی نہ دے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوجی دستوں کو حکم دیا کرتے کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی وجہ سے جنگ سے رک جاؤ۔1۔مسجد کا پایا جانا۔2۔اذان کا سنائی دینا۔(نیل الاوطار)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

(4/182) بَابُ الْقِتَالِ فِی الْجِهَادِ

جہاد میں لڑنے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ. وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ، وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ“.

”اے ایمان والوں جب (میدان جنگ میں) کفار کے لشکر سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے لئے پینترا بدلے یا اپنی جماعت میں ملنا چاہے“ ان سے پیٹھ پھیرے گا تو وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے“۔ (سورہ انفال، آیت نمبر: 16/15)

1/5258۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ احد کے دن ایک شخص نے عرض کیا آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میں کہاں رہوں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں تو انہوں نے اپنے ہاتھ میں کے کھجوروں کو پھینک ڈالا پھر لڑتے رہے یہاں تک وہ شہید ہو گئے۔ (متفق علیہ)

2/5259۔ کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کا ارادہ نہیں فرماتے تھے مگر اس کے سوا دوسرے غزوہ سے توریہ فرماتے 1 یہاں تک کہ یہ غزوہ یعنی غزوہ تبوک ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی میں یہ غزوہ کیا اور آپ ﷺ نے

---

1 قولہ: ورّی بغیرها (دوسرے غزوہ سے توریہ کرتے تھے) ابن الملک نے کہا اس کے سوا دوسری چیز سے اس کو چھپا دیتے تھے اور یہ ظاہر کرتے کہ آپ ﷺ کسی دوسرے غزوہ کا ارادہ فرما رہے ہیں یہ اس لئے کہ اس میں احتیاط دور اندیشی اور دشمن کو بے خبر رکھنا اور اس جاسوس سے حفاظت مقصود ہے جو اس پر مطلع ہو کر دشمن کو اس کی خبر دے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توریہ فرمانا بطور کنایہ اس طرح ہوتا کہ مثال کے طور پر آپ ﷺ غزوہ مکہ کا ارادہ فرماتے تو لوگوں سے خیبر کی حالت اور اس کے راستوں کی کیفیت دریافت فرماتے۔ آپ ﷺ صراحت کے ساتھ اس طرح نہیں فرماتے تھے کہ میں فلاں مقام کے باشندوں کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتا ہوں جب کہ آپ کا ارادہ کسی دوسروں کے ساتھ جنگ کرنے کا ہو۔ کیونکہ یہ جھوٹ ہے جو درست نہیں۔ (مرقات)

اس کے لئے دور دراز سفر، جنگل کا اور بہت سے دشمنوں کا سامنا کیا۔ پس آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ان کے معاملہ کو واضح کر دیا تا کہ وہ اپنے غزوہ کی مکمل تیاری کر لیں اور آپ ﷺ نے انہیں اس سمت سے باخبر کیا جس کا آپ ﷺ ارادہ فرمارہے ہیں۔ (حدیث متفق علیہ ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں)

3/5260۔ جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ ایک تدبیر ہے۔2 (متفق علیہ)

4/5261۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو ام سلیم رضی اللہ عنھما اور انصار کی کچھ عورتوں کو بھی غزوہ میں اپنے ساتھ لے جاتے جب آپ غزوہ فرماتے تو وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں۔3 (مسلم)

---

2 قولہ: الحرب خدعة (جنگ ایک تدبیر ہے) امام نووی نے کہا اس میں زیادہ فصیح لغت خاء کے فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ خدعۃ ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت ہے۔ کفار کے ساتھ جنگ میں جس طرح بھی ہو تدبیر کے جواز پر سب کا اتفاق ہے مگر یہ کہ اس میں عہد شکنی یا نقض امن ہو۔ (تو یہ جائز نہیں)

حدیث شریف سے تین چیزوں میں کذب کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ طبری نے کہا ہے کہ جنگ میں کذب بطور تعریض جائز ہے اور حقیقت میں کذب جائز نہیں۔ اور بظاہر حقیقت میں کذب جائز معلوم ہوتا ہے لیکن کنایہ پر اکتفا کرنا افضل ہے۔

3 قولہ: اذا غزا یسقین الماء ویداوین الجرحی (جب آپ جہاد کرتے تو وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں) ہدایہ میں ہے عورتوں کو اور قرآن شریف کو مسلمانوں کے ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں جب کہ لشکر ایسا بڑا ہو جس میں امن ہو۔ اس لئے غالبا اس میں سلامتی ہی ہوا کرتی ہے اور غالب چیز واقع کے درجہ ہوتی ہے البتہ ایسے سریہ میں ان کو لے جانے مکروہ ہے جس میں امن کی توقع نہ ہو یعنی بوڑھی عورتیں اپنے مناسب خدمت انجام دینے کے لئے بڑے لشکر میں جاسکتی ہیں۔ جیسے پکانا، پانی پلانا اور علاج معالجہ کرنا۔ البتہ جوان عورتوں کا گھر میں رہنا ہی دفع فتنہ کا زیادہ باعث ہے۔ اور عورتیں خود راست طور پر جنگ نہیں کرینگی کیونکہ اس سے مسلمانوں کی کمزوری وذلت معلوم ہوتی ہے الایــہ کہ ضرورت ہو اور ان کو ہمبستری اور خدمت کی خاطر لے جانا مکروہ ہے۔ اگر ان کو لے جانا واقعی ضروری ہو تو باندیوں کو ساتھ لے جائیں نہ کہ آزاد عورتوں کو۔

صاحب عمدۃ القاری نے کہا اگر تم کہو یہ کیوں کر درست ہوگا؟ میں کہونگا کہ یہ ان میں سے عمر رسیدہ عورتوں کے لئے درست ہے کیونکہ زخم کے مقام کو مس کرنے سے کوئی لذت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں نفس ہیبت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس کا چھونا، چھونے والے اور جس کو مس کیا گیا ہے ان دونوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ البتہ عمر رسیدہ عورتوں کے علاوہ۔ تو وہ بغیر ہاتھ لگائے ان کا علاج کرسکتی ہیں وہ دوا دینگی اور کوئی دوسرا اس کو زخم پر رکھے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بغیر جسم کو چھوئے کے خود دوا رکھیں اور اس کی دلیل علماء کا اتفاق ہے کہ عورت جب ......

5/5262۔ام عطیہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات جنگوں میں شیرک رہی۔ میں ان کے قافلہ میں ان (صحابہ) سے پیچھے رہا کرتی ان لوگوں کے لئے کھانا تیار کرتی اور زخمیوں کا علاج کرتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی۔(مسلم)

6/5263۔سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کے سرداروں کو قتل کرو4 اوران کے بچوں کو زندہ رہنے دو۔(ترمذی، ابوداؤد)

7/5264۔انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نام سے اللہ کی مدد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر روانہ ہو جاؤ۔ کسی شیخ فانی کو قتل مت کرو5 اور نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ کسی عورت کو۔ اور خیانت مت کرو۔ اپنی غنیمتوں کو اکٹھا کرلو اور اصلاح کرو، احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(ابوداؤد)

......مرجائے اوراس کو غسل دینے والی عورت نہ مل سکے تو آدمی اس کو راست طور پر غسل نہیں دے سکتا بلکہ اس کو کسی حائل چیز کے ذریعہ دے گا۔ یہ حسن بصری، امام نخعی، امام زہری، امام قتادہ اور امام اسحٰق کے قول کے مطابق ہے اور سعید بن مسیّب، امام مالک، فقہاء کوفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے پاس پاک مٹی سے تیمّم کرائے گا اور شافعیہ کے پاس یہی (تیمّم کرانا) زیادہ راجح ہے۔ اور امام اوزاعی نے کہا ہے اس کو ویسے ہی دفنایا جائے گا۔ اور تیمّم نہیں کرائے گا اور یہ بات بھی کہی گئی کہ علاج کرنے اور میت کو نہلانے کے درمیان فرق ہے کہ غسل دینا ایک عبادت ہے، جب کہ دوا اور علاج کرنا ایک ضرورت ہے اور ضرورتیں ممنوعہ چیزوں کو مباح کردیتی ہیں۔

4 قولہ: اقتلوا شیوخ المشرکین الخ (مشرکین کے بڑوں کے قتل کرو) اس میں (شیوخ سے) مراد وہ جو بچوں کے مقابل ہوں اب رہا شیخ فانی (ایسا بوڑھا جو موت کے دہانے پر ہو) تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر وہ جب کہ رائے دیتا ہو۔(مرقات)

5 قولہ: لا تقتلوا شیخا فانیا الخ (کسی شیخ فانی کو مت قتل کرو) ہدایہ میں ہے کسی عورت کو قتل نہ کرو اور نہ کسی بچہ کو اور نہ کسی شیخ فانی کو اور نہ کسی اپاہج کو اور نہ کسی نابینا کو کیونکہ قتل کو جائز کرنے والی چیز ہمارے پاس جنگ ہے اور یہ ان لوگوں سے نہیں ہوتی اسی لئے ایسے شخص کو قتل نہیں کیا جائے گا جس کا ایک حصہ سوکھ گیا ہو اور نہ اس شخص کو جس کا دایاں ہاتھ یا ہاتھ اور پیر مخالف سمت سے کاٹ دئے گئے ہوں۔ عمر رسیدہ، اپاہج اور نابینا کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا ہم (احناف) سے اختلاف ہے کیونکہ ان کے پاس قتل کو جائز کرنے والی چیز کفر ہے اور ان پر حجت وہ شئے ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے اور یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں، عورتوں اور نسل کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قتل کی ہوئی عورت کو ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا افسوس یہ عورت تو لڑنے والی نہیں تھی پھر اس کو کیوں قتل کیا گیا؟

8/5265۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچّوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔6 (متفق علیہ)

9/5266۔صعب بن جثّامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھروں میں رہنے والے مشرکوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان پر شب خون مارا جاتا ہے تو ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہوجاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ انہی 7 میں سے ہیں۔

---

6 **قولہ :نھٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والصبیان** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا)۔ شیخ ابن ہمام نے کہا بجز نسائی کے تمام اصحاب صحاح ستہ، نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت مقتول پائی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا انہوں (شیخ ابن ہمام) نے کہا میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی حرمت پر اجماع ہے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یزید بن ابی سفیان کو ملک شام بھیجتے وقت وصیت فرمائی اور کہا بچوں،عورتوں اور بوڑھوں کو قتل مت کرو۔(حدیث) ابن ہمام نے کہا البتہ جب کے بارے میں ہم نے کہا کہ ان کو قتل نہ کیا جائے اگر وہ جنگ کریں تو پھر ان کو قتل کیا جائے گا جیسے مجنون، بچہ، عورت، بوڑھے اور راہب (پادری)۔مگر بچہ اور مجنون کو تو ان کے لڑنے کی حالت میں قتل کردیا جائے گا البتہ ان کے علاوہ عورتیں، پادری اور ان جیسے لوگ، تو ان کو اس وقت قتل کیا جائے گا جب کہ یہ قیدی بنالئے جانے کے بعد جنگ کریں۔حکمران عورت کو قتل کردیا جائے گا اگر چیکہ وہ خود نہ لڑے۔اسی طرح حکمران اور بچہ اور نیم پاگل حکمران کا حکم ہے کیونکہ بادشاہ کو قتل کرنے میں ان کی شوکت کو توڑنا ہے۔ (مرقات)

7 **قولہ :ھم منھم الخ** (وہ لوگ انہی میں سے ہیں) صاحب عمدۃ القاری نے کہا ہے اگر تم کہو کہ یہ اس روایت کے خلاف ہے جس کو امام بخاری نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا تو میں کہوں گا خطابی نے کہا آپ کا ارشاد ''ھم منھم'' (وہ لوگ ان میں سے ہیں) سے دین کے حکم میں اس میں سے ہونا مراد ہے کیونکہ کافر کے بچے پر کفر ہی کا حکم عائد ہوگا۔اس ارشاد سے عمداً وقصداً ان کا خون کرنے کو مباح قرار دینا مقصود نہیں ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ان کے آباء (باپ دادا) تک ان کے بغیر پہنچنا ممکن نہ ہو۔جب وہ اپنے آباءواجداد کے ساتھ رہنے کی وجہ سے قتل کردے گئے تو ان کے قتل کرنے میں ان لوگوں پر کوئی چیز نہیں۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے جو منع فرمایا ہے تو وہ یہ ہے کہ بالقصد ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔جب عورتیں جنگ کریں تو ممانعت ختم ہوجائے گی اور کافروں کے خون حلال ہوجائینگے مگر جان کی حفاظت کا معاہدہ ہو (تو حلال نہیں)۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی اس حدیث کی بناء پر جس کی امام ترمذی نے روایت کی ہے جس میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے تو انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ......

......کے صحابہ وغیرہ میں سے بعض اہل علم کے پاس اس پر عمل ہے انہوں نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کو ناپسند کیا ہے اور ثوری اور امام شافعی رحمہما اللہ کا یہی قول ہے اور بعض اہل علم نے شب خون مارنے کی صورت میں ان (مردوں) کے ساتھ رہنے والی عورتوں اور بچوں کے قتل کئے جانے کی اجازت دی ہے اور یہ قول امام احمد اور اسحٰق کا ہے۔ اور ہمارے شیخ نے کہا امام ترمذی نے ثوری اور امام شافعی سے عورتوں اور بچوں کے قتل کی کراہت کا جو قول نقل کیا ہے وہ مطلق قتل نہ کرنے میں ظاہر ہے۔ شب خون مارنے کی صورت ہو یا اس کے سوا کوئی اور صورت ہو لیکن بات ایسی نہیں ہے شب خون نہ مارنے کی صورت میں ان کے قتل کی حرمت پر اجماع ہے جب کہ وہ جنگ نہ کریں جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو نقل کیا ہے اور اگر وہ قتال کریں تو شرح مسلم میں جمہور علماء سے منقول ہے کہ ان کو قتل کیا جائے گا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ''دارالحرب میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے ممانعت کا بیان'' عنوان قائم کیا۔ پھر بچوں اور عورتوں کے قتل سے ممانعت کے بارے میں نو (9) صحابہ کرام سے روایات بیان کیں پھر کہا کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ عورتوں اور بچوں کو دارالحرب میں کسی بھی حالت میں قتل کرنا درست نہیں اور ان (عورتوں اور بچوں) کے علاوہ لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا بھی درست نہیں جب کہ اس میں (بچوں اور عورتوں) کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو مثلاً لڑائی کرنے والے جب اپنے بچوں کو ڈھال بنالیں اور مسلمان ان بچوں پر تیراندازی کئے بغیر ان لوگوں پر تیر نہ چلا سکتے ہوں تو ان حضرات کے قول میں ان پر تیر چلانا حرام ہے۔ اور اسی طرح اگر وہ کسی قلعہ میں محفوظ ہوجائیں اور اس میں بچوں کو رکھدیں تو اس قلعہ پر تیراندازی حرام ہے جب کہ ہمیں ان کی عورتوں اور بچوں کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو اور انہوں نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن کو ہم نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہو: امام طحاوی نے ''علماء کی ایک جماعت'' سے امام اوزاعی، امام مالک ایک قول کے مطابق امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کو مراد لیا ہے۔ ابوعمرو نے کہا ہے قلعوں پر گوپھن کے ذریعہ تیراندازی کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے جب کہ ان قلعوں میں مشرکوں کے بچے یا مسلمانوں کے قیدی ہوں۔

امام مالک نے کہا ہے قلعہ پر تیراندازی نہیں کی جائے گی اور نہ کافروں کی کشتی کو جالایا جائے گا جو کہ اس میں مسلمانوں کے قیدی ہوں اور امام اوزاعی نے کہا ہے جب کفار مسلمانوں کے بچوں کو ڈھال بنائیں تو ان پر تیراندازی نہیں کی جائے گی اور نہ اس سواری کو جلدیا جائے گا جس میں مسلمانوں کے قیدی ہوں امام ثوری امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے اور امام شافعی نے قول صحیح کے بموجب، اور امام احمد و اسحٰق رحمہم اللہ نے کہا ہے۔ بچوں اور عورتوں کے تلف وضائع ہونے بغیر ان کے قتل کرنے کی کوئی راہ نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ابوعمرو نے کہا امام ابوحنیفہ ان کے اصحاب اور ثوری نے کہا ہے مشرکوں کے قلعوں پر تیر برسانے میں کوئی حرج نہیں اگر چیکہ ان میں مسلمانوں کے قیدی اور ان کے بچے ہوں یا مشرکوں کے بچے ہوں اور کشتیوں کو جلانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں جب کہ اس سے مشرکین کا قصد کیا جائے۔ اگر اس کی وجہ سے کسی مسلمان کا قتل ہوجائے تو نہ دیت ہے اور نہ کفارہ ہے۔ ثوری نے کہا اگر وہ (مسلمان کو) قتل کریں تو اس میں کفارہ ہے دیت نہیں۔

10/5267۔اورایک روایت میں ہے وہ ان کے آباء(باپ دادا) سے ہیں۔(متفق علیہ)

11/5268۔رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے پس آپ ﷺ نے لوگوں کو ملاحظہ فرمایا کہ وہ کسی چیز پر جمع ہیں تو آپ ﷺ نے ایک آدمی کو بھیج کر فرمایا کہ دیکھوں یہ لوگ کس چیز پر جمع ہوئے ہیں تو وہ صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک عورت پر جو قتل کی گئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت تو لڑنے والی نہیں تھی! اس وقت فوج کے اگلے دستہ پر خالد بن ولید مقرر تھے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: خالد سے کہو کہ تم نہ کسی عورت کو قتل کرو اور نہ ہی کسی مزدور کو۔8(ابوداؤد)

12/5269۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت9 کاٹنے اور جلانے کا حکم فرمایا اسی سے متعلق حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

نبی لوی (یعنی قریش) کے سرداروں پر آسان ہے بویرہ میں بھڑکی ہوئی آگ لگانا۔

اسی کے بارے میں آیت نازل ہوئی:''مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ''۔(جو کچھ تم کھجور کے درخت کاٹے ہو یا ان کو ان کی جڑوں پر باقی چھوڑ دئے ہو یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔(59۔سورۃ الحشر، آیت نمبر:5))(متفق علیہ)

13/5270۔عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو اسامہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا تھا اور فرمایا تھا تم ''ابنا'' پر صبح میں حملہ کرو اور آگ لگادو۔(ابوداؤد)

8قولہ :ولا عسیفا (اور نہ مزدور کو قتل کرو)عسیف سے مزدور اور خدمت گزار مراد ہیں۔ممکن ہے کہ اس کی علامت اس کا بغیر ہتھیا کے رہنا ہو۔(مرقات)

9قولہ :قطع نخل بنی النضیر وحرق الخ (بنی نضیر کے کھجور کے درخت کاٹنے اور جلانے کا حکم فرمایا)۔ ابن ہمام نے کہا یہ جائز ہے کیونکہ اس سے اللہ کے دشمنوں کو ذلیل کرنا اور ان کی شوکت کو توڑنا مقصود ہے اور یہ چیز اس عمل کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے پس وہ جو ممکن ہو کریں گے جیسے آگ لگانا، درختوں کو کاٹنا اور کھتیوں کو خراب کرنا۔لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے بغیر ان لوگوں کے پکڑے جانے کا غالب گمان نہ ہو۔پس اگر یہ بات ظاہر ہو کہ یہ لوگ مغلوب ہوجائیں گے اور کامیابی نظر آرہی ہو تو پھر یہ عمل ناپسندیدہ ہے۔کیونکہ یہ بے ضرورت بگاڑ پیدا کرنا ہے اور اس کی اجازت تو ضرورت کے وقت ہی ہے۔(مرقات)

14/5271۔عبداللہ بن عون رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نافع نے انہیں خبر دیتے ہوئے لکھا کہ ابن عمر رضی اللہ نے انہیں بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر [10] حملہ فرمایا جب کہ وہ صبح کے وقت اپنے مویشیوں میں بمقام مریسیع چل رہے تھے اور جنگجو جماعت کو قتل کرنے اور بچوں کو قید کرنے کا حکم فرمایا۔(متفق علیہ)

15/5272۔ابواسید رضی اللہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جنگ بدر کے دن جب کہ ہم قریش کے مقابل صف آرا ہو گئے اور وہ بھی ہمارے مقابل صف بستہ ہو گئے تھے فرمایا جب وہ تمہارے قریب آئیں تو تم پر لازم ہے کہ تیراندازی کرو۔

16/5273۔اور ایک روایت میں ہے جب وہ تم سے قریب آجائیں تو ان پر تیر برساؤ اور اپنے تیروں کو باقی رکھو۔(بخاری)

17/5274۔اور انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن فرمایا جب وہ تمہارے نزدیک آجائیں تو ان پر تیر چلاؤ اور تلواروں کو بے نیام مت کرو یہاں تک کہ وہ تم سے بالکل قریب آجائیں۔(ابوداؤد)

18/5275۔عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں رات کے وقت جنگ کے لئے تیار کیا۔(ترمذی)

19/5276۔مھلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دشمن تم پر شب خون مارے تو تمہاری شناخت ''حم ،لاینصرون'' ہونی چاہئے۔

(ترمذی،ابوداؤد)

20/5277۔سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مہاجرین کی (جنگی) شناخت ''عبداللہ تھی جب کہ انصار کی (جنگی) شناخت ''عبدالرحمٰن'' تھی۔(ابوداود)

21/5278۔سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ میں شریک رہے پس ہم ان کو قتل کرتے ہوئے

---

10 قولہ: أغار علی بنی المصطلق الخ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کا حکم فرمایا) عالمگیری میں ہے کہ دعوت دئے بغیر بھی ان پر دن یا رات میں حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ اس سرزمین میں ہے جس کے باشندگان کا دعوت پہنچ چکی ہو۔(محیط السرخسی)

شب خون مارے اور اس رات ہماری شناخت "امت امت" (مارڈال، مارڈال) تھی۔ (ابوداؤد)

22/5279۔ قیس بن قبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنگ کے موقع پر آواز کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ 11 (ابوداود)

23/5280۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روایت ہے انہوں نے کہا جب بدر کا دن آیا تو عتبہ بن ربیعہ آگے بڑھا، اس کا بیٹا اور اس کا بھائی اس کے پیچھے آیا اور اس نے آواز دی کون مقابلہ کرے گا۔ 12 جب انصار کے کچھ نوجوان نے اس کا جواب دیا اس نے کہا تم کون ہو۔ تو انہوں نے اس کو بتادیا۔ اس نے کہا ہم کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے سوا نہیں کہ ہم نے اپنے چچازاد بھائیوں کا ارادہ کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حمزہ کھڑے ہوجاؤ، اے علی کھڑے ہوجاؤ، ائے عبیدہ بن حارث کھڑے ہوجاؤ۔ پس حمزہ، عتبہ کی طرف چلے اور میں شیبہ کی طرف چلا اور عبیدہ اور ولید کے درمیان ایک دوسرے پر وار ہوئے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے

---

11 قولہ: یکرھون الصوت عند القتال (جنگ کے وقت آواز کرنا پسند نہیں کرتے تھے)۔ مظہر نے کہا جنگ کرنے والوں کی عادت ہے کہ وہ اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہیں یا تو اپنی بڑائی کے لئے یا زیادہ آواز کر کے اپنی کثرت بتلانے کے لئے یا اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے یا شجاعت و بہادری کے اظہار کے لئے اس طور پر کہ میں بہادر و دلیر ہوں جنگ کا طلبگار رہوں۔ جب کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ان میں سے کسی چیز کے لئے بھی آواز بلند کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے چونکہ ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تعالی کا تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ حضرات اللہ تعالی کا ذکر بہ آواز بلند کیا کرتے تھے کیونکہ اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ (مرقات)

12 قولہ: فنادی من یبارز الخ (اس نے آواز دی کون مقابلہ کرے گا) شرح السنہ میں ہے کہ کفار سے جہاد میں مقابلہ میں نکلنا حاکم کی اجازت سے ہو تو اس میں علماء نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اور اگر امام کی اجازت کے بغیر ہو تو اس میں اختلاف ہوا ہے۔ علماء کی ایک جماعت، امام شافعی اور امام مالک نے بھی اس کی اجازت دی ہے (مرقات)

اور صاحب رحمۃ الامۃ نے کہا ہے کہ اگر مسلمان آغاز کر کے مبارزت طلب کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔ علماء شافعیہ میں سے ابن ھبیرہ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور امیر کی اجازت بغیر مبازرت طلب کرے گا تو جائز ہے مگر مستحب یہ ہے کہ امیر کی اجازت کے بغیر مبازرت طلب نہ کرے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر قوت کی حالت ہے تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

ساتھی کو زخمی کر دیا، پھر ہم ولید پر ٹوٹ پڑے 13 اور اس کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو اٹھالائے۔ (احمد، ابوداود)

24/5281۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ میں بھیجا پس لوگ بھاگ نکلے اور ہم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور وہاں چھپ گئے اور ہم نے کہا ہم تو ہلاک ہوگئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو بھاگ آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہاری پناہ ہوں۔ (ترمذی)

25/5282۔ ابوداؤد کی ایک روایت اسی کے ہم معنی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔ راوی نے کہا ہم قریب ہوئے اور ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کی پناہ ہوں۔

26/5283۔ ثوبان بن یزید رضی اللہ عنہ سے راویت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب فرمائی۔ 14 (ترمذی مرسلا)۔

---

13 قولہ :ثم ملنا علی الولید (پھر ہم ولید پر ٹوٹ پڑے) اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ دو الگ الگ صف آرا جماعتیں ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں صاحب نیل الاوطار نے یہ بات کہی ہے اور صاحب شرح السیر الکبیر نے کہا ہے پس جب مسلمان اور مشرک مقابلہ میں اتریں تو مسلمانوں کو اگر قدرت ہو تو اپنے ساتھ کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مشرک جیسا وہ ان کے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے اگر اس کا بس چلے تو اس کا ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ ہے۔ تو ان لوگوں کو حق حاصل ہے کہ اس کے شر کو دفع کریں اگر ان کے (قتل کا) ارادہ نہ کیا ہو تب بھی یہ لوگ اس کو قتل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ برسر پیکار مشرک ہے۔ جنگ بدر کے دن صف آرا جماعتوں کے قصہ میں مذکور ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو قتل کیا اور حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو قتل کیا جب کہ عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید کے درمیان دو ضربیں ہوئیں تو علی وحمزہ رضی اللہ عنہما نے عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ولید کے مقابلہ میں مدد کی یہاں تک کہ ان دونوں نے اس کو قتل کر ڈالا تو ہم کو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

14 قولہ :نصب المنجنیق (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق نصب فرمائی) ہدایہ میں ہے ان کافروں پر مسلمان گوپھن نصب کر سکتے ہیں جیسا کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر منجنیق نصب فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(5/183) بَابُ حُکْمِ الْاُسَرَاءِ

قیدیوں کے حکم کا بیان

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ پس تم مشرکوں کو (بحالتِ جنگ) جہاں پاؤ قتل کرو۔ 1 (سورہ توبہ، آیت نمبر:5)

1/5284 ۔ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس قوم سے خوش ہوتا ہے جو جنت میں بیڑیوں میں لائی جائے گی اور وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

2/5285 ۔اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جن کو جنت کی طرف بیڑیوں کی وجہ سے لے جایا جائے گا۔ (بخاری)

3/5286 ۔سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کا ایک جاسوس آیا جب کہ آپ ﷺ سفر میں تھے۔ پس وہ آپ ﷺ کے صحابہ کے پاس بات کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ پھر واپس چلا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو تلاش کرو اور اس کو قتل کردو۔ 2 پس میں نے اس کو قتل کردیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ کو اس کا سَلَبْ (مقتول کا مال)

---

1 قولہ: فاقتلوا المشرکین (پس تم مشرکوں کو قتل کرو) الخ عمدۃ القاری میں ہے کہ مفسرین اور محدثین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورہ براءت کا نزول سورہ محمد کے بعد ہوا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سورۂ (براءت) میں جو حکم مذکور ہے وہ اس کے علاوہ دوسرے سورہ میں مذکور فدیہ کے حکم کا ناسخ ہے۔

2 قولہ :اطلبوہ واقتلوہ الخ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو تلاش کرو اور اس کو قتل کردو) اس میں حربی جاسوس کو قتل کرنے کی دلیل ہے اور اسی پر اجماع ہے۔ البتہ معاہدہ کئے ہوئے اور ذمی جاسوس کے بارے میں امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ وہ عہد توڑنے والا قرار پائے گا لہذا امام اگر اس کو غلام بنانا چاہے تو غلام بنالے گا اور اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اور جمہور علماء کے پاس جاسوسی سے اس کا عہد نہیں ٹوٹتا ہے مگر یہ کہ اس پر جاسوسی کے ذریعہ عہد کے ٹوٹ جانے کی شرط لگائی گئی ہو۔ اب رہا مسلمان جاسوس تو امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور بعض مالکیہ کے پاس اس کو امام کی رائے کے مطابق قتل کے سوا کوئی تادیبی سزا دی جاسکتی ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ امام اس کے بارے میں غور وخوص کرے گا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ کبار مالکیہ اس کو قتل کرنے کے قائل ہیں۔ توبہ کی وجہ سے اس کو (تادیبی سزا) کو ترک کرنے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ محدث ماجشون کہتے ہیں کہ اگر......

عطا فرمایا۔3(متفق علیہ)

ہم کہتے ہیں کہ یہ تنفیل (مال عطا کرنا) ایک مرتبہ کا واقعہ ہے اور یہ ہمارے (حنفیہ کے) پاس شرعاً کوئی لازمی عام حکم نہیں۔

4/5287۔اور انہی سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوازن سے جنگ کی۔ پس ہم چاشت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آرام کر رہے تھے کہ ایک آدمی سرخ اونٹ پر آیا اور اس کو بٹھادیا۔ اور نظر دوڑانے لگا۔ اس وقت ہم میں کمزوری و ناتوانی تھی جب کہ ہم میں سے بعض پیدل آئے تھے۔ پھر وہ شخص حملہ کرنے نکل پڑا اور اپنے اونٹ کے پاس آ کر اس کو برانگیختہ کیا۔ جس کی وجہ سے اونٹ حملہ آور ہوا۔ پھر میں بھی حملہ کرتے ہوئے نکلا یہاں تک کہ میں نے اس کے اونٹ کی لگام پکڑ کر اسے بٹھادیا۔ پھر میں نے تلوار نکال کر اس آدمی کی گردن ماردی اور اونٹ کو ہانکتے ہوئے لے آیا جس پر کجاوا اور ہتھیار تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں نے میرا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس آدمی کو کس نے قتل کیا؟ لوگوں نے

......وہ جاسوسی میں معروف ہو جائے تو قتل کردیا جائے گا ورنہ اس کو تادیبی سزا دی جائے گی۔

اب رہا دارالحرب کے حربی کا حکم کہ اگر وہ بغیر امان کے دارالاسلام میں آجائے تو اس کا کیا معاملہ ہوگا، آیا اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ پس اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں امام کو اختیار ہے اور ایسا شخص حربی کے حکم میں ہے۔ اور امام اوزاعی و شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے قاصد ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کو قبول کرلیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ تمام مسلمانوں کے حق میں فیئ (مال غنیمت) ہے۔ اور امام محمد کا قول ہے کہ وہ اس کا شخص کا مملوک ہے جس نے اسے پالیا۔ (عمدۃ القاری)

3قولہ: فنفلنی سلبہ (پھر آپ ﷺ نے مجھ کو اس کا سلب عطا فرمایا) امام نووی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں امام شافعی رحمہ اللہ اور آپ کے موافقین کے مذہب کی واضح دلیل ہے کہ اس کو قتل کرنے والا اس کے سلب کا حقدار ہے۔ اس کو خمس (مال کا پانچواں حصہ) نہیں دیا جائے گا۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ قتل کرنے والا محض قتل کی وجہ سے مقتول کے سلب کا مستحق نہیں ہوسکتا جب تک کہ امام قتل سے قبل ہی اس کے لئے تنفیل کا اعلان نہ کیا ہو۔ چنانچہ وہ کہے گا: مــن قتـل قتيـلا فـلـه سلبه (جو کوئی کسی کو قتل کرے گا تو اسی کے لئے اس کا سلب ہوگا۔ اور یہ ہمارے علماء (حنفیہ) رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ اھ

اور جن احادیث کو شیخ ابن ہمام نے ذکر کیا ہے ان میں ہمارے مذہب کے واضح دلائل ہیں۔ اگر آپ ان سے واقفیت چاہتے ہیں تو فتح القدیر اور بنایہ کی طرف رجوع کریں۔

کہا ابن اکوع نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا تمام سَلَبْ اسی کے لئے ہے (متفق علیہ)

5/5288 ۔ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب بنوقریظہ سعد بن معاذ کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انہیں) بلا بھیجا تو وہ دراز گوش پر (گدھا) آئے۔ پھر جب وہ قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ 4 پس وہ آ کر بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! یہ لوگ تمہارا فیصلہ ماننے تیار ہیں۔ 5 انہوں نے کہا: پس میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ لڑنے کے قابل جماعت کو

---

4 **قولہ: قوموا الی سیدکم الخ** (تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ) ردالمحتار میں ہے کہ آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونا جائز ہے، بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ تعظیم کا مستحق ہو۔ کتاب ''قنیہ'' میں ہے مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کا اور قرآن کی تلاوت کرنے والے کا، کسی آنے والے کے لئے تعظیماً قیام کرنا مکروہ نہیں ہے جب کہ وہ قابل تعظیم ہوں۔ اور ''مشکل الاثار'' میں ہے کسی کے لئے قیام کرنا بذات خود مکروہ نہیں ہے البتہ جس آدمی کے لئے قیام کیا جارہا ہے اس کا قیام کو پسند کرنا بلاشبہ مکروہ ہے۔ لہذا اگر کوئی کسی ایسے شخص کے لئے قیام کرے کہ جس کے لئے قیام نہیں کیا جاتا ہے، تو یہ مکروہ نہ ہوگا۔ ابن وھبان نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں تو یہ قیام مستحب ہے۔ اس لئے کہ اس کو ترک کرنے سے کینہ، بغض اور دشمنی پیدا ہوتی ہے، خصوصاً اس مقام پر جہاں قیام کا رواج پڑ گیا ہو اور اس بارے میں جو وعید آئی ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے جو اپنے سامنے کھڑے رہنے کو پسند کرتا ہے جیسا کہ تُرک اور عجمی لوگ کیا کرتے ہیں۔ اھ

میں کہتا ہوں کتاب ''عنایہ'' وغیرہ میں حضرت حکیم ابوالقاسم رحمہ اللہ سے جو عمل ثابت ہے وہ اس قول کی تائید کرتا ہے کہ ان کے پاس جب کوئی دولت مند آتا تو اس کے لئے کھڑے ہوتے اور اس کی تعظیم کرتے لیکن تنگ دستوں اور طالبانِ علم کے لئے نہیں کھڑے ہوتے۔ ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا دولت مند مجھ سے تعظیم کی امید رکھتا ہے۔ پس اگر میں ایسا نہ کروں تو اس کو ٹھیس پہنچے گی اور فقراء اور طلبہ کو صرف سلام کے جواب اور علمی گفتگو کی خواہش ہوا کرتی ہے۔ (اس کی تمام تفصیل رسالۃ الشرنبلالی میں موجود ہے۔)

5 **قولہ: ھؤلاء نزلوا علی حکمک الخ** (دیکھو یہ لوگ تمہارے فیصلے ماننے پر آمادہ ہوئے ہیں) اس حدیث میں مسلمانوں کے امور اور ان کے بڑے بڑے اہم اہم معاملات میں حکم کو مقرر کرنے کا جواز ہے۔ و نیز اس پر جو علماء کا اجماع ہے اور اس بارے میں سوائے خوارج کے کسی کا اختلاف نہیں کہ انہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے حکم بنانے پر اعتراض کیا تو سیدنا علی نے ان کے خلاف حجت قائم فرمائی۔ امام نووی نے ایسا ہی کہا ہے۔ (عمدۃ القاری، ہدایہ)

قتل کر دیا جائے۔ 6 اور ان کی ذرّیت (بچوں اور عورتوں) کو قیدی بنالیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً تم نے ان کے بارے میں فرشتے کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔

6/5289۔اور ایک روایت میں ہے اللہ کے فیصلہ کے مطابق۔(متفق علیہ)

7/5290۔عطیہ قرظی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں قریظہ کے قیدیوں میں تھا۔ ہم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ پس مسلمان دیکھتے تھے اور جس کو بال اُگ آئے ہیں اس کو قتل کر دیا جاتا 7 اور جس کو نہ اُگے ہوں اس کو قتل نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ ان لوگوں نے میرے زیر ناف حصہ کو کھولا تو اسے بال نہ اگا ہوا پائے (وہاں بال نہیں آئے تھے) لہذا مجھے قیدیوں میں رکھ لیا۔(ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

---

6 قولہ: فانی احکم ان تقتل المقاتلة الخ (میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ لڑنے کے قابل جماعت کو قتل کر دیا جائے)''ہدایہ'' میں ہے اور اس (امام) کو قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو انہیں قتل کر دے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ مسلمان نہ ہوئے ہوں، اس لئے کہ آپ ﷺ نے بعض قیدیوں کے قتل کا حکم فرمایا۔ عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کو قتل کیا گیا ہے اس بارے میں کوئی شک ہی نہیں ہے کیونکہ ان کے قتل کرنے میں ان کی طرف سے ہونے والے فساد کی پوری طرح بیخ کنی ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو انہیں غلام بنالے کیونکہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کی بہت سی مصلحتوں کے ساتھ ساتھ کفار کے شر کو دفع کرنا ہے اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی غازی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بذات خود کسی قیدی کو قتل کرے۔ کیونکہ اس میں رائے کا حق امام کو ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو انہیں مسلمانوں کے لئے کوئی معاہدہ کر کے انہیں آزاد چھوڑ دے جیسا کہ ہم بیان کئے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے مشرکین عرب اور مرتدوں کے سواد یہاتیوں کے سلسلہ میں کیا ہے۔ جب وہ قید کر لئے جائیں تو ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور نہ ان کو غلام بنانا جائز ہے۔ بلکہ اسلام یا پھر قتل۔ پس اگر قیدی قید کے بعد اسلام قبول کر لیں تو ہم ان کو قتل نہیں کریں گے البتہ ان کو غلام بنانا جائز ہے۔ کفر اصلی (سابق) کی بناء پر کیونکہ مسلمان ہونا غلامی کے منافی نہیں ہے۔ اور اس (اسلام) کا وجود سببِ ملک کے پائے جانے کے بعد ہوا ہے۔ اور سببِ ملک حربی پر غلبہ پانا ہے جو عرب کا مشرک نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر وہ گرفتاری سے قبل اسلام لے آئیں تو ان کو غلام نہیں بنایا جائے گا بلکہ وہ آزاد رہیں گے۔ کیونکہ وہ سببِ ملک کے پائے جانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔(مرقات)

7 قولہ: من انبت الشعر قتل (جس کو بال اگ آئے ہوں اس کو قتل کر دیا جاتا) علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ درحقیقت بال اگنے کا اعتبار ان کے حق میں ضرورۃً تھا اس لئے کہ اگر ان سے احتلام یا سن بلوغ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ سچائی سے بیان نہ کئے ہوتے۔ کیونکہ اس میں ان کی ہلاکت تھی۔ ورنہ زیر ناف بال اگنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس میں امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔(مرقات، ردالمحتار)

8/5291 ۔ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عقبہ بن ابی معیط کے قتل کا ارادہ فرمایا تو اس نے کہا بچوں کا ضامن کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا آگ ۔(ابوداؤد)

9/5292 ۔ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف روانہ فرمایا تو انہوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ پس ان لوگوں نے صاف طور پر اسلمنا (ہم نے اسلام قبول کیا) نہیں کہا بلکہ وہ کہنے لگے "صبانا صبانا" (ہم نے دین بدل لیا، ہم نے دین بدل لیا)۔تب خالد رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو قیدی بنانے اور قتل کرنے لگے۔ اور ہم میں سے ہر آدمی کو اس کا قیدی حوالہ کردیا یہاں تک کہ جس دن خالد رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ ہم میں کا ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کردے تو میں نے کہا بخدا میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی بھی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ یہاں تک کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھالئے اور فرمایا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اس سے براءت اظہار کرتا ہوں جو خالد نے کیا۔[8] آپ ﷺ نے یہ دو مرتبہ فرمایا۔(بخاری)

10/5293 ۔ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑسواروں کی ایک جماعت کو نجد کی طرف روانہ فرمایا۔تو وہ لوگ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو لے کر آئے جس کو ثمامہ بن اُثال کہا جاتا تھا اور جو اہل یمامہ کا سردار تھا۔ پھر انہوں نے اس کو مسجد کے ایک

---

[8] قولہ :اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد (اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جو خالد نے کیا) علامہ ابن بطال نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قاضی جب ظالمانہ یا علماء کے قول کے مخالف فیصلہ دے تو وہ مردود ہے۔ پس اگر وہ اجتہاد اور تاویل کی بنیاد پر ہو جیسا کہ خالد رضی اللہ تعالی عنہ نے کیا، تو اکثر علماء کے پاس گناہ ساقط اور تاوان لازم ہوجاتا ہے۔مگر یہ کہ اس کے تاوان کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ اگر وہ قتل یا زخم کا ہے تو امام ثوری، امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے کہ اس کو بیت المال کی جانب سے ادا کیا جائے گا۔اور ایک دوسری جماعت جن میں امام اوزاعی، ابویوسف، محمد اور شافعی رحمہم اللہ ہیں، کا قول یہ ہے کہ امام یا حاکم کے عاقلہ (پدری رشتہ دار) کے ذمہ ہوگا۔اور ابن ماجشون نے کہا حاکم پر اس کے اپنے مال میں کوئی دیت ہے نہ اس کے عاقلہ پر اور نہ بیت المال کے ذمہ ہے۔(عمدۃ القاری)

ستون سے باندھ دیا 9 پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا: اے محمد میرے پاس بھلائی ہے۔ اگر آپ قتل کریں تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ انعام کریں تو ایک شکر گزار پر انعام کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیں جتنا آپ چاہیں پیش کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا یہاں تک کہ دوسرا دن آیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: اے ثمامہ تیرے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا میرے پاس وہی ہے جو میں نے آپ سے کہا، اگر آپ انعام کریں تو ایک شکر گزار پر انعام کریں گے اور اگر آپ قتل کریں تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیے جتنا چاہیں پیش کیا جائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا یہاں تک کہ تیسرا دن آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پھر دریافت فرمایا: اے

---

9 قوله: فربطوه بسارية من سواري المسجد (پھر انہوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا)
امام نووی نے کہا ہے کہ اس (حدیث) میں قیدی کو باندھنے اور اس کو قید میں رکھنے اور کافر کو مسجد میں لانے کا جواز ہے۔ انتہی

اور ''نفع المفتی والسائل'' میں لکھا ہے کہ امام مالک کے پاس کافر مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ جنابت سے خالی نہیں ہوا کرتا ہے۔ اور جنبی کا مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا صرف مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا'' ترجمہ: بلاشبہ مشرک ناپاک ہیں، پس اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں (9۔ سورہ توبہ، آیت نمبر: 28) یعنی اس سال کے بعد جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے امیر حج تھے۔ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے سورۂ براءت کا اعلان فرمایا، اور وہ ہجرت کا نواں سال ہے جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

اور ہمارے پاس اس کا کسی بھی مسجد میں داخل ہونا جائز ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے کیونکہ ان کے اعتقاد کی ناپاکی مسجد کو آلودہ نہیں کرسکتی ہے اور ان کی جنابت (جسم کی ناپاکی) غیر یقینی ہے۔ اب رہی آیت شریفہ تو وہ کفار کے غلبہ کے ساتھ داخل ہونے کی ممانعت پر محمول ہے۔ یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں مسجد حرام میں طواف کے لئے برہنہ داخل ہونے سے منع کرنا ہے۔ چنانچہ ان کی عادت تھی کہ وہ برہنہ طواف کرتے تھے، مرد، دن میں اور عورتیں رات میں اور وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم اس لباس میں کیسے طواف کریں جس میں ہم گناہ کرتے ہیں۔ یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت سے اس سال کے بعد داخل ہونے کی حرمت ثابت نہیں ہورہی ہے بلکہ مومنین کو اس بات کی بشارت دینا مقصود ہے کہ وہ لوگ اس میں داخل ہونے کی قدرت نہ رکھیں گے۔ (شرح الوقایہ، ہدایہ)

ثمامہ تیرے پاس کیا ہے؟ تو اس نے کہا میرے پاس وہی ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ انعام کریں تو ایک شکر گزار پر انعام کریں گے اور اگر آپ قتل کریں تو ایک خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیے جتنا چاہیں پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ثمامہ کو آزاد کردو۔ 10 پس انہوں نے مسجد کے قریب کھجور کے ایک

---

10 قولہ: اطلقوا ثمامة الخ (ثمامہ کو رہا کردو) درمختار اور ''ردالمحتار'' میں ہے کہ مال غنیمت سے مجاہدین کا حق وابستہ ہونے کی وجہ سے ان (کفار) کے ساتھ احسان کرنے یعنی ان کو بلاعوض رہا کرنے کو ابن کمال نے حرام کہا ہے اگرچہ ان کے اسلام لانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ تعالی کے قول: ''فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً '' (47۔ سورۃ محمد، آیت نمبر: 4) یعنی (پھر اس کے بعد یا تو بطور احسان چھوڑ دو یا کچھ مال لے لو) کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت: ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ '' (9۔ سورۃ توبۃ، آیت نمبر: 5) یعنی پس تم (حالت جنگ میں) مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو' سے، اس لئے کہ یہ سورہ آخر میں نازل ہوا ہے (فتح)۔ البتہ روایت میں یہ جو آیا کہ ''آپ ﷺ نے بدر کے موقعہ پر ابوعزۃ جمحی کو بلا معاوضہ رہا فرمایا'' تو یہ نسخ سے پہلے کی بات ہے۔ اور اسی وجہ سے جب وہ جنگ احد میں گرفتار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو قتل فرما دیا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ نے ایک دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ وہ مشرکینِ عرب سے تھا اور ان کو گرفتار نہیں کیا جاتا تھا۔ لہذا اس پر احسان کرنے سے مسلمانوں کا ثابت شدہ حق ضائع نہیں ہوتا۔ اور ہم ان کے بارے میں اور مرتد ہوجانے والوں کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں۔ اور اگر مسلمانوں کے کسی فائدہ کی خاطر امام کسی قیدی پر احسان کرنے (بلا معاوضہ رہا کرنے) کے بارے میں غور کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے ثمامہ بن اثال حنفی پر اس شرط کی بناء پر احسان فرمایا کہ وہ اہل مکہ سے غلہ کو روک لے، تو انہوں نے ایسا ہی کیا چنانچہ وہ لوگ قحط سالی کا شکار ہوگئے۔ (تلخیص از شرح السیر)

اور فتح القدیر میں منقول ہے کہ امام مالک اور امام احمد کا قول ہمارے قول کے موافق ہے۔ پھر انہوں نے جمحی کے مذکورہ قصہ وغیرہ سے امام شافعی کے مذہب کی تائید کی ہے۔ اور تم کو اس کا جواب معلوم ہو چکا ہے۔ انتھی۔

اور عمدۃ الرعایہ میں ہے پس اگر تم یہ کہو کہ ان کو غلام بنالینا یا ہمارے ذمی بنائے رکھنا بھی ناجائز ہے اس لئے کہ آیت میں صرف قتل کا ذکر ہوا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ ہم نے اس باب میں ظاہر آیت پر عمل جو ترک کیا تو وہ صرف اجماع اور غلام بنانے اور جزیہ مقرر کرنے کے جواز سے متعلق مشہور احادیث کی بنیاد پر ہے۔

باغ میں جا کر غسل کیا۔ 11 پھر مسجد میں آ کر کہا ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں یقیناً محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں)۔ اے محمد ﷺ اللہ کی قسم! سطح زمین پر میرے نزدیک کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے بڑھ کر ناپسندیدہ نہیں تھا۔ پھر آپ کا چہرہ میرے نزدیک تمام چہروں سے بڑھ کر محبوب ہوگیا۔ اللہ کی قسم میرے پاس آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی دین ناپسندیدہ نہیں تھا۔ پھر آپ کا دین میرے پاس تمام مذہبوں سے بڑھ کر محبوب ہوگیا۔ اور اللہ کی قسم کوئی شہر میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہیں تھا۔ پھر آپ کا شہر میرے نزدیک تمام شہروں سے بڑھ کر محبوب ہوگیا۔

---

11 قولہ: فانطلق الی نخل قریب من المسجد فاغتسل ثم دخل المسجد فقال اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ (پس اس نے مسجد کے قریب کھجور کے ایک باغ میں جا کر غسل کیا پھر مسجد میں آ کر کہا ''**اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ**)۔

امام نووی نے کہا: جب کوئی کافر اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرے تو اس میں جلدی کرے اور غسل کے لئے اس کو مؤخر نہ کرے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کو اس میں دیر کرنے کی اجازت دے بلکہ اس میں جلدی کی جائے پھر غسل کیا جائے۔ اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ اگر بحالت شرک اس پر جنابت رہی ہو تو اس پر غسل واجب ہے خواہ وہ اس سے غسل کر لیا تھا یا نہیں۔ اور بعض علماء شافعیہ نے کہا اگر وہ غسل کر چکا تھا تو وہ اس کے لئے کافی ہے ورنہ اس پر غسل کرنا واجب ہے اور کچھ دیگر شافعیہ اور بعض مالکیہ نے کہا کہ اس پر کوئی غسل نہیں ہے۔ اور جنابت کا حکم اسلام کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے جس طرح کہ گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور انہوں نے غسل کو وضو کے مقابلہ میں کمتر کر دیا ہے کیونکہ بالاجماع اس پر غسل لازم ہے۔ اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ اسلام کی وجہ سے حدث کا اثر ساقط ہو گیا یہ ساری بحث اس وقت ہے جب کہ وہ بحالت کفر جنبی ہوا ہو۔ اب رہا اگر وہ پہلے سے جنابت کی حالت میں نہ تھا پھر اسلام قبول کیا تو اس کے لئے غسل مستحب ہے، واجب نہیں۔ یہ امام شافعی، امام مالک اور دیگر حضرات کا مذہب ہے۔ اور امام احمد وغیرہ کہتے ہیں کہ اس پر (بھی) غسل لازم ہے۔ (مرقات) اور بذل المجہود میں ہے: اور حنفیہ کے پاس اس کا حکم وہ ہے جو منیۃ اور اس کی شرح حلبی میں مذکور ہوا ہے ''اور ان میں سے ایک قسم یعنی غسل کی مستحب ہے اور وہ کافر کا غسل ہے'' شمس الائمہ سرخسی نے اپنی شرح مبسوط میں اس کو ایسا ہی مطلق بیان کیا ہے اور کتاب ''محیط'' میں انہوں نے یہ بیان کیا کہ کافر کو اگر جنابت ہو جائے پھر وہ اسلام قبول کرے تو صحیح بات یہ ہے کہ اس پر غسل واجب ہے۔ اس لئے کہ جنابت اسلام لانے کے باوجود باقی رہنے والی صفت ہے جس طرح کہ صفتِ حدث باقی رہتی ہے۔ اور درمختار میں ہے۔ جیسا کہ غسل واجب ہے اس شخص پر جو جنابت کی حالت میں اسلام قبول کرے یا اس عورت پر جو حیض ونفاس کی حالت میں اسلام قبول کرے اگرچہ کہ خون رک گیا ہو صحیح قول کی بناء پر کیونکہ حدثِ حکمی باقی ہے۔

آپ کے گھوڑ سواروں نے مجھے گرفتار کرلیا12 حالانکہ میں عمرہ کا ارادہ کئے ہوئے تھا۔ پس آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوشخبری دی اور عمرہ کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ جب وہ مکہ آئے تو کسی نے ان سے کہا کیا تم دین سے پھر گئے؟ تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشرف باسلام ہوا ہوں۔ پس خدا کی قسم یمامہ سے تمہارے پاس گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا13 یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت دیں۔ (مسلم، امام بخاری نے بالاختصار اس کی روایت کی ہے)

علامہ عینی نے کہا کہ (قیدیوں کے ساتھ) احسان کرنا (بلا فدیہ چھوڑ دینا) ہمارے پاس منسوخ ہے و نیز یہ کہا گیا ہے کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ اور اسیرانِ بدر سے متعلق جو آیا ہے وہ سب منسوخ ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا ہمارے نزدیک کافر پر مسلمان ہونے کے بعد اپنی نذر (کو پورا کرنا)

---

12 قولہ: وان خیلک أخذتنی وأنا أرید العمرۃ الخ (آپ کے گھوڑ سواروں نے مجھے پکڑ لیا حالانکہ میں عمرہ کا ارادہ کئے ہوئے تھا) العرف الشذی ''میں ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں جو شخص بحالت کفر نذر مانے پھر اسلام قبول کرے تو اس پر نذر کو پوری کرنا واجب نہیں ہے اور شافعیہ نذر کے پورا کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں استحباب کی تو ہم نفی نہیں کرتے ہیں۔ اور ہمارا کلام وجوب سے متعلق ہے اور اس کے وجوب کی بابت کوئی نص نہیں ہے۔

13 قولہ :لا تاتیکم من الیمامۃ حبۃ حنطۃ الخ. ترجمہ (تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا کوئی دانہ نہیں آئے گا) ہدایہ میں ہے: حربی لوگ جب امن مانگ کر آجائیں تو ان کو ہتھیار نہیں بیچنا چاہئے اور دارالحرب کو جانے والے تاجرین کے ساتھ ان کے لئے سامانِ ضرورت نہیں بھیجا جائے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے حربیوں کو ہتھیار بیچنے اور ان کے پاس ہتھیار لے جانے سے منع فرمایا ہے۔

ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا معروف بات تو وہ ہے جو سیر بیہقی، مسند بزار اور معجم طبرانی میں اعمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ (جنگ) کے زمانے میں ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا۔

بیہقی نے کہا: درست بات تو یہ ہے کہ وہ موقوف ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اناج کے متعلق بھی یہی قیاس ہے۔ یعنی اناج کے بارے میں قیاس یہ ہے کہ اس کو دارالحرب لے جانے سے منع کیا جائے۔ اس لئے کہ اسی سے ہر چیز پر قوت حاصل ہوتی ہے جب کہ یہاں ان کو کمزور و ناتوان کرنا مقصود ہے۔ مگر یہ کہ ان کے پاس اناج منتقل کئے جانے کا ثبوت ہم کو نص سے یعنی حدیث ثمامہ اور حدیث اسامہ سے ہوا ہے۔

واجب نہیں ہے اور اس روایت کا مطلب ہمارے پاس استحبابی ہے۔

11/5294 ۔عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف، بنی عقیل کا حلیف تھا۔ پس ثقیف کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دو صحابیوں کو گرفتار کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنی عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کرلیا پھر اس کو باندھ کر مقام حرہ میں ڈال دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو اس نے آپ ﷺ کو پکارا: اے محمد! اے محمد! مجھے کس وجہ سے پکڑا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے حلیف ثقیف کے جرم کی وجہ سے، پھر آپ ﷺ اس کو (اسی حالت پر) چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ لیکن اس نے آپ ﷺ کو پھر پکار کر کہا ''اے محمد! اے محمد!'' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رحم آیا تو آپ ﷺ پلٹ کر آئے (اور) فرمایا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات اس وقت کہتا جب کہ تو اپنے معاملہ کا مالک تھا تو تو کامل فلاح پاتا۔ راوی کہتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان دو آدمیوں کے فدیہ میں رہا فرمایا جن کو ثقیف نے گرفتار کرلیا تھا۔ 14 (مسلم)

---

14 قوله :ففداه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالرجلين اللذين اسرتهما ثقيف (پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان دو آدمیوں کے فدیہ میں رہا فرمایا جن کو ثقیف نے گرفتار کرلیا تھا)۔ اور ردالمختار میں ہے کہ ان (کفار) کو ان سے کوئی بدل یعنی مال کے یا مسلمان قیدی کے بدلے رہا کرنا حرام ہے۔

پس پہلی صورت مشہور قول میں ناجائز ہے۔ اور سیر کبیر کی روایت کے مطابق بوقتِ ضرورت اس میں کوئی حرج نہیں اور امام محمد نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ (کافر) اس درجہ میں ہو کہ اس سے نسل کی امید نہ ہو جیسا کہ شیخ فانی ہے۔ (الاختیار) اب رہی دوسری صورت تو وہ ان کے پاس ناجائز ہے۔ اور شیخین کے پاس جائز ہے۔ اور کتاب ''الزاد'' کے مطابق پہلا قول ہی صحیح ہے۔ لیکن محیط میں ہے کہ ظاہرالروایۃ کے مطابق (مسلمان کے فدیہ میں کافر کو رہا کرنا) جائز ہے۔

اور اس کی تفصیل قہستانی میں ہے اور زیلعی نے بھی سیر کبیر سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دو روایتوں میں اصح روایت میں اس کا جواز ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ وہی (جواز) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے و نیز یہ صحیح مسلم وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دو مسلمان آدمیوں کو ایک مشرک کے بدلہ میں اور کچھ مسلمانوں کو جو مکہ میں گرفتار کر لئے گئے تھے، ایک عورت کے بدلہ میں چھڑا لیا۔

میں کہتا ہوں کہ ایسی بنیاد پر متون کی عبارت ''حرم فداؤھم'' یعنی (ان کفار کو رہا کرنا حرام ہے) بلاضرورت مال کے بدلہ رہا کرنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ مال کے بدلہ بوقتِ ضرورت رہا کرنا یا مسلمان قیدیوں کے بدلہ رہا کرنا تو جائز ہے۔ انتھی۔

اور درمختار میں ہے اور اس بارے میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ کافر کو عورتوں، بچوں گھوڑوں اور ہتھیار کے بدلہ میں رہا نہیں کیا جائے گا۔ مگر بوقتِ ضرورت جائز ہے اور مسلمان قیدی کے بدلہ کسی ایسے قیدی کو رہا کیا جائے گا جو (ابھی) مسلمان ہوا ہے مگر یہ کہ اس کے اسلام پر اطمینان حاصل ہو جائے تو جائز ہے۔

12/5295 ۔سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو غلام آئے یعنی حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے۔پس ان کے آقاؤں نے آپ ﷺ کو خط میں لکھا: اے محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم! یہ لوگ آپ کے پاس آپ کے دین کی رغبت میں نہیں آئے ہیں بلکہ وہ تو صرف غلامی سے بھاگ کر آئے ہیں۔تب کچھ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! (ﷺ) یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں، آپ ان (غلاموں) کو انہیں واپس کر دیجئے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کرتے ہوئے فرمایا: اے قریش کی جماعت! میں نہیں سمجھتا کہ تم باز آ ؤ گے، تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ تم پر اس شخص کو نہ بھیجے جو اس پر تمہاری گردنوں کو مارے۔اور آپ ﷺ نے ان کو واپس کرنے سے انکار فرما دیا[15] اور فرمایا وہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔(ابوداؤد)

''وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ'' (وہی تو ہے جس نے تم سے ان کے یعنی مکہ والوں کے ہاتھ روک دئے) ''وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ'' (اور تمہارے ہاتھ ان سے یعنی اہلِ مکہ سے روک دئے)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہارے اور ان کے درمیان باہم روک اور آڑ لگا دی، بعد اس کے کہ اس نے تم کو ان پر قابو اور غلبہ عطا کر دیا تھا۔اور وہ فتح مکہ کے دن ہوا۔[16] اور اسی سے

---

[15] **قولہ: وابی ان یردھم الخ** (آپ ﷺ نے ان کو واپس کرنے سے انکار فرما دیا) بذل المجہود میں ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب اس بارے میں وہی ہے جس کو صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے کہ جب کسی حربی کا غلام مسلمان ہو کر ہمارے پاس آ جائے یا دارالحرب کے خلاف خروج کرے تو وہ آزاد ہے۔اور اسی طرح جب ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر میں مل جائیں تو وہ اس روایت کی بنیاد پر آزاد ہیں کہ طائف کے کچھ غلام مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کی آزادی کا فیصلہ دیا اور فرمایا کہ وہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔

[16] **قولہ: وذلک یوم الفتح الخ** (اور وہ فتح مکہ کے دن ہوا) فتح مکہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس وہ صلح سے فتح ہوا۔اور ہمارے پاس وہ غلبہ سے فتح ہوا ہے۔اور ہماری حجت یہی آیت (مذکورہ) ہے۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے۔اسی لئے حنفی مفسرین میں سے صاحب کشاف اور حنفی مفسرین میں سے صاحب مدارک نے اس توجیہ کو مقدم رکھ کر اس بات کی صراحت کی کہ اس باب میں یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے۔اور صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے ''باب العشر و الخراج'' میں فرمایا ''اور ہر وہ زمین جو غلبہ سے فتح کی جائے'' اور اس کے باشندوں کو اس پر برقرار رکھا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور پھر انہوں نے یہ کہا کہ اور مکہ مکرمہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غلبہ سے فتح کر کے اہل مکہ کے لئے چھوڑ دیا اور کوئی خراج مقرر نہیں فرمایا''۔یہ ان (صاحب ہدایہ) کے الفاظ تھے۔اور ایک قول میں کہا گیا کہ یہ غزوۂ حدیبیہ......

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مکہ غلبہ سے فتح ہوا نہ کہ صلح سے (جیسا کہ اسی آیت میں آگے ہے)'' بِبَطْنِ مَكَّةَ ''یعنی مکہ میں'' مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ'' (اس کے بعد جب کہ اللہ نے تم کو ان پر قابو دے دیا تھا) یعنی تم کو اس پر قابو اور غلبہ عطا کر دیا تھا ''وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا'' (اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا)۔اور (تفسیر) مدارک میں ہے۔

13/5296۔قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم سے انس بن مالک نے ابوطلحہ کی روایت بیان کی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن سردارانِ قریش میں سے چوبیس آدمیوں کی

......کے وقت تھا فتح مکہ کے وقت نہیں۔یہی وجہ ہے کہ صاحب بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنے مذہب کی رعایت میں اس (قول) کو مقدم کیا اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی توجیہ کو اس بناء پر ضعیف قرار دیا کہ یہ سورۃ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔

اور میں کہتا ہوں اس (آیت) میں (گزشتہ واقعہ کی) کوئی خبر نہیں ہے۔اس لئے کہ اس میں ماضی کے صیغہ سے بیان کردہ تمام احکام امت کے (آئندہ واقعات سے) متعلق خبر ہیں جو اظہارِ غیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے، جیسا کہ ان کی کتب میں ثابت ہے۔(ملخص از: تفسیرات احمدیہ)

اور ''فتح القدیر'' میں ہے کہ اراضی (مفتوحہ) (مکہ) کی تقسیم ضروری نہیں ہے۔اس لئے کہ مکہ غلبہ سے فتح ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمین کو تقسیم نہیں فرمایا۔اور اسی بناء پر امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ محض فتح سے زمین مسلمان کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔اور وہ (امام مالک) اخبار وآثار کی درایت تامہ رکھتے تھے۔اور ان (شافعیہ) کا یہ دعویٰ کہ مکہ مکرمہ صلح سے فتح ہوا، اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کی ضد پر دلیل ہے۔چنانچہ (کیا آپ نہیں دیکھتے) کہ صحیح میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ ارشاد ثابت ہے ''جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو وہ مامون ہے اور وہ جو اپنے دروازے کو اپنے لئے بند کر لے وہ مامون ہے'' اور اگر وہ صلح سے ہوتا تو وہ سب اس کی وجہ سے امان میں ہو جاتے اور امان دینے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔اور نہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کو اس شخص کو پناہ دینے کی ضرورت پیش آتی جس کو وہ پناہ دیں اور نہ اس کے قتل سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو روکنے کی۔ونیز آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ابن خطل کے (مسجد حرام میں) داخل ہونے کے بعد اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔حالانکہ وہ غلافِ کعبہ سے چمٹا ہوا تھا۔

اور سب سے واضح دلیل بخاری ومسلم میں مذکور آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اس روز حرم بنایا جس دن کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا وہاں خون نہیں بہایا جائے گا۔(یہ طویل حدیث ہے جس کے اخیر میں ہے) پس اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال سے رخصت (جواز) کو نکالے تو تم اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی اور تم کو اجازت نہیں دی۔پس آپ ﷺ کے ارشاد میں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال کا لفظ'' اس بارے میں صریح ہے۔

بابت حکم دیا تو انہیں بدر کے ایک نہایت ہی ناپاک اور گندے کنویں میں پھینک دیا گیا اور جب آپ ﷺ کسی قوم پر غلبہ پاتے تو ان کے میدان میں تین روز قیام فرماتے۔ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے اپنی سواری کا حکم دیا تو اس پر کجاوا باندھا گیا۔ پھر آپ ﷺ چل پڑے اور آپ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کے پیچھے چلنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کنویں کے کنارے پر ٹھہر کر ان (سردارانِ قریش) کو ان کے ناموں سے اور ان کے آباء کے ناموں سے آواز دینے لگے۔ اے فلاں ابن فلاں، اے فلاں ابن فلاں! کیا تم کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کئے ہوتے۔ پس یقیناً ہم نے اس چیز کو پالیا جس کا ہم سے ہمارے رب نے سچا وعدہ کیا تھا۔ تو کیا تم نے بھی اس چیز کو پالیا جس کا تمہارے رب نے سچا وعدہ کیا تھا۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ایسے جسموں سے بات نہیں کر رہے ہیں جن کی روحیں نہیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں جو کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے بڑھ کر سننے والے نہیں ہو۔ 17

---

17 قولہ :مالنتم باسمع لما اقول منهم (میں جو کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے بڑھ کر سننے والے نہیں ہو) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ سنتا ہے۔ لیکن ہمارے ائمہ اعلام کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ حضرات سمع اموات (مردوں کے سننے) اور ان کی فہم و ادراک کا انکار کرتے ہیں۔ اور ہمارے اصحاب (حنفیہ) میں سے اصحابِ فتویٰ کی ایک جماعت نے اس کی صراحت کی ہے۔ اور انہوں نے اس کو اللہ تعالی کے قول: ''فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ''(30۔سورۃ الروم، آیت نمبر:52) سے مؤید کیا۔ اور حدیث ''مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ'' کا جواب یہ دیا کہ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو رد کر دیا۔ اور اس مقام میں کئی مباحث ہیں۔

1۔ پہلی بحث یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ جو ذکر کیا کہ ''میت کو تکلیف نہیں ہوتی'' یہ ان احادیث کے خلاف ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ میت کو اس چیز سے تکلیف ہوتی ہے جس سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''شرح الصدور'' میں ذکر کیا ہے۔

2۔ دوسری بحث یہ ہے کہ میت کی زیارت کے باب میں ان حضرات کا یہ قول کہ ''میت کی زیارت درحقیقت اس کی قبر کی زیارت ہے نہ کہ اس میں مدفون کی'' یہ مخالف ہے اس حدیث کے کہ ''جو شخص میرے پاس زیارت کی نیت سے آئے اس حال میں کہ اس کو میری زیارت کے سوا کوئی اور حاجت نہ لے آئی ہو، تو مجھ پر یہ حق ہے کہ میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں'' و نیز آپ ﷺ کی ان احادیث کے خلاف ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ مردہ اپنے زائر سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ و نیز اس شخص کو پہچانتا ہے جس کے اور خود اس کے درمیان جان پہچان ......

14/5297 ۔اور ایک روایت میں ہے ”تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ لوگ جواب نہیں دیتے ہیں“۔(متفق علیہ)

......رہی ہو۔اوراس طرح کی بہت ساری روایتیں کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

3۔تیسری بحث یہ ہے کہ(میت کے) کلام کرنے کی بابت ان حضرات کا قول ان احادیث صحیحہ کے مخالف ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ مردہ،اس کوسلام کرنے والے کے سلام کوسنتا ہےاور سلام کا جواب دیتا ہےاور زندوں کے کلام کوسمجھتا ہےاور یہ روایتیں صحیحین اور دیگر کتب صحاح میں ہیں۔

البتہ سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن بعض احادیث کورد کیا تو جمہور صحابہ اوران کے بعد کے بزرگوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔

رہا اللہ تعالی کا ارشاد:”فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی “(30۔سورۃ الروم،آیت نمبر:52) کہ(آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں)اس میں سنانے کا انکار ہے نہ کہ سننے کا۔علاوہ ازیں ایک درست بات یہ ہے کہ”الْمَوْتٰی“ (مردوں) سے مردہ دل لوگ مراد ہیں۔اور وہ کفار ہیں۔نہ کہ عرفی اموات۔اور اگرتم اس بحث کی تفصیل چاہتے ہوتو میرے رسالہ”**تذکرۃ الراشد برد تبصرۃ الناقد**“کودیکھو۔

اور اگرطوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہاں کسی قدر تفصیل سے بیان کرتا۔اور جوتوضیح اور تنقیح کا خواہشمند ہےتو وہ میری شرح کبیر کی طرف رجوع کرے۔مختصر یہ ہے کہ میت کے سماع اوراس کے ادراک وفہم اور تکلیف کو پانے کی نفی پر کتاب وسنت کی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔بلکہ واضح صحیح احادیث ان امور کےاس کے لئے ثابت ہونے کو بتاتی ہیں۔

اورحق تو یہ ہے کہ ہمارے ائمہ ان امور کے انکار سے بری ہیں۔اورانہوں نے یہ حکم لگایا ہے کہ میت کو مارنے اس سے گفتگو کرنے اوراس کے پاس داخل ہونے اوراس جیسی چیزوں کے بارے میں قسم کھائے اور یہ باتیں پائی جائیں تووہ حانث(قسم توڑنے والا)نہیں ہوگا۔اس لئے کہ قسم کا مدار عرف پر ہےاورعرف میں ان امور سے مراد ان کا زندگی کی حالت میں پایا جانا ہے نہ کہ موت کے بعد۔پس میت سے کلام کرنا اگرچیکہ فی الحقیقت وہ کلام ہےاوراس میں میت کو سنانا اورسمجھانا پایا جاتا ہےلیکن عرف میں”لما اکلمک“ کےقول سے حالت حیات میں کلام مراد ہےاسی طرح ایلام یعنی تکلیف دینے کا مسئلہ ہے ارچیکہ میت کے لئے یہ متحقق ہے۔لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کےقول”لا اضربک“ (میں تجھ کو نہیں ماروں گا)سے مراد حیات کی حالت میں مراد ہے۔مرنے کے بعد مارنا مراد نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ان قسموں کو مقید کرنا یہ عرف کے حکم کی بناء پر ہے۔اس بناء پر نہیں ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔(عمدۃ الرعایۃ)

بسم الله الرحمن الرحيم

(6/184) بَابُ الْاَمَانِ

امن دینے کا بیان

1/5298 ۔ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے کہ جب میں فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئی تو آپ ﷺ کو غسل کرتے ہوئے پائی اور آپ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ کپڑے سے آپ پر پردہ کی ہوئی تھیں ۔ میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ام ہانی کو خوش آمدید۔ پس جب آپ ﷺ اپنے غسل سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور آٹھ (8) رکعات نماز پڑھے، 1 ایک کپڑا لپیٹے ہوئے 2 پھر آپ ﷺ فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میری ماں کے بیٹے علی نے کہا ہے کہ وہ ایک آدمی یعنی ہبیرہ کے فلاں

---

1 **قوله: قام يصلي ثماني ركعات** (کھڑے ہوئے اور آٹھ رکعات پڑھے) یعنی چاشت کی نماز۔ اور صاحب درمختار نے کہا قول صحیح کے مطابق چار رکعات یا اس سے زائد چاشت کے وقت میں مستحب ہیں۔ اس کا وقت طلوع سے زوال تک ہے اور اس کا وقت مختار دن کا چوتھائی حصہ گزرنے کے بعد ہے اور منیہ میں ہے اس کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اور ان میں بہتر آٹھ رکعتیں ہیں اور یہی افضل ہے جیسا کہ ''ذخائر اشرفیہ'' میں ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے ثابت ہونے کی بناء پر ہے اور زیادہ سے زیادہ جو تعداد ہے وہ صرف آپ ﷺ کے قول مبارک کی بناء پر ہے اور یہ سب اس وقت ہے جب کہ وہ اکثر (بارہ رکعات) کو ایک سلام سے پڑھنا چاہے۔ ورنہ اگر الگ الگ پڑھے تو ہر وہ عدد جو زیادہ ہو افضل ہے۔ (شرح البخاری، ابن حجر)

2 **قوله: ملتحفا في ثوب** (ایک کپڑا لپیٹے ہوئے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور امام طحاوی نے فرمایا ہے کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھم اللہ کا قول ہے۔ صاحب عرف شذی نے کہا ہے کہ باب کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ امام طحاوی نے فرمایا شارع علیہ السلام کی غرض یہ ہے کہ کپڑا لٹکتا ہوا نہ ہو۔ اگر وہ زیادہ چوڑا ہے تو اس کو لپیٹ لے اور اس کو ''**مخالفة بين الطرفين**'' (دونوں کناروں کو دو مخالف جانب پر ڈالنا) اور التحاف واشتمال کہتے ہیں اور وہ کم چوڑا ہو تو گدی پر گرہ لگائے۔ ورنہ تہبند باندھ لے پھر احناف نے صراحت کی ہے کہ اشتمال صماء یعنی یہود کی طرح ایک کپڑے میں (اس طرح لپیٹ لے کہ ہاتھ کپڑے سے باہر نکالنا دشوار ہو) مکروہ ہے، اور دو کپڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بیٹے کو جس کو میں پناہ دی ہے قتل کرنے والے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ہانی! تم نے جس کو پناہ دی ہے ہم نے اس کو پناہ دی، 3 ام ہانی نے کہا: اور یہ چاشت کا وقت تھا۔ (متفق علیہ)

2/5299 ۔اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے انہوں نے کہا میں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں میں سے دو آدمیوں کو امن دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے جس کو امن دیا ہے ہم نے اس کو امن دیا۔

3/5300 ۔ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت قوم کو امن میں لے سکتی ہے یعنی مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔ (ترمذی)

اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا: ایسے غلام کا امان دینا جس کو (تصرف سے) روک دیا گیا ہے 4

---

3 قولہ: قد اجر نا من اجرت (تم نے جس کو پناہ دی ہے ہم نے اس کو پناہ دی) صاحب درمختار نے کہا ہے کہ ہم اس کو قتل نہیں کریں گے جس کو کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے امن دیا ہو، قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ اگرچیکہ وہ امن دینے والا فاسق ہو یا نابینا یا بہت ہی بوڑھا یا وہ بچہ یا غلام ہی کیوں نہ ہو جس کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی گئی ہے اور ان کا امان دینا کسی زبان میں بھی کیوں نہ ہو اگرچیکہ وہ اس کو نہ جانتے ہوں جب کہ مسلمان اس سے واقف ہوں بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے اس کو سنے ہوں۔ پس اگر وہ ان سے دوری پر ہوں تو ان کے لئے امان نہیں ہے۔ اور صریح الفاظ سے بھی امن درست ہے جیسے ''آمنت'' (میں نے امان دی) یا ''لا باس علیکم'' (تم پر کوئی حرج نہیں ہے) اور الفاظ کنایہ سے بھی امان درست ہے جیسے ''تعال'' (آؤ) جب کہ وہ اس کو امان سمجھے اور آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے بھی۔

4 قولہ :لا یصح امان العبد (ایسے غلام کا امن دینا جس کو (تصرف سے) روک دیا گیا ہے) الخ صاحب مرقات نے کہا ہے کہ ایسے غلام کا مان دینا جس کو تصرف سے روک دیا گیا ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس درست نہیں مگر یہ کہ اس کے مالک نے اس کو جنگ میں (شرکت) کی اجازت ہو۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ درست ہے یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا۔ امام مالک، امام احمد اور ایک روایت میں امام ابو یوسف رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل اور امام مالک کی دلیل سحنون کی روایت جوان سے مذکور ہے ابن ہمام کی شرح میں تفصیل سے موجود ہے آپ نے کہا: اور اگر ایسے بچہ نے امان دی ہو جو اسلام کو نہ تو سمجھتا ہو اور نہ اس کو بیان کر سکتا ہو، تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ یہ امان دینا درست نہیں۔ جس طرح مجنون کا امان دینا درست نہیں۔ اور اگر وہ عقل والا ہے لیکن جنگ سے روک دیا گیا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس درست نہیں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے پاس درست ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور امام احمد نے بھی ایک روایت میں یہی فرمایا ہے کیونکہ جیسا اس کا طلاق دینا، غلام کو آزاد کرنا غیر معتبر ہے ویسا ہی اس کا کہنا (یعنی امان دینا) بھی غیر معتبر ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ نے فرمایا ہے اور اگر اس کو جنگ میں شرکت کی اجازت ہے تو ہمارے تمام ائمہ کے پاس بالاتفاق جائز ہے اور یہ قول امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے۔ اور امان دینے کی تفصیلات کتاب القصاص میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث شریف ''یسعی بذمتھم ادناھم '' (مسلمانوں کی دی ہوئی ذمہ داری کو ان میں کا ادنیٰ آدمی بھی پورا کرے گا) کے ضمن میں مذکور ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کریں۔ یہ اس باب کی نفیس بحث ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس درست نہیں مگر اس کو آقا نے جنگ میں شرکت کی اجازت دی ہوتو درست ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ (اس کا امن دینا) درست ہے۔

4/5301۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا جاہلیت کے معاہدوں کو پورا کرو۔ 5 کیونکہ وہ یعنی اسلام اس میں مضبوطی کا ہی اضافہ کرتا ہے اور تم اسلام میں نئے معاہدے مت کرو۔ (ترمذی)

5/5302۔ عمرو بن حمق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، جس شخص نے کسی آدمی کو اپنی طرف سے امان دی پھر اس کو قتل کر دیا تو قیامت کے دن اس کو دھوکہ دہی کا جھنڈا دیا جائے گا۔ (شرح السنۃ)

6/5303۔ سلیم بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ معاویہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ ہوا تھا اور وہ ان کے ملک کی طرف جا رہے تھے تا کہ معاہدہ ختم ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیں تو ایک صاحب گھوڑے پر یا ترکی گھوڑے پر سوار ہوکر آئے اور وہ کہہ رہے تھے اللہ اکبر! اللہ اکبر! ایفاء عہد کرنا 6 دھوکہ نہیں دینا، لوگوں نے دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ تھے اور جب معاویہ نے

---

5 **قولہ: اوفوا بحلف الجاھلیۃ** (جاہلیت کے معاہدوں کو پورا کرو) الخ اس سے مراد وہ معاہدے ہیں جو اسلام کے موافق ہوں، مخالف نہیں اور اس کے لئے حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد "**فانہ لا یزیدہ الا شدۃ**" (اسلام اس کی مضبوطی کو اور زیادہ کر دیتا ہے) دلیل ہے۔ اور جس کی نفی کی گئی ہے وہ، وہ معاہدے ہیں جو اصول اسلام کے خلاف ہیں۔ یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**لا تحدثوا**" (نئے معاہدے مت کرو) میں جو ممانعت ہے اس معنی میں ہے کہ ان (نئے معاہدوں) کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسلام بغیر کسی معاہدے کے بھی مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے کی مدد کو واجب قرار دیتا ہے۔ (کوکب دری) اور کتاب نہایۃ میں ہے کہ حلف دراصل ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کا معاہدہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد "**لا حلف فی الاسلام**" (اسلام میں معاہدے نہیں ہیں) کے ذریعہ جاہلیت کے ان معاہدوں سے منع فرمایا ہے جو (قبائل کے درمیان) فتنوں اور جنگ وجدال کرنے کے لئے کئے جاتے تھے اور جاہلیت کے وہ معاہدے جو مظلوم کی مدد اور صلہ رحمی وغیرہ جیسے ہوتے تھے تو ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "جاہلیت میں جو کوئی معاہدہ تھا اسلام اس کی مضبوطی کو اور زیادہ کر دیتا ہے"۔ (مرقات)

6 **قولہ :وفاء لا غدر** (ایفاء عہد کرنا، دھوکا نہیں دینا) عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ناپسند کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ان سے ایک مدت کے لئے آدمی اپنے مقام میں رہ صلح کرے تو اس مقررہ مدت کے دوران دشمن کی طرف چلنا بھی اس مدت کے ختم میں شمار کیا جائے گا جس میں جنگ نہ کرنے کی شرط ہے۔ پس اس صلح کی مدت میں جب ان کی طرف پیش قدمی کرے گا تو جس مدت کے لئے انہوں نے دستخط کی ہے اس سے پہلے جنگ کرنا متصور ہوگا اس لئے کو عمرو رضی اللہ نے دھوکا شمار کیا۔ لیکن صلح کرنے والے اگر صلح کو توڑ دیں اس طرح کہ ان سے خیانت ظاہر ہوئی تو سلطان کو ان کی غفلت کے موقعہ پر ان کی طرف پیش قدمی کرنے کا حق حاصل ہے۔

اس سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کا اپنے اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو وہ معاہدہ کو ہرگز نہ توڑے اور نہ اس کو باندھے یہاں تک کہ اس کی مدت ختم ہو جائے یا ان کے سامنے اس کو برابری پر ختم کر دیا جائے تو انہوں نے یعنی راوی نے کہا پس معاویہ نے لوگوں کو واپس بلا لیا (ترمذی، ابوداود)

7/5304۔ ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا پس جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام ڈالدیا گیا پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! خدا کی قسم میں ان کی طرف کبھی نہیں جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا [7] اور قاصد کو نہیں روکتا لیکن یہ تم واپس جاؤ اور اگر تمہارے دل میں ہوی بات ہوگی جواب ہے تو تم واپس آنا۔ انہوں نے کہا میں واپس گیا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ (ابوداؤد)

8/5305۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو اشخاص سے جو مسیلمہ کے پاس سے آئے تھے فرمایا: سنو! خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردن ماردیتا۔ [8] (احمد، ابوداود)

9/5306۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کے دونوں قاصد ابن نواحہ اور ابن اثال جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے ان دونوں سے کہا: کیا تم دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو ان دونوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایمان لایا اللہ پر، اس کے رسول پر اگر میں کسی سفیر کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔

عبداللہ نے کہا: پس سنت اس بات پر جاری ہوئی ہے کہ سفیر کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (احمد)

---

[7] قولہ: انی لا اخیس بالعھد (میں عہد شکنی نہیں کرتا) الخ اس میں یہ بات ہے کہ کافروں کے ساتھ بھی عہد کی پاسداری ایسا ہی کی جائے گی جیسے مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ (مرقات)

[8] قولہ: لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما (سنو! خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردن مادیتا) شوکانی نے کہا ہے کہ دونوں حدیثیں دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ کفار کی جانب سے آنے والے سفیروں کو بھی قتل کرنا حرام ہے اگرچیکہ حاکم کے سامنے اور مسلمانوں کے سامنے وہ کفر کی بات بولیں کیونکہ سفارت کا تقاضہ ہے کہ وہ جواب دیا جائے جو سفیر کے ذریعہ پہنچے۔ تو گویا یہ بھی معاہدہ کے درجہ میں ہے۔ (بذل المجہود)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(7/185) بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ وَالْغُلُوْلِ فِيْهَا

اموال غنیمت کی تقسیم اوراس میں چوری (خیانت) کا بیان

اللہ بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے:﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ، وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾.

اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے پایا ہوتو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول ﷺ کے لئے اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس (وحی) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندہ پر (حق و باطل کے درمیان) فیصلہ کے دن نازل فرمائی وہ دن (جب میدان میں مومنوں اور کافروں کے) دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ الانفال، آیت نمبر:41)

اوراللہ تعالی کا ارشاد ہے:"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ"(اے نبی آپ مؤمنین کو جنگ پر ابھاریئے)[1] (سورۃ الانفال، آیت نمبر:65)

اوراللہ تعالی کا ارشاد ہے:" وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَاغَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ، ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ".

---

1 قوله: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ. (اے نبی آپ مؤمنین کو جنگ پر اُبھاریئے) تفسیرات احمدیہ میں ہے اس آیت میں مؤمنین کو جنگ کے لئے ابھارنے کا ذکر ہے مراد اس سے ان کو ترغیب دینے میں مبالغہ کیجئے اور صاحب ہدایہ کے اس قول میں اس کی طرف اشارہ ہے: ان التنفيل من جملة التحريض المندوب اليه (مجاہدین کے لئے کسی زائد انعام کا مقرر کرنا اسی تحریض کے قبیل سے ہے جو مستحب ہے۔

اور جو آدمی چوری (خیانت) کرے گا تو جو کچھ اس نے چوری کی ہے قیامت کے دن لائے گا پھر ہر نفس کو جو کچھ اس نے کیا ہے پورا بدلہ دیا جائے گا۔اوران پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر: 161)

1/5307۔ ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے مجھے انبیاء پر فضیلت دی یا فرمایا کہ میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لئے اموال غنیمت کو حلال کیا۔ (ترمذی)

2/5308۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اموال غنیمت ہم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے ہماری ناتوانی اور کمزوری کو دیکھا تو اس کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔ (متفق علیہ)

3/5309۔ انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی نے جہاد کیا تو قوم سے فرمایا: میرے ساتھ ایسا کوئی شخص نہ آئے جس نے کسی خاتون سے نکاح کیا ہے اور اس کے ساتھ خلوت کرنا چاہتا ہے مگر ابھی اس کے ساتھ خلوت نہیں ہوئی ہے اور نہ ایسا کوئی شخص جس نے گھر بنائے ہیں اور ابھی ان کے چھت نہیں ڈالے اور نہ ایسا کوئی شخص جس نے بکریاں خریدی ہیں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہیں اور وہ ان کے بچے دینے کا انتظار کر رہا ہے۔ پس انہوں نے جنگ کی اور آبادی سے قریب پہنچ گئے۔ عصر کا یا اس سے قریب وقت تھا۔ انہوں نے سورج سے فرمایا: بے شک تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں۔ اے اللہ تو اس کو ہم پر روک دے پس وہ روک دیا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ پھر انہوں نے مال غنیمت کو جمع کیا تو آئی یعنی آگ اس کو کھانے کے لئے آئی تو وہ اس کو کھائی نہیں تو (اس نبی نے) فرمایا تم میں کوئی خیانت ہے پس ہر قبیلہ میں ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ پس آپ کے ہاتھ سے ایک آدمی کا ہاتھ چمٹ گیا تو آپ نے فرمایا تم میں خیانت ہے پس اس قبیلہ کے لوگ گائے کے سر کے برابر سونا لے کر آئے اور اس کو رکھ دیا تو آگ آئی اور اس نے اس کو کھالیا۔[2]

---

[2] قولہ: فجاءت النار فاكلتها الخ (آگ آئی اور اس نے اس کو کھالیا) اگر تم یہ کہو کہ ان کے اموال غنیمت کو آگ کے کھانے میں اور ان کا ہمارے لئے حلال ہونے میں کیا حکمت ہے، میں کہتا ہوں ان کے حق میں یہ حکم اس لئے مقرر کیا گیا تا کہ ان کی جنگ اخلاص کی کمی وجہ سے مال غنیمت کے خاطر نہ ہو۔ اور لیکن ان اموال غنیمت کا اس امت کے حق میں حلال کیا جانا ان میں اخلاص کے غالب ہونے کی وجہ سے ہے پس کسی اور سبب کی ضرورت نہیں۔ (عمدۃ القاری)

ایک روایت میں یہ زیادہ ہے۔ اموال غنیمت تم سے پہلے کسی کے لئے بھی حلال نہیں کیا گیا تھا۔ پھر اللہ تعالی نے ہمارے لئے اموال غنیمت کو حلال کردیا۔ اس نے ہماری ناتوانی اور کمزوری کو دیکھا تو اس کو ہمارے لئے حلال کردیا۔ (متفق علیہ)

4/5310۔ خولہ انصاریہ رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق قبضہ کرلیتے ہیں۔ ان کے لئے قیامت کے دن آگ ہے۔ (بخاری)

5/5311۔ خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے جو کوئی اس کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے گا تو اس کے لئے اس میں برکت دی جائے گی اور کچھ وہ لوگ جو قبضہ کرنے والے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے مال میں جیسے ان کا نفس چاہتا ہے اس کے لئے قیامت کے دن سوائے اگ کے کچھ نہیں۔ (ترمذی)

6/5312۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے تو مال غنیمت میں چوری کا ذکر فرمایا3 اور اس کو بڑا گناہ بتایا گیا اس کا حکم بھی بڑا (سخت) بتلایا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر ایک اونٹ لے کر آرہا ہے جو بلبلا رہا ہو۔ اور وہ یہ کہے کہ یا رسول اللہ میری مدد فرمائے اور میں کہوں کہ میں تیرے لئے کچھ کام نہیں آوں گا کیونکہ میں نے تو تجھ کو (دین) پہنچادیا۔ میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ تم میں کا کوئی قیامت کے دن اپنی گردن پر گھوڑا لے کر آئے اور وہ گھوڑا ہنہنا رہا ہو۔ وہ کہے گا کہ یا رسول اللہ میری مدد فرمائے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے کام نہیں آؤں گا کیونکہ میں نے تجھے (دین) پہنچادیا۔ میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر بکری لادا ہوا ہو اور وہ ممیا رہی ہو اور وہ کہے یا رسول اللہ میری مدد کیجئے تو میں کہوں گا کہ میں تمھارے لئے کچھ کام نہیں آؤں گا کیونکہ میں نے تو تم کو دین پہنچا دیا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں قیامت کے دن اپنی گردن پر کپڑے اٹھائے

---

3 قولہ: فذكر الغلول الخ (پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیانت کا ذکر کیا) امام نووی نے خیانت کا گناہ کبیرہ میں سے ہونے پر اجماع نقل کیا۔ (عمدۃ القاری)

ہوئے آئے جو حرکت کر رہے ہوں اور وہ کہے یا رسول اللہ میری مدد کیجئے میں کہوں گا کہ میں تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا کیونکہ میں نے تجھے پہنچا دیا تھا میں تم میں سے کو کو قیامت کے دن ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سونا چاندی ہو اور وہ کہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد فرمایئے۔ تو میں کہوں گا کہ میں تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا میں نے تو تم کو پہنچا دیا تھا۔

(متفق علیہ) اور یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور زیادہ مکمل ہیں۔

7/5313۔عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دھاگہ اور سوئی بھی ادا کر دو اور تم خیانت سے بچو کیونکہ یہ اس کے کرنے والے کے لئے قیامت کے دن عیب (شرمندگی) ہے۔ (دارمی)

8/5314۔نسائی، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

9/5315۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک شخص مقرر تھا جس کو ''کرکرۃ'' کہا جاتا تھا جب وہ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آگ میں ہے پس لوگ دیکھنے کے لئے گئے تو ایک چادر ملی جس کی اس نے خیانت کی تھی۔ (بخاری)

10/5316۔ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: مجھے عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حدیث بیان کی کہ جب جنگ خیبر کا دن آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاں شہید ہے اور فلاں ہے یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گزرے تو کہا فلاں شہید ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے اس کو آگ میں دیکھا ہے اس ایک چادر یا عباء کی بناء پر جس کو اس نے چوری کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب! تم جاؤ اور لوگوں میں تین مرتبہ اعلان کرو کہ جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے ایمان والوں کے۔ پس میں نکلا اور میں نے تین مرتبہ اعلان کیا: سنو جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوائے اہل ایمان کے۔[4] (مسلم)

---

[4] قولہ: لا یدخل الجنة الا المؤمنون الخ (جنت میں سوائے اہل ایمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا) ابن ملک نے کہا کہ مومن سے مراد عرف میں ہو شخص ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ ﷺ جو بھی لائے ہیں اس پر ایمان لائے اور جو آدمی خیانت کرتا ہے تو گویا وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنی تصدیق کے حکم پر نہیں چلا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اس طرح کے عمل سے روکنے کے لئے اس کو مسلمانوں میں شامل نہیں فرماتے ہیں۔ (مرقات)

11/5317۔ یزید بن خالد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ایک صاحب کا خیبر کے دن انتقال ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ساتھی پر تم نماز (نماز جنازہ) پڑھو۔ اس کی وجہ سے لوگوں کے چہروں کے رنگ اڑ گئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے ساتھی نے اللہ کے راستہ میں (مال غنیمت میں) خیانت کی ہے۔ پس ہم نے اس کے سامان کو تلاش کیا تو اس میں یہود کے منکوں میں سے چند منکے ملے جو دو درہم کے مساوی بھی نہیں تھے۔ (مالک، ابوداود، نسائی)

امام طحاوی نے کہا5 اگر تحریق یعنی سامان کو جلا ڈالنے کی حدیث صحیح ہے تو اس کو محمول کیا جائے گا ایسے زمانہ پر جب کہ مال کے ذریعہ سزائیں دی جاتیں تھیں جیسے زکوۃ دینے والوں سے آدھا مال لینا اور گمشدہ اونٹ کا مسئلہ اور کھجور چوری کرنے والے کی سزا سے متعلق حکم۔ اور یہ سب منسوخ ہیں۔

12/5318۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام ہدیہ پیش کیا جن کو مدعم کہا جاتا تھا۔ اس وقت جب کہ مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کجاوہ کو اتار رہا تھا تو اس کو ایک نامعلوم تیر آکر لگا اور اس کی جان لے لی۔ لوگوں نے کہا اس کے لئے جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، وہ چادر، جس کو اس نے خیبر کے دن مال غنیمت میں سے جس کی

---

5 قولہ: وقال الامام الطحاوی (اور امام طحاوی نے کہا) الخ مال غنیمت کی چوری کرنے والے کی سزا کے بارے میں علماء کا اختلاف ہوا ہے جمہور کا کہنا ہے کہ اس کی حالت کے مطابق امام تعزیر کرے گا مگر اس کا سامان نہیں جلائے گا۔ یہ قول امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے حضرات کی بڑی جماعت کا ہے اور انہوں نے اس حدیث شریف کو زجر اور وعید پر محمول کیا ہے، واجب قرار نہیں دیا۔ اور امام بخاری نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مال غنیمت کے چور کے بارے میں ایک سے زائد احادیث میں آیا ہے اور آپ ﷺ نے اس کے سامان کو جلانے کا حکم نہیں فرمایا۔ حضرت حسن، امام احمد و اسحق و مکحول اور امام اوزاعی نے کہا اس کا کجاوہ اور اس کا سارا سامان جلا دیا جائے گا۔ البتہ امام اوزاعی کے پاس سوائے اس کے ہتھیار اور ان کپڑوں کے جو اس پر ہیں۔ حضرت حسن نے کہا سوائے جانور اور قرآن مجید کے۔ اور انہوں نے کہا ابن عمر کی وہ حدیث شریف جو عمرو سے مرفوعا ہے مال غنیمت کے چور کے کجاوہ کو جلانے سے متعلق تو اس حدیث میں صالح بن محمد، سالم سے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے کجاوہ کو جلانے کا حکم نہیں فرمایا جس کے پاس منکے اور عباء پایا گیا تھا۔ (ماخوذ از عمدۃ القاری و مرقات)

ابھی تقسیم نہیں ہوئی تھی، لے لیا تھا، وہ آگ بن کر اس پر بھڑکے گی۔ پس لوگ جب اس بات کو سنے تو ایک آدمی ایک تسمہ یا دو تسمے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آیا 6 تو آپ ﷺ نے

---

6 قولہ: جاء رجل بشراک او شراکین الخ (ایک آدمی ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر آیا) علماء کا اس بات پر اتفاق ہوا ہے کہ مال غنیمت میں چوری کرنے والے پر ضروری ہے کہ لوگوں کے الگ الگ ہو جانے سے پہلے وہ جس چیز کی چوری کیا ہے اس کو تقسیم کرنے والے کے پاس واپس کر دے۔ اور جب لوگ الگ الگ ہو جائیں تو اس وقت واپس کئے جانے والے مال کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس میں پانچواں حصہ امام (حاکم) کو دیدے اور باقی کا صدقہ کر دے یہ قول امام حسن بصری، مالک، اوزاعی، لیث، زھری اور ثوری اور امام احمد رحمھم اللہ کا ہے اور یہ ابن مسعود، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مروی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ نہیں تھی۔ اور فرماتے تھے اگر وہ اس کی ملک ہے تو اس پر اس کا صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور اگر وہ اس کا مالک نہیں ہے تو دوسرے کے مال کا صدقہ کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور انہوں نے کہا اس پر واجب یہ ہے کہ وہ (اس مال کو) امام (حاکم) کے حوالے کر دے جیسے گمشدہ اموال کا حکم ہے۔ لیکن اس بارے میں علماء احناف کا قول وہ ہے جس کو صاحب سیر کبیر نے بیان کیا ہے: اور اگر کوئی شخص اموال غنیمت میں سے کوئی چیز چوری کرے پھر وہ شرمندہ ہو اور تقسیم کے بعد حاکم کے پاس لے کر آئے اور فوج الگ الگ ہو چکی ہو تو اس میں حاکم کو اختیار ہے اور وہ چاہے تو اس کو جو کچھ اس نے کہا ہے جھوٹا قرار دے اور کہے کہ مجھے تیری سچائی معلوم نہیں اور تو اپنے قول کے مطابق وبال کو لازم کر لیا ہے تو جو اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے اس کو تو جانے تا آنکہ تو اس کے مستحق کو حق پہنچادے اور اگر وہ (حاکم) چاہے تو اس سے اس چیز کو لے لے اور اس کا خمس ان لوگوں کے لئے رکھدے جن کو اللہ نے مقرر کیا ہے کیونکہ مال اس کے ہاتھ میں پایا گیا ہے۔ اور صاحب مال اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں جو بھی خبر دے گا شرعاً اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس کی صداقت کے مطابق اس میں کا پانچواں حصہ خمس والوں کے لئے ہوگا اور وہ ان کو دیا جائے اور باقی مال لقطہ (وہ چیز جو تم کو راستہ میں پڑی ہوئی ملے) کے درجہ میں رہے گا اگر اس کو توقع ہے کہ اس کے مستحق مل جائیں گے تو اس میں وہی حکم ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور اگر اس کی امید نہیں ہے اگر وہ چاہے تو مساکین کے درمیان اس کو تقسیم کر دے ورنہ اس کو بیت المال میں وقف کرادے اور اس پر اس کا معاملہ اور اس کے تمام احوال درج کر دے اور اگر چوری کرنے والا اس مال کو حاکم کے پاس لے کر نہیں آیا مگر اس نے چوری سے توبہ کر لی اور وہ مال اس کے پاس موجود ہے اور اس کو اس کے مستحق کے مل جانے کی توقع نہیں ہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کا صدقہ کر دے اور اگر اس کو اس کی امید ہے تو اس میں لقطہ کا حکم ہوگا۔ ان تمام امور میں جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، اس کو حاکم کے پاس پیش کر دینا مجھے زیادہ پسند ہے جیسا کہ لقطہ میں بھی ہے۔ اس (شخص) کے اس (مال) کو حاکم کے پاس پیش کرنے کے بعد حاکم کو اس کے صدقہ کرنے سے متعلق اختیار رہے گا مگر اس کے لئے مناسب ہے کہ خمس کو اس کے ہاتھ میں نہ چھوڑے کیونکہ اس نے اس بات کا اقرار کیا ہے اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کا خمس ان لوگوں کے لئے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تعین فرمایا ہے پس اس کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس میں اس کا اقرار اس کے حق میں درست ہے۔

پس اس کے لئے چاہئے کہ اس میں سے خمس لے لے اور اس کے مستحقہ مصارف میں اس کو خرچ کرلے تا کہ اصحاب خمس کے حقوق ضائع نہ ہو۔

فرمایا ایک تسمیہ آگ کا یا دو تسمہ آگ کے ہیں۔(متفق علیہ)

13/5319۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مال غنیمت کے پاس پہنچتے تو حضرت سیدنا بلالؓ کو حکم فرماتے پس وہ لوگوں میں اعلان کرتے۔ لوگ اموال غنیمت لے کر آتے تو آپ ﷺ اس میں پانچواں حصہ الگ کرتے اور تقسیم فرماتے تھے۔پس ایک شخص اس کے ایک دن بعد بالوں کی ایک لگام لایا اور عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ یہ اس مال میں سے ہے جس کو ہم نے مال غنیمت میں سے پایا تھا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے بلال کو تین مرتبہ اعلان کرتے ہوئے سنا تھا تو اس نے کہا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اس کو لانے سے کس چیز نے روکا تھا۔پس اس نے عذر پیش کیا۔راوی نے کہا: آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح رہ،تو اس کو قیامت کے دن لے کر آئے گا میں اس کو تیری طرف سے ہرگز قبول نہیں کرونگا۔7
(ابوداود)

14/5320۔سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو کسی خیانت کرنے والے چور کو چھپائے گا تو وہ بھی اسی کے جیسا ہے۔
(ابوداود)

15/5321۔ جنادہ بن ابی امیہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم مقام دابق میں اترے۔ابوعبیدہ بن جراح ہمارے امیر تھے تو حبیب بن مسلمہ کو یہ خبر پہنچی کہ قبرس کا حاکم آذر بیجان کے راستہ کا ارادہ کرتے ہوئے نکلا ہے اور اس کے ساتھ زمرد، یاقوت اور موتی وغیرہ ہیں۔تو وہ اس کی طرف گئے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کے ساتھ جو کچھ بھی تھا اس کو لے کر آئے۔ابوعبیدہ نے اس میں سے خمس نکالنے کا ارادہ کیا تو حبیب بن مسلمہ نے کہا: اللہ نے مجھے جو کچھ عطاء کیا ہے آپ مجھ کو اس سے محروم مت کیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب (مقتول کا مال) قتل کرنے والے کے لئے قرار دیا ہے۔تو معاذؓ نے کہا اے حبیب! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس کے سوانہیں کہ آدمی کے لئے وہ ہے

7 قولہ: فلن اقبلہ عنک (میں اس کو تیری طرف سے ہرگز قبول نہیں کرونگا) الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے قول پر چوری کا یقین نہیں ہوا امام محمد رحمہ اللہ نے سیر کبیر میں یہی وجہ بتائی ہے۔

جس کو اس کے امیر کا نفس اچھا سمجھتا ہے۔8

8قولہ: انما للمرءِ ما طابت به نفس امامه الخ (اس کے سوانہیں کہ آدمی کے لئے وہ ہے جس کو اس کے امیر کا نفس اچھا سمجھتا ہے) سیر کبیر میں جو کچھ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ''انفال'' فقہاء کی عبارتوں میں اس مال کو کہا جاتا ہے جس کو امیر مال غنیمت پانے والوں میں سے کسی کے لئے خاص کرتا ہے اور اس عمل کو تنفیل کہا جاتا ہے۔ اور اس مال کو نفل کہتے ہیں۔ تنفیل یعنی جنگ پر ابھارنے کے لئے مال غنیمت کے حاصل ہونے سے پہلے اگر کسی کے لئے زائد مال مقرر کیا جاتا ہے تو اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ امیر، جنگ کے لے ابھارنے پر مامور ہے اللہ تعالی کے ارشاد کی بناء پر ''یَـٰٓأَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِینَ عَلَی الْقِتَالِ ''(8۔سورۃ الانفال، آیت نمبر:65) (اے نبی مومنین کو جنگ پر ابھارئے) یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اور ہر اس شخص کے لئے جو آپ ﷺ کا قائم مقام (خلیفہ) ہے کیونکہ فوجیوں کے لئے جب حاصل ہونے والی اشیاء میں کوئی چیز خاص نہ کی جائے تو وہ اپنے آپ کو بہت کم خطرات میں ڈالتے ہیں اور جب امام ان کے لئے اس میں کوئی چیز خاص کر دیتا ہے تو وہ اس چیز کی وجہ سے اپنی جانوں کے ذریعہ خطرات سے کھیلتے ہیں اور دشمن کے ہنگاموں میں اپنے آپ کو ڈال دیتے ہیں۔ اور نفل کا جب تک امام اعلان نہ کرے قاتل مقتول کے مال (سلب) کا حق دار نہیں بنتا یہ ہمارے (احناف) کے پاس ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق جو آدمی کسی مشرک کو مقابلہ کرتے ہوئے قتل کرے جب کہ وہ رو در رو ہو، پیٹھ پلٹایا ہوا نہ ہو تو وہ سلب کا حق دار ہو جاتا ہے اگرچیکہ حاکم کی طرف سے تنفیل کا اعلان نہ ہوا ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''جو کوئی کسی آدمی کو قتل کر دے تو اس کو سلب ملے گا'' شرعی حکم مقرر کرنے کے لئے ہے اور اس طرح کا کلام صاحب شریعت کی زبان مبارک سے اس کا سبب بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''من بدل دینه فاقتلوه ''(جو کوئی اپنا دین بدل دے اس کو قتل کر دو)۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں صحابہ علیہم الرضوان کے درمیان فرماتے، (تو حکم شرعی بنتا) مگر ایسا منقول نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے تحریض کی ضرورت کی وجہ سے جنگ میں ایسا فرمایا ہے کیونکہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم کو یہ بات نہیں پہنچی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنگ میں ''من قتل قتیلا فله سلبه '' (جو کوئی کسی آدمی کو قتل کر دے تو اس کو سلب ملے گا) فرمایا ہو سوائے جنگ حنین کے مقام پر۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ مسلمانوں میں کچھ کمزوری آ گئی تھی اور ان کو ابھارنے کی ضرورت تھی تا کہ وہ پلٹ کر دوبارہ حملہ کریں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ثُمَّ وَلَّیْتُم مُّدْبِرِینَ ''تم منہ پھیر لئے تھے پیٹھ پلٹا کر'' (9۔سورہ توبہ، آیت نمبر:25) اور محمد بن ابراہیم تیمی نے کہا ایسا جنگ بدر میں اور حنین میں بھی ہوا ہے۔

اور جنگ بدر کے موقعہ پر جنگ کے لئے تحریض کی ضرورت معلوم ہے۔ تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تنفیل کے طور پر جو کچھ فرمایا ہے وہ تحریض کے لئے ہے، شریعت کے حکم کے طور پر نہیں ہے۔ اور ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہے، جس کا عبداللہ بن شقیق نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی قُریٰ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا: آپ ﷺ اموال غنیمت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کے لئے ایک حصہ ہے اور چار حصے اِن لوگوں کے لئے ہیں۔ اس نے کہا: مالِ غنیمت تو آدمی حاصل کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اپنے بازو میں کوئی تیر چلائے تو اپنے مسلم بھائی (مجاہد) سے زیادہ حق دار نہیں ہو جاتا......

......پس یہ کھلی دلیل ہے اس امر کی کہ حاکم کے تنفیل مقرر کئے بغیر قاتل سلب کا حق دار نہیں بن سکتا۔اور اس قول پر اہل عراق وحجاز سب متفق ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا مال غنیمت جمع کرنے کے بعد تنفیل نہیں ہے۔اور اہل عراق اور اہل حجاز کا یہی مذہب ہے۔اور اہل شام مال غنیمت جمع ہوجانے کے بعد بھی تنفیل کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہی قول امام اوزاعی رحمہ اللہ کا ہے۔اور ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس میں ان کے قول کے درست نہ ہونے کی دلیل موجود ہے۔وہ یہ ہے کہ تنفیل جنگ پر ابھارنے کے لئے ہے اور یہ مال غنیمت حاصل ہونے سے پہلے ہوتی ہے نہ کہ مال غنیمت حاصل ہونے کے بعد۔کیونکہ تنفیل غانمین کا حق ثابت ہونے کے بعد باطل کرنے کے لئے نہیں ہے۔بلکہ یہ کسی کے لئے ابتداء ہی میں مال مختص کرنے کے لئے ہے اور مال غنیمت جمع ہونے کے بعد تنفیل میں دوسرے کے حق کا ابطال ہے۔پھر حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے جو لگام (رسّی) سے متعلق وارد ہے استدلال کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال غنیمت میں سے بالوں کی ایک رسّی کے لئے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ افسوس تجھ پر تونے آگ کی رسی مانگی۔(الحدیث)۔

اور مجاہد کی حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں مال غنیمت میں سے بالوں کا ایک بنڈل لایا اور عرض کیا آپ مجھے یہ دیدیجئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس میں سے جو تیرا حصہ ہے وہ تجھے دے سکتا ہوں اور ابوالاشعث صنعانی سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت آیا اور اس کے ساتھ بالوں کی ایک لگام تھی۔(الحدیث) پھر انہوں نے کہا اگر مال غنیمت حاصل ہوجانے کے بعد بھی تنفیل جائز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو باوجود یہ کہ وہ سچا حاجت مند تھا محروم نہیں کرتے۔پھر انہوں نے کہا کہ یہ جو مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے جمع ہونے کے بعد بھی تنفیل دی ہے تو اس کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے مال کے جمع ہونے کے بعد جو نفل دیا ہے تو وہ خمس میں سے دئے ہوں گے کیونکہ وہ مساکین میں سے تھے یا پھر آپ ﷺ نے اس کو خمس کے اپنے حصے میں سے دیا ہو یا اس مال میں سے دیا ہو جو آپ ﷺ کے لئے خاص تھا یا آپ ﷺ نے اس کو اللہ کے دیئے ہوئے مال فئی میں سے دیا ہو جو گھوڑے اور اونٹ وغیرہ دوڑائے بغیر ملا ہوا اور اس کا معاملہ آپ ﷺ کے حوالے ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ "آپ فرمادیجئے کہ انفال اللہ اور رسول کے لئے ہے (8۔سورۂ انفال،آیت نمبر:1) اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ وہ دونوں حضرات سلب کے مال میں خمس نہیں نکالتے تھے۔حضرت حبیب بن مسلمہ اور مکحول سے مروی ہے کہ سلب مال غنیمت ہے اور اس میں خمس ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے اور بے شک ہم نے ان بزرگوں کے اقوال کو لیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کے ارشاد کے مطابق ہے:وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ"(8۔سورۂ انفال،آیت نمبر:41)(اور جانو کہ تم جو کچھ مال غنیمت جمع کرتے جاؤ) اور سلب مال غنیمت سے ہے۔اور خالد اور عوف سے جو روایت آئی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ ایسے وقت میں ہوا ہے کہ پہلے تنفیل کا حاکم کی جانب سے اعلان ہوچکا تھا کہ من قتل قتیلا فله سلبه (جو شخص کسی آدمی کو قتل کرے تو اس کے لئے اس کا سلب (مقتول کا چھوڑا ہوا مال) ہے) اور ہمارے پاس ایسے مواقع میں سلب سے خمس بھی نہیں نکالا جائے گا اور بغیر تنفیل کے ہو تو اس میں خمس نکالا جائے گا۔(ملخص)

امام طبرانی نے اس کو اپنے معجم کبیر اور مرجم اوسط میں روایت کیا ہے یہ حدیث متعدد سندوں کی وجہ سے درجہ حسن کی ہے۔ 9 اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی امام بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے۔

16/5322 ۔عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں جنگ بدر کے دن صف میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے اپنی سیدھی اور بائیں جانب دیکھا تو انصار کے دونو عمر لڑکے تھے۔ میں نے تمنا کی کاش میں ان دونوں سے زیادہ طاقتور کے درمیان رہتا پس ان میں سے ایک نے مجھے انگلی چبھا کر کہا چچا کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں۔تو میں نے کہا ہاں، مگر اے بھتیجے اس سے تمہاری کیا حاجت ہے؟ تو انہوں نے کہا ''مجھے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ برا کہتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں گا تو میرا جسم اس کے جسم سے الگ نہیں ہوگا یہاں تک کہ ہم میں سے جس کو بھی جلد موت آنی ہے وہ موت کے منہ میں چلا جائے گا''۔ مجھے اس پر تعجب ہوا پھر دوسرے لڑکے نے بھی مجھے انگلی چبھائی اور اس نے بھی مجھ سے اسی طرح کہا۔ پس میرا کچھ وقت نہیں گزرا تھا کہ میں نے ابوجہل کو دیکھا وہ لوگوں میں گشت لگا رہا ہے تو میں نے (ان لڑکوں سے) کہا کیا تم دیکھتے نہیں یہی تمہارا وہ آدمی ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ پس وہ دونوں اپنی تلواروں کے ساتھ اس پر جھپٹے اور اس پر ضرب لگائی یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور انہوں نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں میں سے کس نے اس کو قتل کیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں نے اپنی تلواروں کو پونچھ لیا؟ تو ان دونوں نے کہا ''نہیں''۔ رسول اللہ

9 **قولہ: ھذا حدیث حسن لتعدد طرقہ** (یہ حدیث متعدد طرق کی بناء پر درجہ حسن کی ہے) صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے سے ہمارے لئے کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ ہم سلب کی حدیث کے دو احتمالات میں سے ایک کے لئے اس کو قابل قبول قرار دیتے ہیں یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے جو کسی کو قتل کرے گا اس کے سلب کا وہ حق دار ہو جائے گا اس کو تنفیل (حاکم کے مقررہ حق سے زیادہ دینے) پر محمول کرتے ہیں اور ہر ضعیف حدیث باطل نہیں ہے۔ اور بکثرت احادیث ضعیف ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے سلب کی حدیث عام جاری قاعدہ کے طور پر نہیں ہے اور ضعیف حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ رجہ حسن میں ترقی کر جاتی ہے اور غالب گمان یہ قائم ہو جاتا ہے کہ یہ بطور تنفیل ہے اور اس کی مکمل تحقیق یہی ہے۔ (ردالمختار)

صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو دیکھ کر فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے اور اس کے سلب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن عمرو بن جموح کے حق میں فیصلہ فرمایا 10 اور وہ دو آدمی معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء ہیں۔(متفق علیہ)

17/5323۔اور ان دونوں کی ایک روایت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن فرمایا ہمارے لئے کون دیکھ کر آئے گا کہ ابوجہل نے کیا کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعود گئے تو اس کو اس حالت میں پائے کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس پر ضرب لگائی ہے اور وہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔تو ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا تو ابوجہل ہے تو اس نے کہا کیا تم نے اس آدمی سے بڑھ کر آدمی قتل کیا ہے؟۔

18/5324۔اور ایک روایت میں ہے اس نے کہا کاش کسان کے سوا کوئی اور مجھے قتل کرتا۔(متفق علیہ)

19/5325۔اور دارمی نے ان سے روایت لائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یعنی جنگ حنین میں فرمایا جو کوئی کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کو اس کا سلب ملے گا پس ابوطلحہ نے اس دن بیس (20) کو قتل کیا اور ان کے سلب کے لئے۔11 (دارمی)

---

10 قولہ: فقال کلا کما قتلہ، ثم قضی بسلبہ لمعاذ بن عمرو بن الجموح (تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے اور اس کے سلب کا آپ ﷺ نے معاذ بن عمرو بن جموح کے حق میں فیصلہ فرمایا)''دلیل کی صورت یہ ہے کہ سلب قاتل کے لئے ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے لئے اس کا فیصلہ فرماتے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں میں سے ایک کو دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ معاملہ امیر کے حوالہ ہے۔ (نصب الرایۃ)

11 قولہ: فقتل ابو طلحۃ الخ (پس ابوطلحہ نے اس دن بیس (20) کو قتل کیا اور ان کے سلب حاصل کر لئے) مرقات میں ہے کہ ابن الملک نے کہا ہے کہ حدیث ابوقتادہ سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ سلب قاتل کے لئے ہوتا ہے۔اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا امام جب تک قاتل کو بطور نفل سلب نہ دے تو وہ قاتل کا نہیں ہوتا اور یہ حدیث تنفیل پر محمول ہے (یعنی ابوطلحہ کے لئے نفل کا اعلان کیا گیا تھا) تا کہ اس حدیث میں اور دوسری حدیث ''**لیس لک من سلب قتیلک الا ما طابت بہ نفس امامک**''(تم کو تمہارے قتیل کے سلب کا حق نہیں مگر یہ کہ تمہارے امام عطا کریں) ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو۔

اور امام طیبی نے شرح مشکوۃ میں فرمایا دوسری فصل میں عوف بن مالک کی جو حدیث ہے وہ امام شافعی کی تائید کرتی ہے کیونکہ وہ مطلق ہے اور عدم تقیید ہی اصل اور قاعدہ ہے۔میں کہتا ہوں کہ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فراغت کے بعد اس کو فرمایا ہے لیکن اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد سابقہ قول......

20/5326۔ مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے اہل حدیبیہ پر خیبر کی تقسیم عمل میں آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (18) حصوں میں تقسیم فرمایا اور فوج ایک ہزار پانچ سو (1500) تھی اس میں تین سو گھوڑا سوار تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑا سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ عطا فرمایا۔12 (ابوداؤد)

اور حافظ شمس الدین ذھبی 13 نے اپنی کتاب تلخیص میں اس حدیث شریف کی تخریج کرنے

......کی تکرار ہو۔ اور اب رہی حضرت عوف کی حدیث کہ آپ ﷺ نے قاتل کے لئے سلب کا فیصلہ دیا ہے تو یہ قابل تقیید ہے (اس کو مقید کیا جائے گا)۔ اور پھر انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث جو مشکوۃ کی دوسری فصل میں ہے جس کو امام دارمی نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن یعنی جنگ حنین کے موقعہ پر فرمایا جو کوئی کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کو اس کا سلب ملے گا تو ابوطلحہ نے اس دن بیس آدمی کو قتل کیا اور ان کے اسلاب (ان کے اموال) لے لئے تو اس حدیث میں صراحت ہے کہ ان کا قتل کرنا حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کے اس ارشاد کے بعد ہوا ہے تو مطلق کو اس کے ذریعہ مقید کیا جائے گا۔

12 قولہ :**فاعطی الفارس سهمين و الراجل سهما الخ** (تو آپ ﷺ نے گھوڑا سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ عطا فرمایا) لڑنے والے اصحاب کتنی مقدار کے مستحق ہیں اس بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے اور لڑنے والے پیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور گھوڑا سوار بھی ہو سکتے ہیں اگر وہ پیادہ ہے تو سب کا اتفاق ہے وہ ایک حصہ کے مستحق ہیں اور اگر وہ سوار ہیں تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے پاس ان کے اور ان کے گھوڑے کے جملہ دو حصے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے پاس اس کے لئے تین حصے ہیں ایک حصہ اس کا اور اس کے گھوڑے کے دو حصے ہیں اور یہی قول امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے۔ جمہور نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث سے استدلال کیا ہے۔

لیکن امام اعظم رحمہ اللہ نے مجمع بن جاریہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اب رہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا جواب تو اس میں انہوں نے یہ صراحت نہیں کی ہے کہ وہ تقسیم کب ہوئی تھی خیبر سے پہلے یا خیبر کے بعد۔ پس جب اس میں یہ احتمال ہو کہ یہ تقسیم خیبر سے پہلے ہوئی تھی تو یہ دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ایسی صورت میں اس میں نسخ کا احتمال ہے اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت مال غنیمت کی تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے حوالہ ہو کہ آپ جس طرح چاہیں تقسیم کریں اور جس کو چاہیں دیں اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ایک حصہ میں اس کا میں بطور تنفیل کے دئے ہوں اس لئے اس کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر تم اس میں مزید تفصیل چاہتے ہو تو بذل المجہود کی طرف رجوع کرو کیونکہ اس میں اس بیان کی بہت ہی نفیس تفصیل ہے۔

13 قولہ :**وقال الحافظ شمس الدين الخ** (حافظ شمس الدین ذھبی نے اپنی کتاب تلخیص میں اس حدیث شریف کی تخریج کرنے کے بعد کہا ہے کہ) امام ابوداؤد کے قول میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے لیکن انہوں نے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ (بذل المجہود)

کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور صاحب الجواہر النقی نے کہا ہے کہ حاکم نے مستدرک میں اس کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بڑی حدیث ہے۔اس کی سند صحیح ہے اس میں مجمع بن یعقوب معروف آدمی ہیں۔اور صاحب کمال نے کہا ہے کہ امام قعنبی، یحیٰی، وعاظی، اسماعیل بن ابی اویس یونس مؤدب اور ابو عامر عقدی کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی ان سے روایت کی ہے اور ابن سعد نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی اور ثقہ ہیں، ابوحاتم اور ابن معین نے کہا ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام نسائی نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ ابن معین کسی کے بارے میں جب ''لیس به باس'' کہتے ہیں تو اس سے ان کی توثیق یعنی ان کو ثقہ قرار دینا ہوتا ہے۔

21/5327۔نعیم بن حماد سے روایت ہے کہ ہم کو ابن مبارک نے حدیث بیان کیا اور وہ عبیداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں وہ نافع سے روایت کرتے ہیں وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سوار کے لئے دو حصے اور پیادہ کے لئے ایک حصہ دیا۔(ابن ابی شیبہ) شیخ ابن ھمام نے کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ نعیم ثقہ ہیں اور ابن مبارک زیادہ مضبوط لوگوں میں ہیں۔

22/5328۔یزید بن ھرمز نے کہا کہ نجدہ حروری نے ابن عباسؓ سے خط لکھ کر پوچھا کہ غلام اور عورت دونوں مال غنیمت کے پاس حاضر تھے۔کیا ان دونوں کو بھی تقسیم میں مال غنیمت دیا جاسکتا ہے؟ تو انہوں نے یزید سے کہا ان کو جواب لکھو کہ ان دونوں کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے مگر یہ کہ ان کو (بطور احسان) کچھ عطا کیا جائے۔14؎

14قولہ :لیس لھما سھم الا ان یحذیا (ان دونوں کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے مگر یہ کہ ان کو (بطور احسان) کچھ عطا کیا جائے) ابن ھمام نے کہا کہ کسی غلام یا کوئی عورت کو حصہ نہیں کسی بچے کو حصہ نہیں اور کسی ذمی کو حصہ نہیں دیا جائے گا لیکن ان کو (بطور احسان) کچھ دیا جاسکتا ہے اور یہ حصہ کے برابر نہ ہو۔بلکہ اس سے کم ہو اور یہ کمی امام کی رائے پر ہے۔خواہ وہ غلام اپنے آقا کی اجازت سے جنگ کرے یا آقا کی اجازت کے بغیر ہی۔اور پھر ہمارے پاس اس کو مال غنیمت میں کچھ دینا خمس نکالنے سے پہلے ہے اور امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔اور ایک قول میں ہے اور یہ امام احمد کی روایت ہے خمس کے چار حصوں میں سے دیا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول میں خمس کے پانچویں حصہ میں سے اور امام مالک کے پاس خمس میں سے دیا جائے گا پھر یہ کہ غلام کو جو دیا جائے گا یہ اس وقت ہے جب کہ اس نے جنگ کی ہو۔اسی طرح بچے اور ذمی کا حکم ہے کیونکہ وہ جنگ کی قدرت رکھتے ہیں۔جب بچہ کے بارے میں یہ فرض کیا جائے کہ وہ جنگ کی قدرت رکھتا ہے تو جنگ کے سوا کسی دوسری چیز کو جنگ کے قائم مقام قرار نہیں دیا جائے گا برخلاف عورت کے کہ اس کو جنگ کی وجہ سے اور لشکر والوں کی خدمت کی وجہ سے بھی دیا جاسکتا ہے اگرچیکہ وہ جنگ نہ کرے کیونکہ وہ جنگ سے عاجز ہے تو اس کے اس فائدے کو جنگ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔(مرقات)

23/5329۔ اور ایک روایت میں ہے ابن عباسؓ نے ان کو لکھا کہ تم مجھ سے دریافت کرنے کے لئے لکھے ہو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کو غزوہ میں شریک کئے ہیں اور کیا ان کے لئے کوئی حصہ بھی مقرر کئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوہ میں شریک فرمایا ہے وہ بیماروں کا چلاج کرتی تھیں اور مال غنیمت میں سے ان کو ملتا تھا لیکن ان کے لئے حصہ مقرر نہیں تھا۔ (مسلم)

24/5330۔ عمیر مولی آبی اللحم سے روایت ہے کہ میں جنگ خیبر میں اپنے مالکوں کے ساتھ حاضر ہوا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں گفتگو کی اور بتلایا کہ میں غلام ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے حکم فرمایا تو میرے گلے میں تلوار ڈال دی گئی پس میں اس کو کھینچ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے کچھ معمولی سامان دینے کا حکم فرمایا اور میں آپ کی خدمت میں ایک رقیہ (دم کرنے کا عمل) پیش کیا جس کو میں دیوانوں پر دم کرتا تھا آپ ﷺ نے مجھے اس کے بعض حصہ کو نکال دینے اور بعض حصہ کو رکھنے کا حکم فرمایا (ترمذی، ابوداؤد) مگر ابوداؤد کی روایت لفظ ''المتاع'' پر ختم ہو جاتی ہے۔

25/5331۔ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے ہمارے غزوات میں ہم کو شہد اور انگور ملتے تو ہم اس کو کھا لیتے تھے۔ اس کو اٹھا کر نہیں رکھتے تھے۔ 15 (بخاری)

---

15 قولہ: فنا کلہ و لا نرفعه (تو ہم اس کو کھا لیتے تھے اس کو اٹھا کر نہیں رکھتے تھے) درمختار اور ردالمحتار میں ہے دارالحرب میں غانمین کے لئے جانوروں کے چارہ اور کھانے کی چیزوں سے ہتھیاروں اور تیل سے بغیر تقسیم کے (تقسیم سے پہلے) بھی فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور ان ساری چیزوں کو صاحبِ کنز کی اتباع میں مطلق رکھا گیا ہے اور صاحب وقایۃ نے ہتھیار کے لئے ضرورت کی قید لگائی ہے اور حق بات یہی ہے۔ اور در منتقی میں ہے۔ اس بات کو جانو۔ صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے کہ ہتھیار، چوپائے اور گھوڑے سے فائدہ اٹھانا صرف بشرطِ ضرورت جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا گھوڑا مر جائے یا اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو جائز ہوگا۔ لیکن اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس گھوڑے کو اور اس تلوار کو استعمال کر کے اپنے گھوڑے اور اپنی تلوار کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو یہ ناجائز ہے اور اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا اور اگر تلف ہو جائے تو ضمان دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب رہا ہتھیار کے سوا اور اس جیسی چیزیں جس کا ذکر گزر چکا ہے جیسے ''کھانا'' تو سیر صغیر میں اس کو لینے کے لئے بھی ضرورت کی شرط لگائی گئی ہے اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ اور سیر کبیر میں ضرورت کی شرط نہیں ہے اور یہ بطور استحسان ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہر مالدار اور ضرورتمند کے لئے اس کو لینا درست ہے۔ (ملخص)

یہ خلاصہ ہے اور شرنبلالیۃ میں اسی طرح مذکور ہے اور یہاں استحسان کو ترجیح ہے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے میں کہتا ہوں ماتن نے یعنی صاحب ملتقی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی حق ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔

26/5332۔انہیں سے روایت ہے کہ ایک لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مالِ غنیمت میں غلہ اور شہد ملا تو ان سے خمس نہیں لیا گیا۔16 (ابوداؤد)

27/5333۔محمد بن ابوالمجالد، عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کرتے ہیں میں نے دریافت کیا: کیا آپ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اشیاء خوردنی میں سے خمس نکالتے تھے۔تو انہوں نے کہا خیبر کے موقعہ پر ہم کو خوردنی اشیاء ملتی تھیں تو ہر آدمی آتا اور اتنی مقدار جو اس کے لئے کافی ہوتی اس میں سے لے لیتا پھر چلے جاتا۔(ابوداؤد)

28/5334۔قاسم مولیٰ عبدالرحمٰن، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں ک ہم غزوہ میں اونٹ کو کھاتے اور اس کو تقسیم نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب ہم اپنے مقامات کو واپس ہوتے 17 تو ہماری تھیلیاں بھری ہوتی تھیں۔(ابوداؤد)

---

16 قولہ: فلم یؤخذ منھم الخمس الخ (ان سے خمس نہیں لیا گیا) یعنی لشکر نے ان دونوں میں سے جو کچھ کھایا تھا (اس میں خمس نہیں لیا گیا) (مرقات)

اور صاحب بذل المجہود نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے وہ ضرورت سے زائد مقدار میں نہیں تھا پس انہوں نے اس کو وہیں کھالیا اور اس میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی جس میں سے خمس نکالا جاتا اور مابقی کو تقسیم کیا جاتا۔صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ دارالحرب میں لشکر جانوروں کو چارہ کھلائے اور ان کو جو غلہ ملا ہے اس میں سے وہ خود کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر کے موقعہ پر اشیاء خوردنی سے متعلق ارشاد ہے کہ ''تم اسے کھاؤ اور اس میں سے چارہ ڈالو اور اٹھا کر مت لے جاؤ'' و نیز اس کی سوختنی لکڑی استعمال کرے اور اس کا تیل استعمال کرے اور اس سے جانوروں کو مالش کرے اور جو ہتھیار ملیں اس کے ذریعہ جنگ کرے تو کوئی حرج نہیں۔اور یہ سب بغیر تقسیم کے بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو مگر اس میں سے کسی کو بیچنا جائز نہیں ہے اور اس سے تم سرمایہ کاری نہیں کروگے۔اب رہا کپڑے اور استعمال کا ساز و سامان تو بغیر ضرورت تقسیم سے پہلے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

17 قولہ: اذا کنا لنرجع الی رحالنا الخ (جب ہم اپنے مقامات کو واپس ہوتے) رحال سے جنگ کے سفر میں ان کے مقامات مراد ہیں۔ابن ہمام نے کہا ہے کہ جب مسلمان دارالحرب سے نکلیں تو ان کے لئے مال غنیمت میں سے چارہ ڈالنا جائز نہیں ہے۔اور اس میں سے وہ خود بھی نہیں کھائیں گے کیونکہ ضرورت ختم ہوگئی اور دارالحرب میں جو اجازت تھی وہ باعتبار ضرورت تھی۔اور اس لئے کہ حقوق ثابت ہوچکے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے حصہ کا مالک ہوجائے اور دارالحرب سے نکلنے سے پہلے یہ بات نہیں ہے۔اور جس کے پاس کوئی کھانے کی چیز یا چارہ بچ جائے تو اس کو مال غنیمت میں لوٹا دے جب کہ مال غنیمت کی تقسیم دارالحرب میں اس کے شروط کے ساتھ نہ ہوئی ہو اور اگر اس کو محفوظ کرنے کے بعد تقسیم سے پہلے فائدہ اٹھایا تو اس کی قیمت واپس کرے اور یہ امام مالک اور امام احمد کا قول ہے اور......

29/5335۔عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے خیبر میں مجھے چربی کی ایک تھیلی ملی 18 تو پس میں اس کو رکھ لیا اور کہا کہ میں آج اس میں سے کسی کو کچھ بھی نہیں دوں گا۔اور میں پلٹا تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔(متفق علیہ)

30/5336۔رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مسلمانوں کے مال غنیمت کے کسی بھی جانور پر سواری نہ کرے 19 کہ وہ اس کو دبلا کر کے واپس کرے اور مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے کوئی کپڑا نہ پہنے کہ اس کو پرانا کر کے واپس کرے۔(ابوداؤد)

31/5337۔ابوسعید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

......امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے اور امام شافعی سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کو واپس نہیں کرے گا اس کو متلصص کی طرح قرار دیا ہے۔''متلصص'' سے مراد ایک دو افراد جو دارالحرب میں چلے جائیں اور وہاں کی کسی چیز کو لیں اور لا لیں تو وہ انہی کے لئے خاص ہے۔ہم کہتے ہیں یہ ایسا مال ہے جس سے مجاہدین کا حق وابستہ ہو گیا ہے۔اور تخصیص کسی ضرورت کی بناء پر تھی جو ختم ہو گئی۔برخلاف ''متلصص'' کے کہ وہ ہمیشہ حقدار ہے خواہ نکال لے آنے سے پہلے ہو کہ بعد میں۔

البتہ تقسیم کے بعد اگر وہ مال باقی رہے تو وہ لوگ اسی کو صدقہ کر دیں گے۔اور اگر وہ اس کو بیچ دئے ہیں تو اس کی قیمت صدقہ میں دے دیں گے۔یہ صدقہ (کرنا) اس وقت ہے جب کہ وہ مالدار ہوں اور ضرورت لاحق ہونے کی بناء پر فائدہ اٹھائے ہوں۔اس لئے کہ وہ مال لقطہ کے حکم میں ہو گیا ہے۔کیونکہ مجاہدین کے منتشر ہو جانے کی وجہ سے اس کو لوٹانا دشوار ہے۔اور اگر وہ اس میں تصرف کر بیٹھے ہوں تو ان پر کوئی چیز لازم نہیں اسی بناء پر مال غنیمت جمع ہونے کے بعد اس سے فائدہ اٹھا لیا گیا ہو اگر مالدار ہو تو اس کی قیمت صدقہ کرے گا اور اگر تنگدست ہو تو نہیں کرے گا۔(مرقات)

18 قولہ: اصبت جرابا من شحم الخ (مجھے چربی کی ایک تھیلی ملی) ابن ملک نے کہا: اس میں جواز معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین مال غنیمت کے خوردنی اشیاء (کھانے پینے کی چیزوں میں سے) میں سے اپنی ضرورت کے بقدر لے سکتے ہیں۔اور سابق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بدن میں تیل کی مالش کر کے فائدہ اٹھانے کا حکم اور کھانے کا حکم ایک ہے۔اور کبھی چربی کی چراغ وغیرہ کے لئے بھی ضرورت ہوتی ہے۔(مرقات)

19 قولہ: فلا یرکب دابۃ الخ (وہ مسلمانوں کے مال غنیمت کے کسی بھی جانور پر سواری نہ کرے) یہ ایسی صورت میں ہے جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو لیکن جب اس کی ضرورت ہو جیسا کہ اگر اس کا گھوڑا جنگ میں ہلاک ہو جائے تو وہ دشمن کا جانور لے اور اس پر سوار ہو کر جنگ کرے اسی طرح کپڑے میں کہ اس کو سردی ہو رہی ہو تو اس کے لئے اس کو پہننا جائز ہے۔اور جب ضرورت ختم ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔(بذل المجہود)

اموال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ تقسیم ہوجائیں۔20 (ترمذی)

32/5338۔ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حصوں کو بیچے جانے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ تقسیم ہوجائیں۔(دارمی)

33/5339۔ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ہم لوگ حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کئے جس وقت آپ ﷺ نے خیبر کو فتح کیا تھا۔اور آپ ﷺ نے اس میں سے حصہ دیا یا انہوں نے یہ کہا کہ آپ ﷺ نے ہم کو اس میں سے عطا فرمایا۔اور فتح خیبر میں آپ ﷺ کے ساتھ جو شریک تھے ان کے سوا کسی کو بھی جو شریک نہیں تھا، اس میں سے کچھ بھی تقسیم نہیں فرمایا سوائے ہم سفینہ والے، جعفر اور ان کے ساتھیوں کے کہ ان کو بھی ان کے ساتھ عطا فرمایا۔(ابوداؤد)

اور قاضی نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اس لئے حصہ عطا فرمایا 21 وہ لوگ غنیمت جمع

---

20 قولہ: نهٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن شراء المغانم حتی تقسم الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ تقسیم ہوجائیں) صاحب ہدایہ اور صاحب بنایہ نے کہا: دارالحرب میں تقسیم سے پہلے مال غنیمت کو بیچنا جائز نہیں کیونکہ تقسیم سے پہلے ملکیت حاصل نہیں ہوتی اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے، ان کے پاس اس کا بیچنا جائز ہے۔کیونکہ ان کے پاس ملکیت کا سبب غلبہ حاصل کرلینا ہے اور ہم قاعدہ بیان کرچکے ہیں کہ غانمین کی ملکیت اس کو دارالاسلام میں محفوظ کرنے سے پہلے ثابت نہیں ہوتی اور ان کے پاس ثابت ہوجاتی ہے۔

21 قولہ: انما اسهم لهم الخ (آپ ﷺ نے ان کو حصہ عطا فرمایا) صاحب رحمۃ الامۃ نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ جب مال غنیمت تقسیم کردیں اور اس کو لے لیں پھر کوئی امدادی دستہ ان سے آکر مل گیا تو اس دستہ کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر وہ امدادی دستہ جنگ ختم ہونے کے بعد اور دارالاسلام میں مال غنیمت لے جانے سے پہلے یا پھر سب لوگ اس کو لے لینے کے بعد تقسیم سے پہلے ملے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کو دارالاسلام میں منتقل کرنے یا اس کو تقسیم کرنے سے پہلے وہ آئے ہیں تو ان کو حصہ دیا جاسکتا ہے۔(انتھی)

امام مالک اور امام احمد نے کہا ہے ان کو کسی حالت میں بھی حصہ نہیں دیا جائے گا۔اور امام شافعی سے دو قول مروی ہیں: ایک میں ہے کہ حصہ دیا جائے گا اور دوسرے میں ہے کہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

اور ابن ہمام نے کہا ہے کہ اگر یہ امدادی فوج دارالحرب میں اس وقت پہنچے جب کہ ابھی مال غنیمت کو دارالاسلام میں نہیں لائے ہیں، تو امدادی دستہ کو بھی حصہ دیا جاسکتا ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں اور ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ہماری تمہید کے مطابق ہے۔مال غنیمت کو دارالاسلام میں منتقل کرنے سے پہلے غانمین کی......

......اس میں ملکیت قائم نہیں ہوتی پس جب کوئی دلیل قائم ہو جائے تو امدادی دستہ کو ان کے ساتھ حصہ دیا جا سکتا ہے۔ امدادی دستہ کا حق تین امور سے قبل ساقط نہیں ہوتا۔

1۔ دارالاسلام میں مال کو محفوظ کرنا۔ **2**۔ دارالحرب میں مال کی تقسیم ہونا

3۔ امدادی دستہ کے آنے سے پہلے ہی امام کا مال غنیمت کو بیچ دینا۔

یہ ہماری تحقیق کے مطابق حق کے ثابت ہونے اور نہ ہونے پر مبنی ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے بخاری شریف میں وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان کو ایک فوجی دستہ میں امیر بنا کر نجد کی جانب روانہ فرمایا تو ابان اور ان کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر میں اس کے فتح ہونے کے بعد پہنچے''۔ حدیث کے آخر میں ہے کہ ''ان کو مال غنیمت تقسیم نہیں کیا گیا''۔

اس حدیث شریف میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ امدادی دستہ کا دارالاسلام میں پہنچنا (حصہ میں) شرکت کا موجب نہیں ہے اور خیبر، اس کی فتحیابی کے ساتھ ہی دارالاسلام بن گیا تھا۔ پس ان کی آمد اس وقت ہوئی جب کہ مالِ غنیمت دارالاسلام میں تھا۔ اب رہا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کو حصہ دینا جیسا کہ صحیحین میں ان سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کی خبر پہنچی اور اس وقت ہم یمن میں تھے۔ تو ہم یعنی میرے دو بڑے بھائی جن میں میں چھوٹا تھا ایک ابو بردہ، دوسرے ابورُہم میری قوم کے پچاس ہر چند افراد کے قافلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کے ارادہ سے نکلے۔ اور ایک کشتی میں بیٹھ گئے تو وہ کشتی ہم کو نجاشی کے پاس پہنچا دی تو اس کے پاس حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے ساتھی تھے۔ تو حضرت جعفر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں روانہ فرمایا ہے اور ہم کو یہاں قیام کا حکم فرمایا تو تم بھی ہمارے ساتھ قیام کرو۔ تو ہم وہاں ٹھہر گئے پھر (یہاں) پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی جب کہ خیبر فتح ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ہمارے لئے حصہ عطا فرمایا۔ ہماری کشتی والوں کے سوا کسی ایسے کے لئے حصہ نہیں عطا فرمایا جو فتح خیبر سے غائب رہا ہو۔ ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے قلوب کے میلان کے لئے خُمس کے خُمس میں سے عطا فرمایا مال غنیمت میں سے نہیں عطا فرمایا اور یہ بات عمدہ ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ ﷺ نے ان کے کسی بھی دو کو جو خیبر میں شریک نہیں تھے حصہ نہیں عطا فرمایا۔ اور بعض شافعی حضرات نے اس کو اپنے مذہب کے خلاف اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ حضرات مال غنیمت جمع ہونے سے پہلے آئے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس (مذہب شافعی میں) فتح ہو جانے کے بعد مال غنیمت کو جمع کرنے سے پہلے یا بعد آنے میں کوئی فرق نہیں ہے وہ کسی صورت میں بھی حقدار نہیں ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کا سبب جنگ کے لئے اس سرحد سے اگے بڑھ جانا ہے جو دارالاسلام اور دارالحرب میں حدِ فاصل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس جنگ میں شریک رہنا ہے پس ہمارے پاس مال غنیمت کو جمع کرنے والے اور امدادی دستہ دونوں مال غنیمت میں شریک ہیں کیونکہ وہ دونوں اس میں برابر موجود ہیں۔ (ماخوذ از: شروح کنز)

کرنے سے پہلے آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔

34/5340 ۔ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یعنی جنگ بدر کے موقعہ پر اور فرمایا کہ عثمان، اللہ اور اس کے رسول کی حاجت میں گئے ہوئے ہیں اور بیشک میں ان کے لئے بیعت کرتا ہوں۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے حصہ مقرر فرمایا22ے اور ان کے سوا کسی اور کے لئے جو غائب تھا حصہ عطا نہیں فرمایا۔(ابوداؤد)

35/5341 ۔سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رباح کے ساتھ روانہ فرمایا اور میں ان کے ساتھ تھا اور جب ہم صبح کئے تو اچانک عبدالرحمٰن فزاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر حملہ کر دیا تو میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہو گیا اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کیا اور تین مرتبہ آواز دیا ''حملہ ہو گیا''۔پھر اس میں قوم کے پیچھے نکل پڑا ان پر تیر برساتا جاتا اور رجز پڑھتے ہوئے کہتا جاتا تھا۔

22ے قولہ: فضرب له رسول الله صلى الله عليه وسلم بسهم الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے حصہ مقرر فرمایا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں حصہ عطا فرمایا اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ امام ان کو بھی حصہ عطا کرے گا جن کو وہ اپنی کسی ضرورت کی تکمیل کے لئے روانہ کیا ہے۔(ماخوذ از: نیل الاوطار)

اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ اسی طرح ہر وہ شخص کو جس کو امام نے مسلمانوں کی کسی ضرورت میں مشغول کر دیا ہو اور اس کی وجہ سے وہ اہل حرب کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں موجود نہ رہ سکے مثلاً یہ کہ امام ان کو دارالحرب میں کسی دوسری جانب دوسری قوم سے جنگ کے لئے روانہ کرے اور اس شخص کے جانے کے بعد امام کو مال غنیمت مل جائے یا دارالحرب میں امام کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے کسی کو دارالاسلام کو وہاں سے امدادی دستہ یا ہتھیار لانے کے لئے روانہ کرے، اور وہ حاکم کے مالِ غنیمت جمع کرنے تک واپس نہ ہو سکے تو اس میں شریک رہے گا اور یہ آدمی اس آدمی کی طرح ہے جو جنگ میں شریک رہا ہو۔اسی طرح وہ شخص جو جنگ کا ارادہ کیا ہو لیکن امام اس کو مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف کر کے واپس کر دے تو یہ شخص بھی اس آدمی کی طرح ہے جو جنگ میں شریک رہا ہو۔اب رہی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث تو وہ ہمارے پاس، واللہ اعلم، یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف نکلنے کی تیاری سے پہلے نجد کی جانب ابان کو روانہ فرمایا تھا تو ابان اس طرف روانہ ہو گئے تھے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر کی طرف نکلنے کا واقعہ پیش آیا اس لئے ابان جو خیبر میں شریک نہیں رہے تو یہ ان کے خبر میں ارادہ کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی کام میں خیبر کی حاضری سے مشغول کر دیا ہو، ایسا نہیں ہے۔کہ وہ اس میں حاضر ہونے والوں کی طرح سے ہو جائیں۔اس لئے وہ اس میں حاضر ہونے والوں کی طرح نہیں ہیں۔

میں ابن اکوع ہوں اور آج کا دن (ماں کا) دودھ پینے والوں کا ہے۔ پس میں مسلسل ان پر تیر چلاتا رہا اور ان کا راستہ کاٹتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے اونٹوں کو، جن کو اللہ نے پیدا کیا، میں نے ان کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کرلیا پھر میں نے ان لوگوں کا پیچھا کیا، ان پر تیر چلاتے ہوئے یہاں تک کہ وہ تیس سے زائد چادریں اور تیس نیزے، اپنا بوجھ ہلکا کرلیتے ہوئے چھوڑ دئے اور وہ نہیں چھوڑتے کوئی چیز مگر میں اس پر پتھر کے نشان رکھ دیتا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ اس کو پہچان لیں۔ یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو دیکھا اور ابوقتادہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑا سوار تھے عبدالرحمٰن کے پاس پہنچ گئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج ہمارے بہترین گھوڑے سوار ابوقتادہ ہیں اور ہماری پیدل فوج میں بہترین سلمہ ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطا فرمائے گھوڑے سوار کا ایک حصہ اور پیدل فوج کا ایک حصہ 23 پس آپ ان دونوں کو میرے لئے جمع کئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو واپس ہوتے عضباء اونٹنی پر مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا ہے۔ (مسلم)

36/5342۔ اور ابن حبان نے اس کی روایت کی اور کہا ہے کہ سلمہ بن اکوع اس جنگ میں پیدل تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنے خمس میں سے عطاء فرمایا نہ کہ مسلمانوں کے سہمین میں سے۔

37/5343۔ ابوالجویریہ جرمی سے روایت ہے کہ معاویہ کی امارت کے زمانے میں مجھے روم کی سرزمین میں ایک سرخ گھڑا ملا جس میں اشرفیاں تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے قبیلہ بنی سلیم کے ایک صاحب ہمارے امیر تھے۔ ان کو معن بن یزید کہا جاتا ہے میں اس کو

---

23 قولہ :ثم أعطاني رسول الله صلى الله عليه وسلم سهمين؛ سهم الفارس وسهم الراجل الـخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطا فرمائے گھوڑے سوار کا ایک حصہ اور پیدل فوجی کا ایک حصہ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پیدل فوجی کے حصہ کے ساتھ گھوڑے سوار کا بھی حصہ عطا فرمایا کیونکہ اس مال غنیمت کا بڑا حصہ سلمہ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا، اور امام کو اختیار ہے کہ جہاد میں جس کی کوشش زیادہ ہے اس کو اس کے حصہ سے کچھ زائد خمس میں سے دے سکتا ہے اور مسلمانوں کے حصوں میں سے نہیں دے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو سارا مال نہیں دیا وہ اس لئے کہ آپ ﷺ نے جنگ سے پہلے تنفیل کا اعلان نہیں فرمایا تھا اور جنگ کے بعد زائد مال دینے کی جو احادیث ہیں وہ ہمارے پاس خمس میں سے دینے پر محمول ہیں۔ علامہ سرخسی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ماخوذ از: مرقات، فتح القدیر، ردالمحتار)

ان کے پاس لے کر آیا تو انہوں نے اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور مجھے بھی اس کے برابر دیا جو آپ نے ان میں سے کسی آدمی کو دیا تھا۔ پھر انہوں نے کہا اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا نہ ہوتا کہ ''نفل نہیں ہے مگر خمس نکالنے کے بعد'' 24 تو تم کو ضرور دے دیتا۔ (ابوداؤد)

38/5344 ۔ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض فوجی دستوں کو جن کو آپ ﷺ روانہ فرماتے تھے عام لشکر کی تقسیم کے سوا خاص ان کے لئے نفل عطا فرماتے تھے۔ 25 (متفق علیہ)

---

24 قولہ: **لانفل الا بعد الخمس** (نفل نہیں ہے مگر خمس نکالنے کے بعد) الخ اس کلام سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''**لا نفل الا بعد الخمس**'' کو سننے کی وجہ سے ابوالجویریہ کو جو دینار ملے تھے اس میں سے خود ابوالجویریہ کو بطور نفل کچھ نہیں دیا کیونکہ یہ نفل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل چار اخماس میں سے دیا جاتا ہے جو غانمین کا حق ہے جیسا کہ سابق حدیث سے معلوم ہوا اور یہ بھی ہوسکتا ہے شاید وہ دینار جن کو وہ پائے تھے فئی کے شمار میں ہوں اسی لئے اس میں سے نفل نہیں دیا گیا۔ (مرقات)

اور بدایۃ المجتہد میں ہے کہ امام کا اموال غنیمت میں سے جس کو چاہے نفل دینا، اس سے میری مراد یہ ہے کہ اس کے حصہ سے زائد دینا تو اس مسئلہ میں اس کے جائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ یہ نفل کس حصہ میں سے دیا جائے گا اس میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ نفل اس خمس میں سے دیا جائے گا جو مسلمانوں کے بیت المال کے لئے واجب ہے یہی قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ نفل خمس کا خمس یعنی خمس جو امام کا حصہ ہے، اس کا صرف پانچویں حصہ سے دیا جائے گا اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مختار قول ہے اور ایک جماعت نے کہا کہ نفل جملہ مال غنیمت میں سے دیا جائے گا اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور فتح القدیر میں ہے تنفیل کا محل ہمارے پاس چار پانچویں حصہ میں سے ہے اس کو دارالاسلام میں جمع کرنے سے پہلے تک اور دارالاسلام میں اس کو جمع کرنے کے بعد سوائے خمس میں کے کسی میں بھی درست نہیں۔ اسی بناء پر اگر جنگ دارالاسلام میں ہوئی ہو، اس طرح کہ دشمن نے حملہ کر دیا تو حاکم کو ایسی صورت میں خمس کے سوا کسی میں سے بھی نفل دینا جائز نہیں کیونکہ یہاں مال کا حاصل ہو جانا ہی دارالاسلام میں محفوظ کردہ مال کی طرح ہے۔

25 قولہ: **کان ینفل بعض من یبعث من السرایا** الخ (بعض فوجی دستوں کو جن کو آپ ﷺ روانہ فرماتے تھے عام لشکر کی تقسیم کے سوا خاص ان کے لئے نفل عطا فرماتے تھے) صاحب سیر کبیر نے کہا ہے کہ اس تنفیل کی صورت یہ ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ ''**من قتل قتیلا فله سلبه ومن اسر اسیرا فهوله**'' (جو آدمی کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سلب اسی کو ملے گا اور جو کسی کو گرفتار کرے گا تو وہ اسی کا ہوگا) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ندا......

39/5345 ۔حبیب بن مسلمہ فہری سے روایت ہے انہوں نے کہا میں حاضر رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ ﷺ نے شروع میں ایک چوتھائی اور واپسی کے موقعہ پر ایک تہائی بطور نفل عطا فرمایا۔26 (ابوداؤد)

40/5346 ۔انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس ہتے تو خمس

......کرنے والے کو جنگ بدر اور جنگ حنین کے موقعہ پر حکم فرمایا تھا جب اس نے اعلان کیا تھا۔یا کسی سریہ کو روانہ کرتے تو فرماتے کہ جو کچھ تم حاصل کروگے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد ثلث یعنی ایک تہائی تم کو ملے گا۔یا اس بات کو آپ مطلق ارشاد فرماتے تو ایسی صورت میں جو کچھ بھی ملتا تھا خمس نکالنے سے پہلے ہی خاص ان ہی کو اس میں ثلث عطا فرماتے تھے اور مابقی مال میں بھی فوج کے دیگر افراد کے ساتھ خمس نکالنے کے بعد وہ بھی شریک رہتے۔اور جب اس زیادتی کے ساتھ مقید اعلان ہوتا یا جو کچھ بھی وہ مال غنیمت جمع کرتے اس میں سے خمس نکالا جاتا اور مابقی مال میں سے خاص ان کے لئے ثلث دیا جاتا پھر وہ دیگر فوجی افراد کے ساتھ مابقی مال میں برابر کے شریک رہتے ہیں اور اس مسئلہ میں ایک دوسری جگہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر حاکم دارالاسلام سے کسی دستہ کو روانہ کرے اور ان کو خمس کے بعد یا خمس سے پہلے ثلث (تہائی) مال کی تنفیل کرے تو یہ تنفیل باطل ہے کیونکہ تنفیل میں کسی کو خاص نہیں کیا گیا ہے اور اس تنفیل سے خمس کو باطل کرنے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔اسی طرح پیادہ فوجی پر سوار فوجی کی تنفیل کو بھی باطل کرنا ہے اور یہ بات جائز نہیں ہے۔برخلاف اس کے دارالحرب میں مدبھیڑ ہوجائے تو یہاں تنفیل میں ان کے لئے خصوصیت پائی جاتی ہے کیونکہ فوج مال غنیمت میں برابر کی شریک ہے تو تنفیل کا اعلان کرنے میں بعض مال کی انکے ساتھ تخصیص پائی جاتی ہے اور یہ بات درست ہے اور صاحب ردالمحتار نے کہا ہے کہ یہ بات تو ہے اگر چیکہ اس میں اسلاب میں سے خمس کا ابطال ہے لیکن اس سے مقصود ابھارنا ہے اور ان لڑنے والوں کو خاص کرنا ہے۔پھر ان اسلاب سے خمس کا ابطال تبعا ثابت ہوتا ہے اور کبھی تبعا وہ باتیں ثابت ہوتی ہیں جو بالارادہ ثابت نہیں ہوتیں۔

26 **قولہ :نفل الربع فی البدأة والثلث فی الرجعة الخ** (شروع میں ایک چوتھائی اور واپسی کے موقعہ پر ایک تہائی بطور نفل عطا فرمایا) فوج کی ایک ٹکڑی پوری فوج کے پہنچنے سے پہلے دشمن کی ایک ٹکڑی سے مقابلہ کرے تو جو کچھ وہ مال غنیمت جمع کریں گے اس میں سے چوتھائی ان کے لئے ہوگا اور مابقی تین چوتھائیوں میں دیگر فوجیوں کے ساتھ شریک رہیں گے اور اگر وہ جنگ سے واپس ہوگئے تھے پھر دشمن کی ایک ٹکڑی کے ساتھ مدبھیڑ ہوگی تو ایسی صورت میں ان کے لئے مال غنیمت میں سے ایک تہائی ملے گا کیونکہ ان کی مشقت اور ان کے خطرات زیادہ ہیں اور مابقی دو تہائی میں وہ مابقی فوج کے ساتھ شریک رہیں گے۔کیونکہ فوجی دستہ اور پوری فوج شروع میں ایک ہی سمت چل رہے ہیں اور اس کو ان کی مدد بھی پہنچے گی۔واپسی کی صورت اس کے برخلاف ہے۔(مرقات)

نکالنے کے بعد چوتھائی نفل عطا فرماتے۔ 27(ابوداؤد)

41/5347۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں اپنی تلوار ذوالفقار بطور نفل لے لی ہے۔ (ابن ماجہ)

امام ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے یہی وہ (تلوار) ہے جس کے بارے میں جنگ احد کے موقعہ پر آپ ﷺ نے خواب دیکھا۔ اور علامہ عینی نے کہا پس امام اپنی ذات کے لئے مال غنیمت میں سے کوئی چیز نہیں رکھ لے سکتا اور اس پر اتفاق ہے۔

42/5348۔ جبیر بن معطم سے روایت ہے میں اور عثمان بن عفانؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) نے بنی مطلب کو خیبر کے خمس میں سے عطا فرمایا اور ہم کو چھوڑ دیا حالانکہ آپ کی نسبت میں ہم ایک درجہ میں ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا بنی ہاشم اور بنی مطلب ایک ہی ہیں۔ جبیر نے کہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لئے تقسیم نہیں فرمایا 28(بخاری)

---

27 قولہ: کان ینفل الربع بعد الخمس الخ (خمس نکالنے کے بعد چوتھائی نفل عطا فرماتے) امام یعنی حاکم کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ جنگ میں ہر شریک ہونے والے کو اس کے حصہ سے زیادہ دے کر اس کو تیار رکھے۔ اس طرح سے کہ اعلان کرے جو کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سلب اس کو ملے گا یا فوجی دستہ سے کہے کہ میں تمہارے لئے خمس نکالنے کے بعد چوتھائی یا نصف یا تہائی مقرر کر دیا ہوں کیونکہ اس میں جنگ کے لئے ابھارنا ہے اور یہ مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اے نبی آپ مومنین کو جنگ کے لئے ابھارئے'' اور آپ ﷺ کا ارشاد بعد الخمس (یہ خمس نکالنے کے بعد ہے) تو یہ بظاہر شرط کے طور پر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ پورے مال کا چوتھائی نفل میں دیدے تو بھی جائز ہے۔ اور یہ قید اتفاقی ہے کیا تم نہیں جانتے کہ اس کے لئے سارا مال بطور نفل دینا جائز ہے تو یہ صورت بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ (ماخوذ از شروح کنز)

28 قولہ: ولم یقسم النبی ﷺ لبنی عبد شمس و بنی نوفل شیئا الخ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لئے تقسیم نہیں فرمایا) اصحاب مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ کفار سے جو کچھ غلبہ کے ذریعہ لیا جائے گا اس میں پانچ حصے کئے جائیں گے ان میں سے چار غنیمت جمع کرنے والے مجاہدین کے لئے ہوں گے۔ لیکن پانچویں باقی حصہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ پانچواں حصہ چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک حصہ اللہ کے لئے ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ آیت کریمہ کے ظاہر پر عمل کرنے کا قاعدہ بھی اسی طرح ہے اور اللہ کے حصہ کو کعبہ پر خرچ کیا جائے گا۔ یہ ابوالعالیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا اور نیز کہا گیا ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ذکر برائے تبرک ہے اور اس کا معطوفات کے طریقے کے خلاف پہلے آنا خود......

......اس پر دلالت کرتا ہے گویا یوں ارشاد ہوا کہ **فان للہ خمسہ یصرف الی ہؤلاء الا خصین بہ** (پس اللہ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے اس کو اس کے ان مختص لوگوں پر خرچ کیا جائے گا)۔پس خُمس (پانچواں حصہ) کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عمل فرمایا ہے۔لیکن آپ ﷺ کی وفات شریف کے بعد اس کے بارے میں ان میں اختلاف ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو حاکم پر خرچ کیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسری چار قسموں پر خرچ کیا جائے گا۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس حضور علیہ والہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ ﷺ کے اہلِ قرابت کا حصہ ساقط ہو گیا اور پورا مال ماقی تین قسموں پر خرچ کیا جائے گا۔

(1) ایک حصہ یتیموں کے لئے (2) اور ایک حصہ مسکینوں کے لئے (3) اور ایک حصہ مسافرین کے لئے اور اس میں اہلِ قرابت کے ضرورت مند شامل ہو جائیں گے۔اور ان کو مقدم رکھا جائے گا اور ان کے مالداروں کو نہیں دیا جائے گا۔اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ان کے لئے خمس کا پانچواں حصہ ملے گا۔اس میں ان کے مالدار اور تنگ دست دونوں برابر ہیں۔اور اس کو ان کے درمیان ''فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ''(سورۃ النساء، آیت نمبر:176) کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔اور یہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے لئے ہوگا دوسروں کے لئے نہیں دیا جائے گا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس سے متعلق ارشاد ''وَلِذِي الْقُرْبٰى ''(8، سورۃ الانفال، آیت نمبر:41) میں مالدار اور تنگدست کا کوئی فرق نہیں۔لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے، جیسا کہ ہم نے کہا ہے، اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔اور ان کا نمونہ ہمارے لئے کافی ہے پھر یہ کہ تمام صحابہ میں سے کسی نے بھی اس کو جاننے کے باوجود اس کا انکار نہیں کیا پس یہ ان کا اس پر اجماع ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنی ہاشم کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لوگوں کے غسالہ (دھون) اور ان کے میل کو مکروہ قرار دیا ہے (ناپسند کیا ہے) اور اس کے بدلے خُمس کا پانچواں حصہ عطا فرمایا ہے اور عوض ان کے حق میں ہوتا ہے جن کے حق میں معوض ثابت ہوتا ہے اور وہ فقراء ہوتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو نصرت کی بناء پر عطا فرمایا ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ وہ جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہیں اور یہ آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کے درمیان جال ڈال کر بتلایا۔اس میں دلالت ہے کہ اس نص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے یہاں مراد نصرت کا رشتہ ہے۔قرابت کا رشتہ نہیں ہے کیوں کہ ذی القربی کا لفظ مشترک ہے صلبی رشتہ اور مودت کے رشتہ کے درمیان اور یہاں یہی آخری رشتہ مراد ہے۔اس کی خصوصی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم، ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبدمناف ہیں اور عبدمناف کے چار بیٹے ہیں۔(1) ہاشم (2) مطلب (3) عبدشمس (4) نوفل اور حضرت عثمان بن عفان، عبدشمس کی اولاد سے ہیں اور جبیر بن مطعم، نوفل کی اولاد سے ہیں۔پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اموال خیبر کو تقسیم فرمایا تو خمس کا پانچواں حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عطا فرمایا اور حضرت عثمان اور حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کو بالکل نہیں دیا تو ان دونوں نے کہا ہم بنی ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان میں پیدا فرمایا یعنی یہ کہ آپ ﷺ ان میں سے ہیں۔اور وہ آپ ﷺ کے بھائی ہیں۔لیکن......

43/5349۔امام شافعی رحمہ اللہ کی انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہلِ قرابت کے حصے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے درمیان تقسیم فرمائے تو میں اور عثمان بن عفان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کئے : یارسول اللہ ﷺ یہ ہمارے بھائی جو بنی ہاشم سے ہیں ہم ان کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے کیونکہ اللہ نے آپ کو انہیں میں سے رکھا ہے آپ (ﷺ) کیا فرماتے ہیں ہمارے بھائی جو بنی مطلب سے ہیں آپ نے ان کو عطا فرمایا اور ہم کو چھوڑ دیا (حالانکہ) ہمارا اور ان کا رشتہ ایک ہی ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لیکن بنی ہاشم اور بنی مطلب تو وہ اس طرح سے ایک ہی ہیں اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کے درمیان جال ڈالا۔

44/5350۔اور ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں اسی طرح سے ہے۔اور اس میں یہ ہے کہ

......ہم اور بنی مطلب تو برابر ہیں۔پس کیا بات ہوئی کہ آپ ﷺ نے ان کو تو عطا فرمایا اور ہم آپ ﷺ کی عطا سے محروم ہوگئے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں نے جاہلیت کے دور میں بھی مجھے نہیں چھوڑا تھا اور اسلام میں بھی مجھے نہیں چھوڑا اور آپ نے اپنی مبارک انگلیوں کے درمیان جال بنایا۔پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرابت مودت ہے اس لئے کہ اگر صلبی قرابت ہوتی تو حضرت عثمان اور حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی عطا فرماتے جیسا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو عطا فرمائے ہیں۔پس جب اس سے مراد قرابت مودت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات شریف کی وجہ سے وہ ان سے ختم ہوگئی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی مصاحبت کو اس کی وجہ فرمایا ہے اور وہ باقی نہیں رہی پس آپ کی وفات شریف کے بعد وہ جب کہ مالدار ہوں اس کے مستحق نہیں ہوں گے۔اور وہ جو مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس کو پانچ حصوں پر تقسیم فرمایا اور ذوالقربی کو ایک حصہ دیا تو یہ ٹھیک ہے لیکن گفتگو تو اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے خاص طور پر ان کو جو عطا فرمایا تو وہ ان کی تنگدستی اور ضرورت کی وجہ سے ہے یا ان کے قرابت کی بناء پر ہے؟ اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقسیم سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ان کی ضرورت اور ان کی تنگی کی وجہ سے عطا فرمایا انکے رشتہ کی بناء پر نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اموال غنیمت کے بارے میں شدت اختیار فرماتے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کا ایک بال (اون) لے کر فرمایا تمہارے اموال غنیمت میں سے سوائے خمس کے کوئی چیز بھی حلال نہیں اور وہ بھی تم پر ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔دھاگہ اور سوئی کو بھی واپس کردو کیوں کہ خیانت خائن کے لئے قیامت کے دن عیب اور شرم ہے۔حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خمس میں سے کوئی چیز اہلِ قرابت کے لئے خاص نہیں کہ بلکہ آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد **الخمس مردود فیکم** (اور خمس تم میں ہی خرچ کیا جائے گا) کے ذریعہ اس کو تمام مسلمانوں کے لئے عام کردیا۔پس اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی (اہل قرابت کی) راہ فقراء مسلمین کی راہ کی طرح ہے ان میں سے جو ضرورت مند ہوگا اس کو حسب کفایت دیا جائے گا۔

(ماخوذ از: تفسیرات احمدیہ، ہدایہ، بذل المجہود)

میں اور بنی مطلب، ہم جاہلیت کے دور میں بھی الگ نہیں تھے اور اسلام کے دور میں بھی الگ نہیں ہیں اور اس کے سوا نہیں کہ ہم اور وہ ایک ہیں اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کے درمیان جال ڈالا۔

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد ''ولذی القربیٰ'' (اور قرابت دار کے لئے) سے مراد نصرت کی قرابت ہے رشتہ کی قرابت مراد نہیں اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصرت کی بناء پر عطا فرمایا ہے رشتہ داری کی بناء پر نہیں اور نصرت ختم ہوچکی ہے لہٰذا اعطاء کرنا بھی ختم ہوگیا۔ کیونکہ علّت ختم ہوجائے تو حکم بھی ختم ہوجاتا ہے۔

45/5351۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خمس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔

(1) اللہ اور رسول ﷺ کے لئے ایک حصہ، (2) قرابت داروں کے لئے ایک حصہ، (3) یتیموں کے لئے ایک حصہ، (4) مساکین کے لئے ایک حصہ اور (5) مسافروں کے لئے ایک حصہ پھر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔

(1) یتیموں کے لئے ایک حصہ (2) مساکین کے لئے ایک حصہ
اور (3) مسافروں کے لئے ایک حصہ

46/5352۔ امام طحاوی کی ایک روایت میں ہے محمد بن اسحٰق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے ابوجعفر سے یعنی محمد بن علی سے دریافت کیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ جس وقت عراق کے والی ہوئے اور لوگوں کے معاملات کے ذمہ دار ہوئے تو ذوی القربیٰ کے حصہ میں کیا عمل کیا۔ تو انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ اس معاملہ میں ابوبکر اور عمر کے طریقہ پر چلے ہیں۔

47/5353۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے قریب تشریف لائے اور اس کی کوہان سے ایک بال لے کر فرمایا: اے لوگو! اس مال فئی میں سے میرے لئے کوئی چیز نہیں ہے اور نہ یہ ہے اور اپنی انگشت مبارک کو بلند کیا سوائے خمس کے اور خمس بھی تم پر ہی خرچ کیا جاتا ہے پس تم دھاگہ اور سوئی بھی ہو تو ادا کردو۔ پس ایک صاحب اٹھے۔ ان کے ہاتھ میں بالوں کا ایک گچھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اس کو اس

لئے لیا تھا کہ اس سے نمدہ کو ٹھیک کروں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن جو حصہ میرا اور بنی عبدالمطلب کا ہے تو وہ تیرے لئے ہے۔ انہوں نے کہا جب اس کا معاملہ اس درجہ میں پہنچ گیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اس کو چھوڑ دیا۔ (ابوداود)

48/5354۔ ان ہی کی ایک روایت میں جو عمرو بن عبسہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے ایک اونٹ کی طرف نماز پڑھائے جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو اونٹ کے پہلو میں سے ایک بال نکال کر فرمایا تمہارے اموال غنیمت میں سے اس کے مثل بھی سوائے خمس کے میرے لئے حلال نہیں اور خمس بھی تمہارے طرف ہی واپس کیا جائے گا ورشیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرابت داروں کے لئے کچھ بھی مختص نہیں کیا اور اپنے اس ارشاد ''**والخمس مردود فیکم**'' کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو شامل فرمایا۔ پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کا طریقہ بھی دوسرے حاجت مند مسلمانوں کی طرح ہے ان میں جو بھی ضرورت مند ہیں ان کو بطور کفایت عطاء کیا جائے گا۔

49/5355۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو عطا فرمایا۔ میں بیٹھا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا29 جو مجھے ان سب میں بہت پسند تھا میں اٹھا اور عرض کیا کہ فلاں کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے ان کو نہیں عطا فرمایا۔ خدا کی قسم میں ان کو مومن سمجھتا ہوں 30 تو رسول اللہ صلی اللہ

---

29 **قوله: فترک رسول الله صلی الله علیه وسلم منهم رجلا هو اعجبهم الیَّ الخ** (تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا جو مجھے ان سب میں بہت پسند تھا) علامہ عینی نے کہا ہے کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام اموال کو مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کرے گا پہلے اس میں جو اہم ہے پھر وہ جو اہم ہے، صاحب عمدۃ القاری نے کہا ہے کہ اسی لئے صاحب درمختار نے کہا ہے کہ جو خمس باقی رہے گا اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا یتیم کے لئے، مسکین کے لئے، مسافر کے لئے، اور اس میں سے کسی ایک ہی قسم پر خرچ کرنا بھی جائز ہے۔

30 **قوله :لأراهُ مومنا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اومسلما الخ** (میں ان کو مومن سمجھتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان) اہل علم کا اس بابت اختلاف ہے کہ اسلام اور ایمان باہم مغایر ہیں یا دونوں متحد ہیں۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ پہلی صورت باعتبار لغت کے ہے اور دوسری صورت کا مدار شریعت پر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ باعتبار مفہوم مختلف ہیں اور مصداق دونوں کا ایک ہے۔

علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان! سعد نے تین مرتبہ اس کا ذکر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح جواب دیا پھر فرمایا میں ایک شخص کو دیتا ہوں جب کہ اس کے سوا دوسرا مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اس اندیشہ کی وجہ سے کہ وہ اپنے چہرہ کے بل دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔(متفق علیہ)

اور ملا علی قاری نے کہا ہے کہ اسلام اور ایمان باعتبار لغت دو الگ الگ ہیں اور بہ اعتبار شریعت دونوں ایک ہیں۔

50/5356۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی بستی میں تم جاؤ اور اس میں قیام کرو اس میں تمہارا حصہ ہے۔ 31 اور جو بستی بھی اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرے تو اس کا خمس اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے پھر تو وہ تمہارے لئے ہے۔(مسلم)

51/5357۔ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دشمن جس چیز پر قبضہ کرلے اور مسلمان ان سے اس کو چھڑالیں اور اگر اس کا مالک تقسیم سے پہلے اس کو پالے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر تقسیم کے بعد وہ اس کو پانا چاہتا ہے تو قیمت

---

31 قولہ: فسھمکم فیھا الخ (اس میں تمہارا حصہ ہے) اس میں یہ بات ہے کہ مال فئی میں ہمارے پاس خمس نہیں ہے لیکن امام شافعی رحمۂ اللہ نے کہا ہے کہ مال غنیمت کی طرح اس میں بھی خمس ہے اور یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

صاحب مرقات نے کہا ہے کہ کتاب ردالمحتار اور کتاب رحمۃ الامۃ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

امام نووی کی شرح مسلم میں ہے قاضی نے کہا ہے کہ پہلی (بستی) سے مراد وہ مال فئی ہے جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور سواریاں نہیں دوڑائے بلکہ وہاں کے باشندے اس کو خالی کردئے یا اس پر صلح کرلئے تو اس میں ان مسلمانوں کا حصہ رہے گا یعنی اس میں مال فئی کے مصرف کی طرح عطایا دے جائیں گے۔ اور دوسری (بستی) سے مراد وہ ہے جس کو غلبہ کے ذریعہ حاصلے کیا گیا ہے تو وہ مال غنیمت ہوگا اس میں سے خمس نکالا جائے گا اور مابقی غنیمت جمع کرنے والے (مجاہدین) کے لئے ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ثم ھی لکم کا مطلب یہی ہے یعنی مابقی تم کو ملے گا اور جنہوں نے مال فئی میں خمس کو واجب نہیں کیا ہے وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فئی میں خمس کو واجب کیا ہے جیسا کہ تمام ائمہ نے مال غنیمت میں خمس کو واجب کیا ہے اور سوائے ان کے (امام شافعی رحمہ اللہ کے) تمام علماء نے کہا ہے کہ فئی میں خمس نہیں ہوتا اور ابن منذر نے کہا کہ وہ نہیں جانتے کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے کسی امام نے فئی میں خمس قرار دیا ہو۔

دے کر لے۔32(سنن دار قطنی ،سنن بیہقی)

32قولہ :قال فیما احرزه العدو فاستنقذه المسلمون منهم الخ (آپ ﷺ نے فرمایا کہ دشمن جس چیز پر قبضہ کرلے اور مسلمان ان سے اس کو چھڑالیں)تم اس بات کو جانو کہ کفار جب مسلمانو کے مال پر قبضہ کرلیں ،اللہ کی پناہ اوراس کو اپنے ملک میں منتقل کرلیں تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تو کفارہ اس کے مالک نہیں ہونگے اور مسلمان ان کے ہاتھوں سے جب ان کو چھڑالینگے تو وہ اس کے مالک کو لوٹا دئے جائیں گے۔تقسیم کے پہلے اور تقسیم کے بعد ہر حالت میں اس کو لینے کا حق رہے گا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفار جب مسلمانوں کے مال پر غلبہ کرکے مالک ہوجائیں اوراس پر قبضہ کرلیں تو مسلمانوں کی ملکیت اس سے ختم ہوجاتی ہے اوراس کے لئے اللہ تعالی کا ارشاد شاہد ہے جوسورۂ حشر میں فئی کے مصارف ذکر کرنے کے بعد ہے:’’ لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاَمۡوَالِهِمۡ ...... الاية ‘‘(59۔سورہ حشر آیت 9)(اوران حاجتمند مہاجرین کا (بالخصوص)حق ہے جو اپنے گھروں اور مال سے نکالے گئے) کہ اس آیت کریمہ میں ان صحابہ کو جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی کفار ان کو نکال دئے تھے اوران کے گھروں اور اموال پر قبضہ کرلئے تھے تو ان کو فقراء کہا گیا باوجود یہ کہ وہ مکہ مکرمہ میں دولت منداور گھروں والے تھے بطور اشارۃ النص اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار جب غالب آجائیں مسلمانوں کے اموال پر اوران پر قبضہ کرلیں تو وہ مسلمان فقراء کہلائیں گے اورصدقات وغیرہ کے مال کے مستحق ہوجائیں گے اوراحادیث شریفہ بھی اس کی گواہی دیتے ہیں جس کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس مال کے بارے میں جس پر دشمن قبضہ کرلیا ہواور مسلمان اس کو ان سے چھڑالئے ہوں اگر اس کا مالک تقسیم سے پہلے اس کو پالے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے اوراس کو پایا جب کہ تقسیم ہوچکی تھی اگر وہ چاہتا ہے تو وہ قیمت دے کر لے۔اورامام طبرانی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ دشمن نے بنی سلیم قبیلہ کے ایک شخص کی اونٹنی کو پکڑلیا پھر اس کو مسلمانوں میں سے ایک صاحب خرید لئے تو اس کا مالک اس کو پہچان لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کو اس کی اطلاع دیا تو آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ جس قیمت میں اس دوسرے آدمی نے اس کو دشمن سے خریدا ہے وہ قیمت اس کو دے کر اس سے اس کو لے لے ورنہ اس کو چھوڑ دے۔

ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں ایسی ایک روایت کی تخریج کی ہے اور امام دارقطنی ابن عدی اوران کے سوا دوسرے حضرات نے مرفوعاً ایک روایت نقل کی ہے:**من وجد ماله فی الفئی قبل ان یقسم فهو له، ومن وجده بعد ما قسم فلیس له شئی**‘‘. اموال فئی میں جس شخص کو اس کا مال دستیاب ہواس کی تقسیم سے پہلے تو وہ اس کا ہے اور جو اس کو تقسیم کے بعد پائے تو اس کو کوئی چیز نہیں۔

پس یہ احادیث شریفہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں جو ہم ذکر کئے تھے۔اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کفار ہمارے اموال پر قبضہ کرلینے سے اس کے مالک ہوجاتے ہیں تو اس کو دوسرے کے ہاتھ بیچنا درست نہ ہوتا اوراس پر ہمارے غلبہ کے بعد تقسیم کا اعتبار بھی نہ کیا جاتا اور یہ نہ کہا جائے گا ان احادیث کی ساری سندیں ضعیف ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ......

اورامام طبرانی نے معجم وسط میں اس جیسی روایت نقل کی ہے۔

52/5358۔اورامام طحاوی قبیصہ بن ذویب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے اس مال سے متعلق جس پر مشرکین قبضہ کرلیں اور پھر مسلمان اس کو حاصل کرلیں اور اس کا مالک اس کو پہچان لے فرمایا، اگر وہ تقسیم سے پہلے اس کو لے لے تو وہ اس کا ہوجائے گا۔اوراگراس میں حصے جاری ہوجائیں تواس کے لئے کوئی چیز نہیں۔

53/5359 ۔ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا سات بکریوں کوخریدلومیرے ذمہ ایک اونٹنی ہےاور وہ دور نکل گئی ہے پس آپ ﷺ نے فرمایا سات بکریاں خریدلو۔

اورانہوں نے (امام طحاوی نے) کہا کیاتم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں سات بکریوں کوایک اونٹنی کے برابرقرار دیا جوایک آدمی کے لئے کافی ہوتی تھی اوراس اونٹنی کودس بکریوں کے برابرقرارنہیں دیا۔اوراہلِ علم نے کہا ہے کہ دس بکریوں کے برابر والی حدیث شریف منسوخ ہے۔

......نے بیان فرمایا ہے جیسا کہ امام زیلعی وغیرہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کونقل کیا ہے اس لئے یہ حجت نہیں ہوسکتی۔مگر ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ کثرتِ طرق سے ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے علاوہ ازیں یہ کہ ان سے کسی حکم کوثابت کرنا نہیں ہے کہ ضعف مضر ہو کیونکہ حکم قرآن کے اشارۃ النص سے ثابت ہے اس سے غرض صرف اس کی تائیداورتقویت ہے ایسی صورت میں ان کی سندوں کا ضعف مضر نہیں ہوتا اوراس بات میں شیخین اوران کے علاوہ دیگر محدثین کی ابواب حج میں تخریج کردہ حدیث کافی ہے جو ہمارے مذکورہ قول کے لئے مفید ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ ﷺ کے صحابہ مکہ سے ہجرت کئے تھے تو عقیل بن ابی طالب جواس وقت کافر تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکانات کو بیچ دئے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے جب کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا:''هل ترک لنا عقيل منزلا''. کیاعقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان کفار پرفوج کشی کریں اور مسلمانوں کے مال ان سے حاصل کرلیں اور تقسیم سے پہلے اس کا مالک آجائے تو وہ اس کوبغیرکسی عوض کے لے لیگا۔اوراگروہ تقسیم کے بعد آئے تواس کو قیمت دے کر لیگا لفظ احراز میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کا مطلق قبضہ کرلینا اس سے ان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی جب تک دارالحرب میں احراز نہ ہویعنی دارالحرب میں اس کومحفوظ نہ کرلیں۔

(ماخوذ از:شرح وقایہ،وعمدۃ الرعایۃ،عمدۃ القاری،شرح معانی الاثار،مرقات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(8/186) بَابُ الْجِزْيَةِ

جزیہ کا بیان

1۔اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:''قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ 1 حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ''۔(9۔سورۃ التوبۃ،آیت نمبر:29)

ترجمہ:جنگ کرو ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر۔اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور نہ دین حق (اسلام) کو قبول کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ ، فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا، وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ''۔(سورۃ الفتح،پ:26،آیت نمبر:16)

ترجمہ:آپ ان دیہاتیوں سے کہہ دیجئے جو پیچھے رہ گئے تھے 2 کہ تم عنقریب ایک سخت جنگجو

---

1 قولہ:اللہ تعالیٰ کا ارشاد:مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ''(9۔سورۃ التوبۃ،آیت نمبر:29)(ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی ہے)اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد''اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ''(9۔سورۃ التوبۃ،آیت نمبر:29)(جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں) کا بیان ہے۔

آیت کے معنی یہ ہیں کہ جزیہ اس شخص پر عائد کیا جائے گا جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سے کسی کتاب کو مانتا ہو۔جیسے یہودی کہ وہ توراۃ کو مانتا ہے اور سامری کہ وہ زبور کو مانتا ہے اور عیسائی کہ وہ انجیل کو مانتا ہے۔(ماخوذ از:تفسیرات احمدیہ و شروح کنز)

2 قولہ:قل للمخلفین الخ (آپ ان دیہاتیوں سے کہہ دیجئے جو پیچھے رہ گئے تھے) تفسیرات احمدیہ میں ہے یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مرتدوں اور عرب کے مشرکوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔مفسرین نے اور صاحب ہدایہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔چنانچہ انہوں نے''باب کیفیۃ القتال''میں فرمایا اور یہ(لڑائی کرنا) ان سے ہے جن سے جزیہ لیا جاتا ہے۔اور لیکن جن سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے جیسے مرتدین اور عرب کے بت پرست،تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔اس لئے کہ ان سے صرف اسلام مطلوب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :''تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ ''(سورۃ الفتح،آیت نمبر:16)(ان سے تم جنگ کرو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے)۔یہ صاحب ہدایہ کے الفاظ ہیں۔

قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے ان سے تم جنگ کرو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔ تو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ اچھا بدلا دے گا۔ اور اگر تم منھ پھیر لو گے جیسے پہلی دفعہ پھیرا تھا، تو وہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

1/5360 ۔ یزید بن رومان اور عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ کندہ کے ایک شخص اکیدر بن عبدالملک کے پاس روانہ فرمایا، جو مقام دومہ کا بادشاہ تھا اور نصرانی تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد سے فرمایا کہ تم اس کو گائے کا شکار کرتا ہوا پاؤ گے۔ پس خالد رضی اللہ تعالی عنہ نکل پڑے یہاں تک کہ جب وہ صاف چاندنی رات میں اس کے قلعہ سے اس قدر فاصلہ پر تھے کہ جہاں سے آنکھ (قلعہ کا) نظارہ کرسکتی ہے تو (دیکھا کہ) وہ چھت پر اپنی بیوی کے ساتھ ہے۔ پس ایک گائے اپنی سینگوں سے محل کے دروازے کو رگڑتی ہوئی آئی، تو اس سے اس کی بیوی نے کہا کیا تم نے کبھی اس جیسے (شکار) کو دیکھا؟ تو اس نے کہا بخدا نہیں، وہ بولی تو اس جیسے (شکار) کو کون چھوڑتا ہے؟ وہ بولا کوئی نہیں۔ پھر وہ اپنے گھوڑے (کو تیار کرنے) کا حکم دیا تو اس پر زین کسی گئی، اور اس کے ساتھ افراد خاندان کی ایک جماعت بھی سوار ہوگئی، جن میں اس کا ایک بھائی تھا، جس کو حسان سے بلایا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ سب اپنی چادروں کو لئے اس کے ہمراہ نکل پڑے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسواروں کا ان سے سامنا ہوا تو انہوں نے اس کو پکڑ لیا۔ اور اس کے بھائی حسان کو مار ڈالا۔ اور اس کے اوپر سونے کا کام کی ہوئی ریشم کی ایک چادر تھی تو خالد بن ولید نے اس کو اس سے نکال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے پہلے ہی آپ ﷺ کے پاس روانہ کردیا پھر خالد اکیدر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو آپ ﷺ نے اس کے خون کو معاف فرمایا اور جزیہ کی شرط پر اس سے صلح فرمائی اور اس کو رہا کردیا تو وہ اپنے گاؤں کو واپس ہوگیا۔ (سنن کبریٰ للبیھقی)

2/5361 ۔ ابوداؤد میں یہ روایت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے اس سے مختصر مروی ہے۔

3/5362 ۔ عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ وہ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لئے یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا۔ (احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

4/5363 ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے آتش پرستوں کا ذکر

کیا اور کہا: میں نہیں جانتا کہ ان کے معاملہ میں کس طرح کروں؟ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم ان سے اہلِ کتاب کے ساتھ سلوک کی طرح سلوک کرو۔3 (مسند شافعی)

یہ حدیث شریف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ اہلِ کتاب سے نہیں ہیں۔اور اس بات کی بھی کہ غیر اہلِ کتاب سے جزیہ نہیں لیا جائے گا،اس لئے کہ یہ لوگ (مجوس) ان (اہلِ کتاب) کے معنی و مفہوم میں ہیں۔

5/5364 ۔حضرت ابن جریج سے روایت ہے کہ میں نے عطاء سے کہا: کیا مجوسی اہلِ کتاب ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں،مزید یہ کہا کہ معمر نے ہم کو بتایا میں نے زہری کو سنا جب کہ ان سے پوچھا گیا کہ جو لوگ اہلِ کتاب سے نہیں ہیں آیا ان سے جزیہ لیا جائے گا؟ انہوں نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بحرین

---

3 **قولہ: سنوا بھم سنۃ اھل الکتاب** (تم ان سے اہل کتاب کے ساتھ سلوک کی طرح سلوک کرو یعنی جزیہ کے معاملہ میں) یہ حدیث شریف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (مجوس) اہل کتاب نہیں ہیں۔اسی پر امام اعظم ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس جزیہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے،اور ان کے پاس مجوس اہل کتاب سے ہیں لہذا یہ (مجوس) جزیہ کے حکم میں داخل ہیں۔نیز امام شافعی سے یہ روایت ہے کہ یہ اہل کتاب تھے پھر وہ بدل ڈالے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس بارے میں اس روایت کو اختیار کئے ہیں جو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے بطریق ضعف مروی ہے۔جس کا مدار ابوسعید بقال پر ہے۔پھر انہوں نے اس حدیث کو ذکر کر کے کہا: لیکن اکثر اہل علم اس کا انکار کرتے ہیں اور اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔اور ان حضرات کی حجت یہ آیات ہیں۔

1۔''اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا '' یعنی الیھود والنصاریٰ. ترجمہ تم کہیں یہ کہو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتابیں نازل ہوئی تھیں (6۔سورۃ الانعام،آیت نمبر: 156) یعنی یہود و نصاریٰ۔

2۔''یٰۤـاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰھِیۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىةُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ'' (3۔سورۃ آل عمران،آیت نمبر:65) یعنی اے اہلِ کتاب ابراہیم کے بارے میں تم کیوں جھگڑتے ہو،حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد نازل ہوئیں۔

3۔''قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ''(5،سورۃ المائدۃ،آیت نمبر:68) یعنی اے اہلِ کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور اس کے سوا جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو قائم نہ کرو۔پس ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب،یہود و نصاری ہیں جو اہل تورات وانجیل ہیں۔(الجوھر النقی،رحمۃ الامۃ،شروح کنز)

سے، عمر رضی اللہ عنہ نے دیہاتیوں سے اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اہلِ بربر سے جزیہ لیا۔(مصنف عبدالرزاق)

6/5365۔امام زہری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے سوا (دیگر) مشرکین سے جزیہ پر مصالحت فرمائی ہے۔4(مصنف عبدالرزاق)

7/5366۔اور امام بیہقی نے اس باب میں سنن کبریٰ سے حضرت بریدہ کی حدیث روایت کی ہے کہ جب تمہارے دشمن مشرکین سے تمہاری مدبھیڑ ہو جائے تو ان کو تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دو (الحدیث) اور اس میں یہ بھی ہے کہ اگر وہ انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دو ابو عمر نے کہا کہ امام زہری کی حدیث نے مشرکین عرب کو اس حکم سے (جزیہ دینے سے) مستثنیٰ کیا ہے۔

8/5367۔شیخ ابن ہمام نے کہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین عرب سے اسلام یا تلوار کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی۔اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے۔"تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ"(تم ان سے جنگ کروگے یا وہ اسلام لائیں گے)۔(سورۃ الفتح،پ:26،آیت نمبر:16)۔

9/5368۔اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی عیادت کے لئے تشریف لے ائے اور ان کے پاس قریش کے چند لوگ موجود تھے اور ان

4قوله: ان النبى ﷺ صالح عبدة الاوثان بالجزية الا من كان من العرب (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے سوا بت پرستوں سے جزیہ کی شرط پر مصالحت فرمائی ہے) ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جزیہ اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں پر مقرر کیا جائے گا۔ بت پرستوں سے مطلقاً نہیں لیا جائے گا۔ائمہ کا مجوسیوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں یا اہل صحائف ہیں۔امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں بلکہ اہل صحائف ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں۔اور ائمہ کا ان لوگوں کے بارے میں اختلاف ہے جن کے پاس نہ کوئی کتاب ہے اور نہ صحیفہ جیسے عرب وعجم کے مشرکین ہیں، کیا ان سے جزیہ لیا جائے گا یا نہیں۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عجم کے مشرکین سے لیا جائے گا عرب کے نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں خاص طور پر مشرکین قریش کے سوا ہر کافر سے خواہ عربی ہو یا عجمی جزیہ لیا جائے گا۔اور امام شافعی رحمہ اللہ اور راجح قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین سے مطلق جزیہ نہیں لیا جائے گا۔امام شافعی کا قول کہ مجوسی اور اہل کتاب نہ ہو ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور امام مالک کا قول کہ مشرکین عرب سے بھی جزیہ قبول کیا جائے گا ان دونوں پر امام زہری وغیرہ کی حدیث حجت ہے۔(ماخوذ از: رحمۃ الامۃ، تفسیرات احمدیہ)

کے سرہانے ایک آدمی کی جگہ تھی۔ ابوجہل نے اس جگہ کو دیکھا تو اٹھا اور وہاں بیٹھ گیا اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے تو ابوطالب نے کہا آپ کی قوم کا کیا معاملہ ہے وہ آپ کی شکایت کرتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان سے ایک کلمہ چاہتا ہوں جس سے سارا عرب ان کا مطیع ہوجائے گا اور اہلِ عجم ان کو جزیہ دیں گے۔ انہوں نے کہا وہ کیا کلمہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا لا الـہ الا اللہ کلمہ کی گواہی۔ پس وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کیا انہوں نے کئی معبودوں کے بجائے ایک خدا بنادیا۔ راوی نے کہا: ''صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ'' کی آیت نازل ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ''اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ'' تک پہنچے۔ بیہقی نے سنن میں اس کی روایت کی ہے اور امام ترمذی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ہمارے علماء کہتے ہیں ک اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ''وتـؤدی الیھم العجم الجزیة'' (ان کو اہل عجم جزیہ دیں گے) ہمارے مذہب کی تائید کرتا ہے۔

10/5369 ۔ ابوعون محمد بن عبید اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے برسر عام جزیہ کے بارے میں (مقدار) مقرر فرمائی۔ 5

---

5 قولہ: وضع عمر بن الخطاب فی الجزیة علی رؤوس الرجال الخ (حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ برسر عام جزیہ کے بارے میں (مقدار) مقرر فرمائے)۔ جب یہاں جزیہ کی مقدار کا بیان ہوا ہے تو تم جان لو کہ اس میں حنفیہ اور شافعیہ کے مابین اختلاف ہے۔ پس حنفیہ کے پاس جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جزیہ ہے جو آپس کی رضامندی اور مصالحت سے مقرر کیا جاتا ہے تو حسب اتفاق اس کی مقدار مقرر کی جائے گی۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے (1200) حلّے پر مصالحت فرمائی اور اس وجہ سے بھی کہ اس کا موجب آپس کی رضامندی ہے اس لئے متفقہ مقدار سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے۔

اور ایک وہ جزیہ ہوتا ہے جب حاکم کفار پر غلبہ پاتا ہے اور ان کو ان کے املاک پر برقرار رکھتا ہے تو اس جزیہ کو مقرر کرنا شروع کرتا ہے۔ پس مالدار پر جس کی تونگری ظاہر ہے ہر سال (48) درہم وہ مقرر کرے گا اور ہر مہینے میں ان سے چار درہم لے گا۔ متوسط حال والے پر (24) درہم ہیں، ہر مہینے میں دو درہم اور تنگدست پر جو خود کے لئے کام کرسکتا ہے (12) درہم ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہر بالغ پر ایک دینار یا وہ جو دینار کے مساوی کپڑے مقرر کرے گا۔ مالدار اور تنگدست دونوں اس میں برابر ہیں۔ کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ سے مالدار اور تنگدست کے درمیان فرق کئے بغیر، ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے مساوی لیا جائے گا اور اس میں مالدار اور تنگدست کے درمیان کوئی فرق نہیں اور ہمارا مذہب حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہم سے منقول ہے۔ اور مہاجرین وانصار میں سے ان پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ لہذا اس پر اجماع ہوگیا۔ اور اس وجہ سے بھی......

مالدار پر اڑتالیس (48) درہم، متوسط پر چوبیس (24) درہم اور تنگدست پر (12) درہم ۔6
(ابن ابی شیبہ اور بیہقی)

اور اس کی اسناد کے طرق متعدد ہیں ۔اور شیخ ابن ہمام نے کہا اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں ''تنگ دست پر جو کمانے والا ہے (12) درہم'' بیہقی نے اس کی تخریج کی ہے اور دینار کی حدیث پر محمول ہے۔

11/5370 ۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

......کہ جزیہ لڑنے والی جماعت کی مدد کے لئے واجب ہوا ہے۔ جان و مال کے ذریعہ ان کی مدد کے بدلے میں جزیہ واجب ہوا ہے۔اور نصرت مال کی فراوانی اور قلت کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے۔اسی طرح کا حکم اس کے بدل (جزیہ) کا ہے۔

اور وہ چیز جس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے وہ اس مال سے متعلق ہے جس پر صلح ہوئی ہے کیونکہ اس میں بالغہ (عورت) پر بھی جزیہ واجب ہونے کی دلیل ہے جب کہ ان پر کوئی جزیہ ہی نہیں ہے۔(ماخوذ از تفسیرات احمدیہ، بذل المجہود، شروح کنز)

6 قولہ :وعلی الفقیر اثنا عشر درھما الخ (اور تنگدست پر بارہ درھم) تنگدست سے مراد وہ شخص ہے جو کمانے اور کام کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔لیکن ہمارے پاس وہ شخص جو کام پر قدرت نہ رکھتا ہو اس پر کوئی جزیہ نہیں ہے کیونکہ ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں ابوبکر عبسی صلہ بن زفر سے روایت نقل کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک عمر رسیدہ ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو آپ نے اس سے فرمایا تجھ کو کیا ہوا تو اس نے کہا میرے پاس کچھ مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے۔تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا ہم تیرے ساتھ انصاف نہیں کئے کہ ہم تیری جوانی کو کھا گئے پھر تجھ سے جزیہ بھی لے رہے ہیں۔ پھر آپ نے اپنے عاملین کو بڑے بوڑھے سے جزیہ نہ لینے کے لے لکھ دیا اس میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ ایسی زمین سے زمین کا خراج نہیں لیا جاتا جس میں اس کی طاقت نہ ہو پس یہی حکم جان کے خراج کا ہے۔(یعنی جس آدمی میں خراج ادا کرنے کی طاقت نہ ہو اس سے نہیں لیا جائے گا) اور اس پر یہ بات بھی شاہد ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ عثمان بن حنیف کو سواد عراق کی طرف روانہ فرمائے تو انہوں نے جزیہ صرف استطاعت والے پر مقرر کیا اور یہ بات ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اس شخص پر جزیہ مقرر کیا ہے جو کسب نہ کرسکتا ہو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسب نہ کر سکنے والے کے ذمہ جزیہ ہے کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث مطلق ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر بالغ مرد اور بالغ عورت سے جزیہ لو'' ہم کہتے ہیں کہ ہر بالغ مرد و عرت پر جزیہ مقرر کرنے کی حدیث سے متعلق گزر چکا کہ وہ صلح پر محمول ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں بالغ عورت کا ذکر ہے۔اس بناء پر جس طرح نابینا اور اس جیسے (معذور) کو اس سے خاص کیا گیا ہے۔کسب نہ کر سکنے والے فقیر کو بھی خاص کیا جائے گا۔(ماخوذ از عمدۃ الرعایہ، مرقات، فتح القدیر)

ایک زمین میں دو قبلے درست نہیں 7 اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔ 8 (احمد، ابوداؤد)

7 قوله: لا تصلح قبلتان في ارض واحدة الخ (ایک زمین میں دو قبلہ درست نہیں ہیں) حاشیہ میں فتح سے منقول ہے ظاہر بات یہ ہے کہ یہ نفی بمعنی نھی ہے اور مومن کو سرزمین کفر میں قیام پذیر ہونے منع کرنا مقصود ہے یا حکام کو اس بات سے منع کرنا ہے کہ وہ ذمیوں کو مسلمانوں کے ملک میں شعائر کفر ظاہر کرنے کی قدرت دیں۔ (بذل المجھود)

صاحب مرقات نے کہا ہے: تورپشتی رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک زمین میں دو دین غلبہ اور برابری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتے۔ البتہ مسلمان کے لئے کافروں کے درمیان سکونت اختیار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ مسلمان اگر ایسا کرے تو گویا اس نے اپنے آپ کو ان کے درمیان اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جو ہمارے درمیان ذمی کا مقام ہے۔

اور اس (مسلمان) کے لئے مناسب نہیں کہ اپنی طرف ذلت کو کھینچ لائے اور ان لوگوں کی علامت اختیار کرے جن پر جزیہ مقرر کیا گیا ہے اور اس کے لئے ذلت وحقارت کیونکر ہوسکتی ہے۔ جب کہ عزت تو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے ہی ہے۔

البتہ جس کا مذہب دین اسلام کے مخالف ہو تو اس کو جزیہ کی ادائی کے ذریعہ سے ہی دارالاسلام میں قیام کی گنجائش دی جاسکتی ہے پھر بھی اس کو اپنے مذہب کی نشر واشاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور کہا گیا کہ اس حدیث شریف میں یہود ونصاری کو جزیرہ عرب سے نکال دینے کی طرف اشارہ ہے۔

ابن الملک رحمہ اللہ نے کہا ہے یعنی مسلمان اور کافر کا جزیرۃ العرب کے کسی ایک شہر میں بود و باش اختیار کرنا درست نہیں ہے۔ اور یہ حکم جزیرہ عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔

8 قوله: وليس على المسلم جزية الخ (اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے) یعنی جس شخص پر جزیہ مقرر ہے اگر وہ ایک سال مکمل ہونے کے بعد اسلام قبول کرے تو اس سے جزیہ ساقط ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے کہ "من اسلم فلا جزية عليه" جو اسلام قبول کرے تو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

اس کے سوا نہیں کہ اسلام کے باعث غلامی ساقط نہیں ہوتی کیونکہ اس (غلامی) سے ایک معین حق متعلق ہے جو اسلام کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا۔ اس (حکم سقوط) کو جزیہ سے مخصوص کیا گیا کیونکہ قرضہ جات، خراج اور اجرت (اسلام کی وجہ سے اور موت کی وجہ سے بالاتفاق ساقط نہیں ہوتے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے جزیہ اسلام اور موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وہ بھی ایک قرض ہے اور موت کے بارے میں یہی بات امام مالک رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے اور یہ اس لئے بھی کہ (جزیہ) حفاظت کے اور دارالاسلام میں رہائش کے بدلے میں واجب ہوا ہے اور کافر کو عصمت وسکونت حاصل ہونے کی وجہ سے وہ چیز مل چکی ہے جس کا عوض جزیہ ہے لہذا اس (کافر) سے کسی عارضی شئے کی وجہ سے عوض ساقط نہیں ہوگا۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث شریف ہے جس کو ہم نے روایت کیا ہے اور اس لئے کہ جزیہ اس کے قتل کے بدلے میں ہے۔ کیونکہ وہ کفر کی سزا کے بطور واجب ہے۔ یا نصرت ومدد کے بدلے کے طور پر۔ اور کفر کی سزا اسلام قبول کرنے کے بعد اور مرنے کے بعد باقی نہیں رہتی اور اس لئے بھی کہ دنیا میں سزا کا مقرر کیا جانا تو صرف دفع شر کے لئے ہوتا ہے اور یہ (شر) موت اور اسلام کے ذریعہ دفع ہوچکا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ ہمارے حق میں نصرت کے بدلے میں واجب ہے۔ اور وہ اسلام لانے کے بعد اس پر (نصرت پر) قادر ہوچکا ہے اور عصمت اس کے آدمی ہونے کی بناء پر ثابت ہوتی ہے۔ اور ذمی اپنے نفس کا مالک ہوکر رہتا ہے اس لئے حفاظت وسکونت کا بدلہ واجب کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ذمی اپنے رہائش کے مقام کو خرید کر یا اس کے سوا دوسرے اسباب کے ذریعہ مالک بن سکتا ہے۔ اس لئے اس کے مملوکہ مقام میں رہائش کا بدلہ واجب کرنا جائز نہیں۔ (ماخوذ از: شروح کنز، بذل المجھود، عنایہ)

ترمذی اور ابوداؤد نے کہا سفیان ثوری سے اس کی تفسیر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا جب وہ مسلمان ہوجائے تو اس پر جزیہ نہیں ہے)

12/5371 ۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص مسلمان ہوجائے اس پر جزیہ نہیں ہے۔(معجم اوسط للطبرانی)

13/5372 ۔زیاد بن جدیر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں 2 نے کہا کہ مجھے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے "عین التمر" کی طرف صدقہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا اور مجھے حکم فرمایا کہ میں مسلمانوں سے ان کے مالوں میں کا چالیسواں حصہ وصول کروں 9 جب کہ وہ تجارت کے لئے ان مالوں کو لاتے لے جاتے ہوں اور اہل ذمہ کے اموال سے بیسواں حصہ اور حربیوں کے اموال سے دسواں حصہ وصول کروں۔

اس کی روایت امام محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں اور محدث عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں کی ہے۔

14/5373 ۔اور امام طبرانی نے اپنی معجم اوسط میں اس کی مرفوعاً روایت کی ہے۔

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے کہا ہے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث "ان أبوا أن لا تأخذوا کرھا فخذوا" (اگر وہ انکار کریں زبردستی لینے کے سوا کسی بھی صورت سے تو تم ان سے لو 10

---

9 قولہ: فامرنی ان اٰخذ من المسلمین الخ (اور مجھے حکم فرمایا کہ میں وصول کروں) تجارتی اموال کے بارے میں یہی بات مذہب میں مقرر ہے کہ حربی کے مال سے دسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں حصہ لیا جائے گا۔ اور مسلمان سے چالیسواں حصہ لیا جائے گا، ان شرائط کے ساتھ جو کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہیں۔ اور یہ تفصیل عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کے مجموعہ میں اپنے عمال کو یہی حکم فرمایا تھا پھر جو زکوٰۃ مسلمان سے لی جائے گی وہ اس کے مصارف میں خرچ کی جائے گی اور جو ذمی سے لی جائے گی وہ زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس کو جزیہ وخراج کے مصرف میں خرچ کیا جائے گا۔ اور حربی سے لے جانی والی چیز کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔ بلکہ ان دونوں سے حفاظت کی غرض سے لیا جاتا ہے جیسا کہ بنایا میں ہے۔(ماخوذ از: مرقات وعمدۃ الرعایۃ)

10 قولہ: ان أبوا أن لا تأخذوا کرھا فخذوا...... الخ (اگر وہ زبردستی لینے کے سوا کسی بھی صورت سے انکار کریں تو ان سے لو) صاحب مرقات نے کہا ہے کہ یہ ابتداء اسلام میں تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوجوں کو غزوہ کے لئے روانہ فرماتے، وہ اپنے راستوں میں عرب کے قبیلوں سے گزرتے وہاں کوئی بازار نہیں ہوتا کہ اس سے غلہ خریدیں اور نہ ان کے پاس کوئی توشہ ہوتا لہذا ان کی ضیافت کو ان پر واجب قرار دیا تاکہ یہ لوگ جنگ سے منقطع نہ ہوجائیں پس جب اسلام قوی ہوگیا اور لوگوں کے ساتھ مہربانی وشفقت کا غلبہ ہوا تو اس کا وجوب منسوخ ہوگیا اور جواز و استحباب باقی رہا۔

یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا اور جن لوگوں کے پاس اترے ہیں ان کے مال میں سے زبردستی مہمانی کی مقدار لینے کا حکم ان عقوبات میں سے تھا جو وجوبِ زکوٰۃ کی وجہ سے منسوخ ہوگئی ہیں۔

(9/187) بَابُ الصُّلحِ
صلح کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: " وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ". ترجمہ: "اور (اے پیغمبر) اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو" (8۔سورۂ انفال، آیت نمبر:61)۔

اور شیخ ابن ہمام نے کہا: آیت اگر چہ کہ مطلق ہے لیکن فقہاء ایک دوسری آیت کی بناء پر اس میں مسلمانوں کے فائدے کے نظر آنے کی صورت کے ساتھ اس کو مقید کرنے پر متفق ہیں۔ وہ (آیت) اللہ تعالیٰ کا (یہ) فرمان ہے: " فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ".

ترجمہ: "پس (اے مسلمانو) تم ہمت نہ ہارو اور (دشمن کو) صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے (47۔سورۂ محمد، آیت نمبر:35) البتہ جب صلح میں کوئی مصلحت نہ ہو تو وہ بالاجماع جائز نہیں ہے۔

1/5374۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم سے روایت ہے، ان دونوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے موقع پر اپنے ایک ہزار سے کچھ زائد صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے تو قربانی کے جانور کو قلادہ ڈالے اور اشعار کئے [1]

اور وہیں سے عمرہ کا احرام باندھے اور چلے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ اس وادی ثنیہ میں پہنچے جہاں سے ان کے پاس پہنچا جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی تو لوگوں نے اس کو (اٹھانے کے لئے) "حل حل" کہا، قصواء اڑ گئی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ قصواء اڑی ہے اور نہ ہی یہ اس کی شان ہے، لیکن ہاتھی کو روکنے والے نے اس کو روک دیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، وہ مجھ سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں وہ اللہ کے حرمات کی تعظیم کرتے ہوں، مگر یہ کہ میں ان کو وہ عطاء کر دوں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] قولہ: واشعر ...... الخ (اور آپ اِشعار کئے' کوہان کو زخمی کر کے خون کا نشان لگائے' اور اسی پر امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس مکروہ ہے اور صاحبین کے پاس مستحسن ہے اور فتویٰ ان دونوں کے قول پر ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا: امام ابوحنیفہؒ نے صرف اس نئے ایجاد کردہ اِشعار کو مکروہ کہا ہے جس کو ان کے زمانے کے عوام الناس اور بدوی بطور مبالغہ کیا کرتے تھے، اور جس سے موت کے واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ آپ نے مطلق اشعار کو مکروہ نہیں کہا۔ اور صاحب "غایۃ البیان" نے اس کو اختیار کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اور "فتح القدیر" میں ہے کہ یہی بات اولیٰ ہے۔ (ملخص از ہدایہ والبحر الرائق)۔

نے اس کو ہانکا تو تیزی سے کھڑی ہوگئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہٹ گئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے کنارے کم پانی والے ایک ایسے چشمہ کے پاس اترے جس کا پانی لوگ تھوڑا تھوڑا لے رہے تھے، پھر لوگ ٹھہرے نہیں یہاں تک کہ اس کو خالی کردیئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشنگی کی شکایت کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ترکش سے ایک تیر نکالے پھر ان کو حکم فرمایا کہ وہ اس کو اس میں ڈال دیں، پس اللہ کی قسم وہ (چشمہ کا پانی) ان کے لئے خوب سیرابی کے ساتھ ابلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اس سے سیراب ہوکر واپس ہوئے، پس وہ اسی حالت پر تھے کہ اتنے میں بدیل بن ورقاء خزاعی قبیلہ خزاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عروہ بن مسعود حاضر ہوئے۔ اور امام بخاری نے طویل حدیث کو بیان کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا: جس وقت سہیل بن عمرو آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لکھو "یہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی" 2

تو سہیل نے کہا: اللہ کی قسم اگر ہم یہ بات جانتے اور یقین کرتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، بلکہ آپ محمد بن عبداللہ تحریر فرمایئے، انہوں نے کہا: (راوی نے کہا) پس نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اگر چہ کہ تم مجھے جھٹلاؤ۔ محمد بن عبداللہ تحریر کرو۔ پس سہیل نے کہا: اور اس شرط پر 3

---

2 قولہ: ھذا ما قاضی علیه محمد رسول الله الخ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول ﷺ نے مصالحت کی) صاحب ہدایہ نے کہا اور جب دار الحرب کے باشندوں کے ساتھ یا ان کے کسی گروہ کیساتھ امام صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

3 قولہ: و علی ان لا یاتیک منا رجل و ان کان علی دینک. "اور اس شرط پر کہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس نہیں آئے گا اگر چہ کہ وہ آپ کے دین پر ہو مگر ضرور آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے"۔ شیخ ابن ہمام نے کہا: اور اگر وہ لوگ صلح میں یہ شرط لگائیں کہ ان میں سے جو شخص مسلمان ہوکر آجائے اس کو ان کے حوالے کردیا جائے تو شرط باطل ہوگی اور اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ پس ہم حنفیہ کے نزدیک ان میں سے جو شخص مسلمان ہوکر ہمارے پاس آجائے اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: مردوں سے متعلق شرط کو پورا کرنا واجب ہے، عورتوں سے متعلق پورا کرنا نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ایسا ہی کیا، البتہ اگر ایسی شرط عورتوں کے بارے میں لگائی جائے تو ان کو واپس بھیج دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں: اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: "فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ". "تو اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں تو ان کو کافروں کے پاس واپس نہ لوٹاؤ"۔ (65۔ سورۂ ممتحنہ، آیت نمبر: 10)۔

اور یہ مردوں کے حق میں بھی نسخ کی دلیل ہے کیونکہ اس سلسلہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ مسلمان مرد کو ان کی طرف واپس بھیجنے کا نقصان بہت زیادہ ہے۔ (مرقات)۔

کہ آپ کے پاس ہم میں سے کوئی مرد نہیں آئے گا 4
اگرچیکہ وہ آپ کے دین پر ہو مگر ضرور آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے۔ پس جب وہ لکھنے کے مسئلہ سے فارغ ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اٹھو، پس قربانی دو پھر حلق کرو 5 پھر چند مومن عورتیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی:

”يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآئَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ “.

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں (65۔سورۂ ممتحنہ، آیت نمبر:10) پس اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان عورتوں کو کفار کی طرف واپس بھیج دینے سے منع

---

4 قولہ: منا رجل ”ہم میں سے کوئی مرد“ اس میں یہ دلیل ہے ہے کہ عورتوں کو واپس کرنے پر صلح واقع نہیں ہوئی، اس لئے کہ اس حدیث میں ”لایاتیک منا رجل“ ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس نہیں آئے گا“ وارد ہوا ہے۔ (مرقاۃ)۔

5 ”قولہ: قوموا فانحروا ثم احلقوا فیہ الخ“ ”اٹھو پس قربانی دو پھر حلق کرو“ اس میں یہ مسئلہ ہے کہ احرام کھولنے کے لئے محصر پر قربانی واجب ہے اور یہ کہ اس کے لئے اپنی قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرنا ہے، کیونکہ ہمارے پاس حدیبیہ کی وہ جگہ جس میں انہوں نے قربانی دی حرم میں داخل ہے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ”فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْىِ ، وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ “. ”پھر اگر تم راستہ میں] روک دیئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کردو اور جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ“۔ (2۔سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:196) ونیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ”هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ “. ”یہ قربانی کعبہ تک پہنچائی جائے“۔ (5۔سورۃ المائدۃ، آیت نمبر:95) یعنی اس کے حرم تک اور اس کی تائید طحاوی کی یہ حدیث کرتی ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ حل میں تھا، اور آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ حرم میں تھی اور نہایہ میں ہے حدیبیہ وہ بستی ہے جہاں حرم کی حد اس سمت ختم ہوتی ہے اور یہ ”حل“ کا حصہ ہے اور اس کا بعض حصہ حرم سے ہے جیسا کہ واقدی نے اس کو ذکر کیا ہے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق ہے اور محبّ طبری نے کہا: حدیبیہ مکہ کے قریب ایک بستی ہے جس کا اکثر حصہ حرم میں داخل ہے اور وہ مکہ سے نو میل کی مسافت پر ہے۔ اور یہ اس بات کے خلاف نہیں ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ حدیبیہ حرم کے باہر ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ، شرح معانی الآثار)۔

فرمایااور یہ حکم دیا کہ وہ مہر (سابقہ شوہروں کو) واپس کردیں 6

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس ہوئے پس قریش کے ایک آدمی ابوبصیر مسلمان ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس وہ کفار ان کی طلب میں دو آدمیوں کو روانہ کیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان دو آدمیوں کے حوالہ کیا چنانچہ وہ دونوں ان کو لے کر نکلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ذوالحلیفہ پہنچے تو وہ اپنے کھجور کھانے کے لئے اترے تو ابوبصیرؓ نے دو آدمیوں میں سے ایک سے کہا: اے فلاں! اللہ کی قسم بے شک میں تمہاری اس تلوار کو بہت عمدہ دیکھ رہا ہوں، ذرا مجھے دکھاؤ کہ میں اس کو دیکھوں، پس اس نے ان کو اس کا موقع دیا تو انہوں نے اس کو ضرب لگایا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا اور دوسرا ان سے بھاگ گیا یہاں تک کہ وہ مدینہ پہنچا اور مسجد میں دوڑتے ہوئے داخل ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اس نے کوئی خوفناک معاملہ دیکھا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: اللہ کی قسم میرا ساتھی قتل کردیا گیا اور ضرور میں بھی قتل کیا جانے والا ہوں۔ پھر ابوبصیر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بہت ہی ہوشیار ہے جنگ کو بھڑکا دے گا، اگر کوئی ان کے لئے ہوجائے پس جب انہوں نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے حوالے کردیں گے تو وہ نکلے یہاں تک کہ ساحل سمندر پر آپہنچے، انہوں (یعنی راوی) نے کہا: اور ابوجندل بن سہیلؓ چھوٹ کر ابوبصیرؓ سے جاملے اب قریش کا جو کوئی آدمی مسلمان ہوکر نکلتا وہ ابوبصیرؓ سے جاملتا۔ یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھا ہوگئی۔ پس اللہ کی قسم یہ (حضرات) شام کی طرف روانہ ہونے والے قریش کے جس کسی قافلہ کے بارے میں سنتے اس کے درپے ہوکر ان کو قتل کرتے اور ان کے

---

6 قولہ: و امرھم ان یرد والصداق ''اوراس نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مہر واپس کردیں'' اوراس عورت کا نکاح فسخ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا مہر کا واپس کرنا واجب تھا یا مستحب۔ اوراس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا آج بھی مال (مہر) کو واپس کرنا واجب العمل ہے، جب کفار کے معاہدہ میں اس کی شرط لگائی جائے۔ چنانچہ ایک جماعت نے کہا واجب نہیں ہے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ آیت منسوخ ہے اور یہ عطا اور مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا وہ منسوخ نہیں ہے، امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول میں ہے کہ وہ اس کو نہیں دیا جائے گا اور یہ ہمارا، امام مالک کا اور امام احمد کا قول ہے اور ایک قول میں ہے کہ وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ (ماخوذ از مرقاۃ وفتح القدیر)۔

اموال لے لیتے۔ پس قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر اپیل کرتے ہوئے روانہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس یہ بات روانہ کریں کہ جو آپ کی خدمت میں آجائے وہ مامون ہوجائے گا، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس یہ بات پہنچادی۔ (بخاری)۔

2/5375۔امام طحاوی رحمہ اللہ نے مسور رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ 7 حل میں تھا اور آپ کا مصلی حرم میں تھا۔

اور تفسیر مدارک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ ''. (65۔سورۂ ممتحنہ ،آیت نمبر:10) ''اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ ان سے طلب کرلو' کے بارے میں ہے کہ وہ منسوخ ہے، پس مہر کا مطالبہ باقی نہ رہا نہ ہم سے اور نہ ان سے اور ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک اس صلح کی بات ہے جو (حدیبیہ کے) کے قصہ میں مشرکین کے ساتھ اس بات پر واقع ہوئی کہ ان کو وہ شخص واپس کردیا جائے گا جو ان کے پاس سے مسلمان ہوکر مسلمانوں کے ملک کو آجائے تو وہ ہمارے پاس منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ حدیث ہے:

''انا برئ من کل مسلم بین مشرکین''

''میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان میں ہے''

---

7 (ا) **قوله : خباء ه فی الحل و مصلاه فی الحرم الخ** ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ حل میں اور آپ کا مصلیٰ حرم میں تھا'' اور امام طحاوی نے فرمایا: پس ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کے باہر روکے نہیں گئے تھے اور آپ حرم کے ایک حصہ میں پہنچ گئے تھے اور کسی بھی عالم کے قول میں اس شخص کے لئے جو حرم کے کسی حصہ میں داخل ہونے کی قدرت رکھتا ہے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے قربانی کے جانور کو حرم کے باہر ذبح کرے۔ پس جب اس حدیث سے جسے ہم نے ذکر کیا یہ ثابت ہوگیا کہ حرم کے ایک حصہ تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہورہی تھی تو آپ کا قربانی کے جانور کو غیر حرم میں ذبح کرنا محال ہے کیونکہ جو لوگ غیر حرم میں قربانی کے جانور کے ذبح کو جائز قرار دیتے ہیں وہ صرف حرم سے روک دیئے جانے کی حالت میں اس کو جائز قرار دیتے ہیں اس میں داخل ہونے کی قدرت کی حالت میں نہیں۔

پس ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے اس بات کی نفی ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کے باہر قربانی کے جانور کو ذبح کیے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔

3/5376 ۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین باتوں پر مصالحت فرمائی 8

(1) آپ کے پاس جو بھی مشرکین کے پاس سے آئے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ان کی طرف لوٹا دیں گے۔

(2) اور جو مسلمان ان کے پاس چلے جائے اس کو وہ واپس نہیں کریں گے۔

(3) اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس (مکہ) میں آئندہ سال داخل ہوں گے اور وہاں تین دن قیام فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہیں ہوں گے مگر ہتھیار کو، تلوار کو اور کمان اور اس جیسی چیزوں کو تھیلے میں چھپائے ہوئے داخل ہوں گے۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجندل اپنی بیڑیوں میں لڑکھڑاتے ہوئے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی طرف واپس کر دیا۔ (بخاری ومسلم)۔

4/5377 ۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصالحت کی، پس انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شرط لگائی کہ تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آجائے ہم اسے تم کو واپس نہیں کریں گے۔ اور ہم میں سے جو تمہارے پاس آجائے تو تم اسے ہم کو واپس کر دیں گے۔ پس صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ لکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ بے شک ہم میں سے جو شخص ان کی طرف چلے جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آجائے تو عنقریب اللہ اس کے لئے کشادگی اور کوئی راہ پیدا کر دے گا۔ (مسلم)۔

---

8 **قولہ: صالح النبی صلی الله علیه وسلم المشرکین یوم الحدیبیة علی ثلاثة اشیاء الخ** ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین چیزوں پر مصالحت فرمائی''۔ شیخ ابن ہمامؒ نے کہا: اگر دشمن مسلمانوں کا محاصرہ کرلیں اور مال پر صلح کرنے کا مطالبہ کریں کہ جس کو مسلمان انہیں ادا کریں تو امام اس طرح کی صلح نہیں کرے گا، کیونکہ اس میں ایک قسم کی ذلت ہے اور مومن کے لئے اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عزت ایمان کی خاصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: '' وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ '' (63۔سورۃ المنافقون، آیت نمبر:8) مگر جب امام اپنے آپ پر اور مسلمانوں پر ہلاکت کا اندیشہ کرے تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

5/5378۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیا، یہاں تک کہ آپؐ نے ان کے ساتھ اس بات پر مصالحت فرمائی کہ آپؐ داخل ہوں گے یعنی آئندہ سال، وہاں تین دن قیام فرمائیں گے۔ پس جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو انہوں نے (اس طرح) تحریر کیا، یہ وہ (صلح) ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے تو انہوں (یعنی کفار) نے کہا: ہم اس کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ اگر ہم یقین کرتے اور جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو روکتے نہیں تھے، لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں رسول اللہ ہوں اور میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (لفظ) رسول اللہ کو میٹ دو، انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم میں کبھی بھی نہیں میٹوں گا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (قلم) لیا اور آپ خوب نہیں لکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا یہ وہ (صلح) ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گے سوائے تلوار کے جو میان میں ہو۔ اور یہ کہ اس شہر مکہ کے باشندوں میں سے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا چاہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لے کر نہیں جائیں گے اور یہ کہ آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو نہیں روکیں گے اگر وہ اس میں رہنا چاہے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں (مکہ میں) داخل ہوئے اور مدت ختم ہوگئی تو وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا آپ اپنے صاحب سے کہیے کہ آپ ہمارے پاس سے چلے جائیں۔ پس مدت مقررہ گزر چکی ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لے گئے۔ (متفق علیہ)۔

6/5379۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے عورتوں کی بیعت کے بارے میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی بنا پر ان کا امتحان لیتے تھے:

" يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآئَکَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَکَ ".

"اے پیغمبر! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں اس غرض سے آئیں کہ وہ تم سے بیعت کریں"۔ (65۔سورۂ ممتحنہ، آیت نمبر:12)۔

پس ان میں سے جو کوئی اس شرط کا اقرار کرتی تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں تم سے بیعت لے لیا، وہ کلام کے ذریعہ ہوتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے، خدا کی قسم آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک بیعت میں کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں ہوا۔(بخاری و مسلم)۔

7/5380 ۔امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے چند عورتوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ان چیزوں میں ہیں جن کی تم استطاعت اور طاقت رکھتی ہوں، میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہم پر ہمارے اپنے جانوں پر مہربان ہونے سے زیادہ مہربان ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ ہم سے بیعت لیجئے، یعنی آپ ہم سے مصافحہ کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری سوعورتوں کے لئے وہی بات ہے جو ایک عورت کے لئے ہے۔(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام مالک نے اس کو موطا میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا: حدیث حسن صحیح ہے)۔

8/5381 ۔مسور رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ اور مروان سے روایت ہے کہ انہوں نے (یعنی کفار نے) دس سال تک جنگ نہ کرنے کی صلح کی [9] جس میں لوگ امن سے رہیں گے اور اس شرط پر کہ یہ ہمارے درمیان بند صندوق کی طرح محفوظ معاہدہ ہے اور یہ کہ تلوار بے نیام کی جائے گی اور نہ زرہ بکتر پہنی جائے گی۔(ابوداؤد)۔

9/5382 ۔امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابواب قصۃ الحدیبیہ میں عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ سے مرسلاً روایت کی ہے اور انہوں نے اس قصہ کا ذکر کیا اور اس کے آخر میں ہے کہ صلح رسول

---

[9] (ا) قولہ: انهم اصطلحوا علی وضع الحرب عشر سنين ''انہوں نے دس سال تک جنگ نہ کرنے پر مصالحت کی''۔شیخ ابن ہمام نے کہا: صلح کی مدت کا جواز مذکورہ مدت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔اور وہ (مذکورہ مدت) دس سال کی ہے، کیونکہ جس چیز کو اس کے جواز کی علت قرار دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کی ضرورت ہے یا ان کی مصلحت کا پایا جانا ہے، کیونکہ بسا اوقات وہ اس سے زیادہ ہوسکتی ہے۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب مصالحت کرنا یا اس میں بیان کردہ مدت مسلمانوں کے حق میں بہتر نہ ہو تو وہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں صورتاً معناً جہاد کو ترک کردینا ہے اور اس کو صرف اس بناء پر جائز رکھا گیا ہے کہ یہ ایک اعتبار سے جہاد ہے اور وہ صرف اسی وقت جائز ہوگی جبکہ وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو ورنہ یہ صورت مامور بہ کو چھوڑ دینے کی ہے۔اب اس سے وہ (اعتراض) دفع ہوجاتا ہے جو بعض علماء سے منقول ہے کہ یہ صلح دس سال سے زیادہ ہو تو منع ہے، اگرچہ کہ امام کی کوئی پشت پناہی نہ ہو اور یہ امام شافعیؒ کا قول ہے اور اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی مدت کو مقرر کرنا امام کی رائے اور مقتضائے حال کے حوالے ہے۔(مرقاۃ)۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان دو سال کے لئے تھی اور صاحب عنایہ نے کہا بیان کردہ مدت جو دس سال ہے ان مقررہ چیزوں میں سے ہے جو زیادتی اور نقصان کے لئے مانع نہیں۔ کیونکہ صلح کی مدت مصلحت کے ساتھ چلتی ہے اور وہ کبھی زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم ہوتی ہے۔

10/5383۔ صفوان بن سلیم، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صاحبزادوں سے اور وہ اپنے آباء سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: خبردار جو کسی معاہد (جس سے معاہدہ کیا گیا ہو) پر ظلم کرے یا اس کی بے عزتی کرے یا اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لے یا بغیر خوشدلی کے اس سے کوئی چیز لے تو میں قیامت کے دن اس کا دعویدار ہوں (ابوداؤد)۔

(10/188) بَابُ اِخْرَاجِ الْيَهُوْدِ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ

یہود کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

'' يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَالْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ، وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ '' حَكِيْمٌ ''۔

'' بلاشبہ مشرک ناپاک ہیں، پس اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس آنے نہ پائیں اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو عنقریب تم کو اپنے فضل سے مالدار کردے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے''۔(9۔سورۂ توبہ، آیت نمبر:28)

1/5384 ۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: مجھ کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میں یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا [1] یہاں تک کہ میں اس میں سوائے مسلمان

---

[1] قوله: لاخرجن اليهود والنصارىٰ من جزيرة العرب الخ ''میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا''۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اتفاق نہیں ہوا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو خیبر سے ملک شام کی طرف نکال دیا۔ شامی نے یعنی مولف کے قول ''ارض العرب'' (کے بارے میں) کہا: مختصر تقویم البلدان میں ہے کہ جزیرہ عرب کی پانچ قسمیں ہیں۔ تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔(۱) جہاں تک تہامہ کی بات ہے تو وہ حجاز کے جنوبی جہت میں ہے۔(۲) نجد تو اس سے مراد وہ حصہ ہے جو حجاز اور عراق کے درمیان میں ہے۔(۳) لیکن حجاز وہ یمن کے مقابل ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو شام تک جاملتا ہے اور اسی میں مدینہ منورہ اور عمان ہے۔ (۴) عروض وہ یمامہ ہے جو بحرین تک چلا گیا۔ حجاز کو حجاز اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نجد اور یمامہ کے درمیان آڑ ہے، کسی شاعر نے اس کے طول و عرض کی حد کو اپنے اس شعر نظم کیا ہے۔

جزيرة هذه الاعراب حدت بحد علمه للحشر باقي

ان عرب باشندوں کے جزیرہ کی حد بندی کی گئی ایسی سرحد سے جس کا نشان تا حشر باقی رہنے والا ہے۔

فاما الطول عند محققيه فمن عدن الى ربو العراق

اب رہا محققین کے نزدیک اس کا طول تو وہ عدن سے لے کر عراق کے ٹیلوں تک ہے۔......

...... و ساحل جدة ان سرت عرضا الی ارض الشام بالاتفاق

اور اگر تم عرض میں چلو تو بالاتفاق جدہ کے ساحل سے سرزمین شام تک ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعی و دیگر علماء رحمۃ اللہ علیہم نے جزیرہ عرب سے کافر کے نکالنے کو واجب قرار دیا اور کہا کہ اس میں ان کو مکان بنانے کی قدرت دینا جائز نہیں ہے۔ صاحب بدائع نے کہا: اب رہا سرزمین عرب تو اس میں نہ تو نصاریٰ کی عبادت گاہ کو باقی رکھا جائے گا اور نہ یہود کی کسی عبادت گاہ کو، اور نہ وہاں شراب اور سور کی خرید و فروخت کی جائے گی خواہ وہ شہر ہو یا دیہات یا عرب کے کسی تری کے علاقہ میں ہو۔ اور مشرکین کو سرزمین عرب کو مسکن اور وطن بنانے سے روکا جائے گا۔ اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ سرزمین عرب کو دوسری زمین پر فضیلت دینے کیلئے اور اس کو باطل دین سے پاک کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حکم تمام جزیرہ عرب کے لئے ہے یا اس کے کچھ علاقہ کے لئے۔ پس ہمارا (احناف کا) مذہب پہلا قول ہے۔ اور نیز یہ کہ یہ حکم تمام جزیرہ عرب کو شامل ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ دوسرے قول کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے اس حکم کو حجاز کے ساتھ خاص کیا، پھر انہوں نے کہا: کفار کو حجاز کا بار بار سفر کرنے سے نہیں روکا جائے گا اور ان کو اس میں تین دن سے زیادہ اقامت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اور صاحب درمختار و صاحب ردالمحتار نے کہا: اگر وہ تجارت کے لئے داخل ہو تو جائز ہے لیکن وہ طویل قیام نہیں کرسکتا، پس اس کو وہاں اس قدر طویل قیام سے روکا جائے گا کہ وہاں کوئی رہائش گاہ بنالے کیونکہ جزیہ کے لزوم کے ساتھ عرب کی زمین پر قیام کرنے میں ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے بلا جزیہ غیر عرب کی زمین پر ان کا قیام کرنا ہے۔ وہاں ان کو تجارت سے نہیں روکا جائے گا، صرف طویل قیام سے روکا جائے گا۔ پس یہی حکم سرزمین عرب کا ہے (شرح سیر) اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ طویل قیام کی حد ایک سال ہے۔ تم غور کرو؟۔

اب رہا کافر کا مکہ مکرمہ اور اس کے حرم میں داخل ہونا تو وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس جائز نہیں ہے اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کے مسجد حرام میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَالْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا''. ''بلاشبہ مشرک ناپاک ہے، پس اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس آنے نہ پائیں'' (9، سورۂ توبہ، آیت نمبر:28) ان کے پاس قریب نہ ہونے سے مراد داخل نہ ہونا ہے، آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ان کو خاص طور پر مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا جائے گا اور امام مالک رحمہ اللہ اس کو جس طرح مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے دیگر مساجد میں بھی داخل ہونے سے اس کو روکتے ہیں اور ہمارے پاس قریب نہ ہونے سے مراد حج اور عمرہ کے لئے قریب نہ ہونا ہے۔ یعنی وہ حج اور عمرہ کی خاطر مسجد حرام میں داخل نہ ہوں اور انہیں اس میں اور دیگر مساجد میں مطلق داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا'' اس سال کے بعد۔ یہ ہماری تائید کرتا ہے، کیونکہ دخول کے ساتھ اس سال کے بعد کی قید لگی ہوئی ہے، اس لئے مطلق دخول سے روکنا مناسب نہیں ہے۔ ......

کے کسی کو نہیں رکھوں گا۔

2/5385 ۔ اور ایک روایت میں ہے بخدا اگر میں رہوں تو انشاء اللہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا۔

3/5386 ۔ اور احمد نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے سب سے آخری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی (وہ یہ ہے): اہل حجاز کے یہود کو اور اہل نجران کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ 2ۓ

...... برخلاف حج اور عمرہ کے، اس سے ان کو روکا جائے گا کیونکہ وہ ایک سال کے بعد ہی ہوتا ہے گویا اس طرح کہا گیا کہ دوسری مرتبہ وحج نہ کرسکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: " وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ " . "اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے تو عنقریب تم کو اپنے فضل سے بے نیاز کردے گا"۔ یہ بھی ہماری تائید کرتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں فقر وفاقہ کا اندیشہ اس وجہ سے ہو کہ کفار جوق در جوق حج کے لئے مسجد حرام آتے تھے، اور وہاں تجارت کرتے تھے، اگر ہم ان کو روک دیں تو ضرور تجارت کا عمل فوت ہوجائے گا جبکہ وہ ہماری بقاء کا سبب ہے اور ہم فقر وفاقہ کی وجہ سے کمزور پڑ جائیں گے تو تم اس کا اندیشہ نہ کرو، کیونکہ اللہ چاہے گا تو عنقریب اپنے فضل سے مال غنیمت، بارش، نبات او زمانہ اسلام کے حج کے سامان تجارت وغیرہ کے ذریعہ تم کو بے نیاز کردے گا، لہٰذا صرف حج اور عمرہ کے لئے داخل ہونے سے روکنے کے معنی ہی مناسب ہے، کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ اگر اس میں صرف داخل ہونے سے روکنا مراد ہوتا تو وہ اس سے فقر کا اندیشہ نہ کرتے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مسجد حرام میں داخل نہ ہوں اور شہر مکہ مکرمہ میں تجارت میں مشغول ہوں اور وہ ان کی بقا کا سبب ہو۔ انتہی۔

اور تفسیر مدارک میں: "فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" . "پس اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں" اس سال کے بعد نہ حج کریں اور نہ عمرہ جیسا کہ وہ دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے اور وہ سال 9ھ کا ہے، جس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج بنائے گئے تھے اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان کو حرم اور مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا اور امام شافعیؒ کے پاس خاص طور پر مسجد حرام میں داخل ہونے سے ان کو روکا جائے گا، اور امام مالک رحمہ اللہ کے پاس اس میں اور دیگر مساجد میں بھی داخل ہونے سے ان کو روکا جائے گا۔

(ماخوذ از: بذل المجہود، مرقاۃ، عرف شذی، درمختار، ردالمحتار، تفسیرات احمدیہ)۔

2ۓ (۱) قوله : اخرجوا يهود اهل الحجاز واهل نجران من جزيرة العرب. "اہل حجاز کے یہود اور اہل نجران کو جزیرہ عرب سے نکال دو" کہا گیا ہے کہ: امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جو مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ الخ۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کو حجاز سے نکال دیا تو ان میں کے بعض ملک شام چلے گئے اور بعض کوفہ میں بس گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ......

...... نے ایک جماعت کو نکال دیا تو وہ خیبر میں چلے گئے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ جزیرۂ عرب سے مراد صرف حجاز ہی ہو۔ اور اس استدلال کے چند جوابات دیئے گئے ہیں۔

(1) منجملہ ان کے ایک جواب یہ ہے کہ اگر چہ کہ جزیرہ عرب کو حجاز پر محمول کرنا ہے کُل کا جز پر اطلاق کے طور سے مجازاً درست ہے۔ مگر وہ اپنے عکس سے یعنی حجاز کہہ کر جزیرۃ العرب مراد لینے کی صورت میں یا تو اس کے معارض ہوگا کیونکہ وہ جزیرۃ العرب سمندروں سے گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے جیسا کہ وہ گھرا ہوا ہے پانچ سیاہ پتھریلی زمینوں سے اور یا تو جز کا کُل پر اطلاق کر کے مجازاً حجاز سے جزیرۃ العرب مراد لیا جائے گا۔ پس دونوں مجازوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور ان کے پاس کسی مجاز کے لئے سوائے دعویٰ کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

(2) اور ایک جواب یہ ہے کہ جزیرہ عرب کی حدیث میں جو اضافہ مروی ہے وہ حدیث کے کسی حکم کو بھی نہیں بدلتا اور ایسی زیادتی مقبول ہے۔

(3) اور ایک جواب یہ ہے کہ غیر حجاز میں ان کو رکھنے کے لئے علت کا استنباط یہ ثبوت حکم کی فرع یعنی ان کو برقرار رکھنے کی مصلحت ہے، کیونکہ فرع کی علت اصل کا حکم ثابت ہونے کے بعد اصل ہی کے حکم سے اخذ کی جاتی ہے اور یہاں دلیل تقریر (برقرار رکھنے) کی نفی ہی کو بتا رہی ہے، نہ کہ اس کے ثبوت کو کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان اور کافر دونوں کی آگ ایک ساتھ نہیں دیکھی جاسکتی اور ایک حدیث میں ہے کہ جزیرۃ العرب میں دو دین نہیں ہوسکتے اور اس جیسی دوسری احادیث شریفہ۔

پس یہ استنباط ایسی نص کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جس میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اس میں علت دو دینوں کے اکٹھا ہونے کی کراہت ہے۔ پس اگر ہم یہ مان لیں کہ نص ان کو حجاز سے نکالنے کے لئے وارد ہوئی ہے تو ضرور بقیہ جزیرۃ العرب کو اس علت کی وجہ سے اس کے ساتھ شامل کرنا متعین ہوگا۔ اب جبکہ نص صحیح میں ان کو جزیرہ عرب سے نکالنے کی صراحت موجود ہے، تو پھر ان کی بات کیسے صحیح ہوگی۔ و نیز ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا خلاصہ جس میں لفظ ''اہل حجاز'' کی صراحت ہے موجود ہے، اس کا مفہوم حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے واضح الفاظ کے معارض ہے جس میں جزیرۃ العرب کے لفظ کی صراحت ہے۔ موجود ہے اور کوئی مفہوم کسی حدیث کے واضح الفاظ کے ساتھ معارضہ کی قوت نہیں رکھتا، تو اس کو اس پر ترجیح کیسے دی جاسکے گی۔ اگر تم یہ کہو کہ لفظ ''جزیرۃ العرب'' جو اپنے اجزاء ہونے کی وجہ سے عام کے درجہ میں ہے، کیا تخصیص بالمفہوم کو جائز قرار دینے والوں کے پاس لفظ ''حجاز'' کے ذریعہ اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے؟ تو میں کہوں گا کہ یہ مفہومِ مخالف ہے اور محققین ائمہ اصول کے پاس اس پر عمل نہیں ہے، اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ سوائے حضرت دقاق کے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے اور سوائے ابوثور کے تمام اصولیین کے پاس یہ بات طے ہے کہ جو بات اس قبیل کی ہوتی ہے وہ ان بعض افراد پر دلالت تنصیص کے قبیل سے ہے، تخصیص کی قبیل سے نہیں ہے۔ (نیل الاوطار)۔

ہم کہتے ہیں یہ حدیث شریف جس میں حجاز سے نکال دینے کا حکم ہے اسی میں اہل نجران کو نکال دینے کا حکم ہے حالانکہ نجران حجاز سے نہیں ہے پس اگر لفظ حجاز فی نفسہ جزیرہ عرب کے لفظ کو خاص کرتا ہو یا اس بات پر دلالت کرنے والا ہو کہ جزیرہ عرب سے مراد صرف حجاز ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے تو ایسی صورت میں ضرور حدیث شریف کے بعض حصہ کو ترک کرنا اور بعض پر عمل کرنا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

4/5387 ۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین کو تم جزیرہ عرب سے نکال دو 3 اور وفد کے ساتھ سلوک میں ایسا ہی اہتمام کرو جیسے میں ان کے ساتھ کرتا تھا۔(متفق علیہ)۔

---

3 **قولہ: اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب الخ.** (مشرکین کو تم جزیرۃ العرب سے نکال دو) یعنی یہود و نصاریٰ کو۔اور وہ اہل کتاب کے مشرکین ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور اسی طرح مجوس اور دیگر مشرکین کو بھی نکالا جائے گا، یہ بات صاحب بذل المجہود نے بیان کی ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے مشکل الآثار میں کہا: اس حدیث اس حکم کا خلاف ہے جس کی روایت ہم نے اس سے پہلے اسی باب میں کی ہے تو پھر وہ کون لوگ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ عرب سے نکال دینے کا حکم دیا ہے؟ کیونکہ اس باب میں ہماری روایت کردہ سابقہ حدیث میں جن لوگوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینے کا حکم دیا گیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں، لیکن ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ لفظ ابن عُیینہ ہی کی جانب سے آیا ہے کیونکہ وہ اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے، لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے یہود و نصاریٰ کی جگہ مشرکین کا لفظ رکھ دیا ہو، اور ان کو اس قدر فقہی ملکہ نہ تھا کہ جس سے وہ دونوں لفظوں میں امتیاز کرسکیں اور اس بارے میں حقیقتِ امر سے اللہ تعالیٰ ہی بخوبی واقف ہے مگر یہ کہ ایک شخص کے مقابلہ میں تین افراد کا حافظہ زیادہ لائق اعتبار ہے لہٰذا ان تینوں نے جو لفظ یاد رکھا ہے وہ ایک آدمی کے اس لفظ سے زیادہ معتبر ہے جو تین آدمیوں کی مخالفت کرتا ہے اور ہم نے جو بات کہی ہے اس کی دلیل یہ حدیث شریف ہے: **حدثنا الربیع المرادی قال حدثنا اسد بن موسیٰ قال ثنا جریر بن عبد الحمید عن قابوس بن ابی ظبیان عن ابیہ عن ابن عباس.** ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک زمین پر دو قبلے درست نہیں ہوسکتے اور مسلمان پر کوئی جزیہ نہیں ہے، پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا "**لایصلح قبلتان بارض**". "ایک زمین پر دو قبلے درست نہیں ہوسکتے" فرمانے کے بعد "**ولیس علی مسلم جزیۃ**" ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان جس پر کوئی جزیہ نہیں ہے وہ وہی ہے جو اپنے اسلام سے پہلے جزیہ پر (پابند) تھا، اور وہ یہود و نصاریٰ ہی ہیں نہ کہ مشرکین......

علامہ ہروی نے صحیح مسلم کی شرح میں کہا: سعید بن جبیر نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تیسری بات سے سکوت اختیار کیا وہ کہے بھی ہوں تو وہ مجھ سے بھلا دی گئی۔

5/5388 ۔ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ آخری وصیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی آپ نے ارشاد فرمایا: جزیرہ عرب میں دو دین نہیں ہو سکتے۔

6/5389 ۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اس اثناء میں کہ ہم مسجد میں تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود کی طرف چلو، پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم توراۃ پڑھنے کے مقام پر آئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا: اے گروہ یہود! تم اسلام قبول کرو سلامت رہو گے، تم یہ بات جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اور بے شک میں تم کو اس سرزمین سے نکال دینا چاہتا ہوں، پس تم میں سے جو کوئی اپنے مال کے بدلہ کوئی چیز (قیمت) پاتا ہے تو اس کو فروخت کر دے۔(متفق علیہ)۔

......عرب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو کسی دین کو اختیار کرتے ہیں نہ کہ وہ لوگ جن کا کوئی دین ہی نہیں ہے اور اور یہود و نصاریٰ کا ان کا اپنا ایک دین ہے لہٰذا وہ اہل قبلہ ہیں، اور مشرکین کسی دین کے پیرو کار نہیں ہیں، لہٰذا وہ اہل قبلہ نہیں ہیں، اور اس میں ایک لطیف معنی ہے جس سے واقف ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری یونس سے روایت کردہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیت فرمائی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے وقت کی بات ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ شرک اور مشرکین کو ختم کر دیا تھا اس طرح سے کہ مشرکین اسلام قبول کر لئے تھے یا جو اسلام قبول نہیں کیے تھے وہ قتل کر دیئے گئے تھے جیسا کہ اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:" وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا" حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو (مخلوق) ہے وہ خوشی یا ناخوشی اسی کی فرمانبردار ہے"۔(3۔سورۃ آل عمران، آیت نمبر:83) اور جنہوں نے خوشی یا ناخوشی اسلام قبول کیا وہ وہی لوگ ہیں جو اسلام قبول کیے اور ان کے سوا جو لوگ ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں قتل نے فنا کر دیا۔ پس جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو کچھ وصیت فرمائی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اس وقت کوئی مشرک نہ تھا تو پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر موجود لوگوں کو نکالنے کی وصیت فرمائے ہوں، درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ان لوگوں کو نکالنے کی تھی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

7/5390 ۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، پس آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ان کے اموال پر معاملہ کیا 4 اور آپ نے ارشادفرمایا:''جب تک تم کواللہ برقرار رکھے ہم برقرار رکھیں گے''۔اور میری رائے ان کو جلا وطن کرنے کی ہوچکی ہے پس جب عمرؓ نے اس کا تہیہ کرلیا تو آپ کے پاس قبیلہ بنی ابی الحقیق کے ایک شخص نے آکرعرض کیا:اے امیرالمومنین کیا آپ ہم کو نکال دیتے ہیں جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو برقرار رکھا اور اموال پر ہمارے ساتھ معاملہ کیے، پس عمرؓ نے کہا کیا تو سمجھتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھول گیا ہوں؟ تیرا کیا ہوگا اس وقت جب تجھ کو خیبر سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ تیری اونٹنی تجھے یکے بعد دیگر راتوں میں لیکر دوڑ رہی ہوگی، تو اس نے کہا: یہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بطور مذاق فرمایا تھا، تو آپ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہتا ہے، پس عمرؓ نے ان کو جلاوطن کردیا اور ان کو ان کے پھلوں کی قیمت، مال و دولت اور اونٹوں اور ساز وسامان جیسے کجاوے اور رسیوں وغیرہ کی شکل میں عطا فرمائی۔(بخاری)۔

---

4 قوله: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان عامل یهود خیبر الخ. ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ معاملہ کیا''۔تم یہ جان لو کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس مزارعت درست نہیں ہے اور صاحبین کے پاس ضرورت کی خاطر اور مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے چند شرائط کے ساتھ درست ہے، اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، منجملہ ان شرائط میں سے ایک شرط مدت کو بیان کرنا ہے اور کہا گیا ہے کہ ہمارے ملکوں میں مدت کو بیان کیے بغیر بھی درست ہے اور اس پر اسی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے اور صرف پہلی کاشت تک اس کی مدت رہے گی، اور اسی پر فتویٰ ہے (مجتبیٰ، بزازیہ) اور بزازیہ کی عبارت اس طرح ہے: اور امام محمد رحمہ اللہ سے بیان مدت کے بغیر اس کا جواز مروی ہے لیکن اس کی مدت سب سے پہلے نکلنے والی ایک ہی کاشت تک رہے گی، اور اسی قول کو فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔امام محمد رحمہ اللہ نے صرف کوفہ اور اس جیسے شہروں میں مدت کو بیان کرنا شرط قرار دیا کیونکہ اس کا وقت ان کے پاس مختلف ہوتا ہے اور ان کے پاس اس کی ابتدا اور انتہا بھی معلوم نہیں ہوتی ہے لیکن صاحب فتویٰ قاضی خانؒ نے اس کے بعد کہا: فتویٰ پہلے قول پر ہے اور پہلے قول کے قائل نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ وہ معاہدہ کی مدت کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا عزم کیے ہوئے تھے اور کہا گیا کہ یہ ابتداء اسلام میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کے بطور جائز تھا۔صاحب شرنبلالیہ نے کہا: پس یہ حدیث قول مفتی بہ کے معارض ہے اور فریقین کے تمام دلائل بڑی کتابوں میں شرح وبسط کیساتھ مذکور ہیں۔(ملخص از درمختار، ردالمحتار، مرقاۃ)۔

(11/189)بَابُ الْفَیْ 1

فئی کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

''وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

---

1 قولہ: الفئی. جان لو کہ مسلمانوں کے بیت المال چار قسم کے ہیں، ہر بیت المال کا ایک خزانہ اور اس کا ایک مصرف ہے۔

(1) پہلی قسم مال فئی ہے، یعنی زمین کا محصول، جزیہ، قبیلہ تغلب سے لیا ہوا مال، اور حربیوں کا امام کو دیا ہوا ہدیہ اور وہ (مال ومتاع) جسے حربیوں سے ہم بغیر لڑائی کے حاصل کر لیں اور سی قسم سے وہ مال ہے جس کو عاشر حربیوں اور ذمیوں سے وصول کرتا ہے، جبکہ وہ اس کے پاس سے گزرتے ہیں اور اہل نجران کا مال اور وہ مال جس پر اسلامی لشکر کے حربیوں کے علاقہ میں پہنچنے سے پہلے ان سے جنگ نہ کرنے پر صلح کر لی جائے۔ ان سب میں ہمارے (احناف کے) پاس کوئی خمس نہیں ہے، یہ سارے اموال مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کیے جائیں گے، مثلاً سرحدوں کو بند کرنا یعنی فوج کے ذریعہ ان کی حفاظت کرنا اور ہتھیار فراہم کرنا اور جمع کرنا، عمارتوں اور پُلوں کی تعمیر کرنا، قاضیوں کے روز ینے، صدقات وصول کرنے والے کارکنوں کے اور ساحلوں پر متعین دیدبانوں (نگرانی کرنے والوں کے روز ینے مقرر کرنا، اور اسی طرح تفسیر، حدیث، فقہ و دیگر علوم شرعیہ کے علماء اور جنگجوؤں کے روز ینے مقرر کرنا و نیز ان سب کی اولاد کو نفقہ دینا، اس لئے کہ اولاد کا نفقہ آباء پر واجب ہے کیونکہ اگر ان کو ان کا گزارہ نہ دیا جائے تو ان کو کسب معاش کی ضرورت ہوگی۔ ''بلا قتال'' (لڑائی کے بغیر) کی قید اس لئے لگائی گئی کہ ان کا جو مال لڑائی کے ذریعہ حاصل ہو اس کا خمس نکال کر اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ ''کسد الثغور'' میں کاف جو تمثیل کے لئے ہے اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ (مال فئی کی) یہ قسم دیگر رفاہی امور کے لئے بھی صرف کی جاسکتی ہے، جیسے چوپایوں اور ہتھیاروں کی فراہمی، مساجد اور سرایوں کی تعمیر، دشمن (کے مقابلہ) کے لئے تیاری کرنا، عوام الناس کے لئے نہریں کھودنا اور ان کی مرمت کرنا، اور مساجد کے شعائر کو قائم کرنے میں یعنی امامت اور موذنی وغیرہ کے لئے صرف کرنا۔

(2) بیت المال کی دوسری قسم زکوٰۃ اور عشر ہے، ان کا مصرف وہی لوگ ہیں جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس کا بیان کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔

(3) اور تیسری قسم اموال غنیمت ہیں اور کانوں اور دفینوں کا پانچواں حصہ ہے، ان کا مصرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول'' فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ ......'' الآیۃ. میں بیان فرمایا اور اس کا ذکر کتاب السیر میں گزر چکا ہے۔

(4) اور چوتھی قسم وہ لقطہ (زمین پر گرا پڑا مال ومتاع) اور ترکہ ہے جن کا کوئی وارث نہ ہو اور ایسے مقتول کی دیت ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو اور ان کا مصرف لقطہ کو اٹھانے والا تنگدست آدمی اور ایسے لاچار لوگ ہیں جن کے اولیاء......

يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ".

''اور جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو اس کیلئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس کسی پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ (59۔سورۃ الحشر، آیت نمبر:6)

1/5391۔عدی بن عدی کندی کے فرزند سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فئی کے مصارف کے متعلق اس سے پوچھنے والے شخص کو لکھا کہ وہ وہی ہیں جن کا فیصلہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا تو مسلمانوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''**جَعَلَ اللّٰهُ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِهٖ**''. کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان ودل پر حق کو جاری فرما دیا ہے'' کے موافق بالکل متوازن سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے عطیات مقرر کیے اور غیر مسلموں پر جزیہ عائد کر کے ان کے لئے امان کا معاہدہ کیے (اور) اس کا خمس نہیں نکالے [2] اور نہ اس کو مال غنیمت قرار دیئے۔ اس

...... نہ ہوں، ان کو اس (قسم) میں سے ان کی روزی روٹی اور دوا ڈوری کا خرچ دیا جائے گا، ان کے اموات کو کفنایا جائے گا اور ان کے جنایات (جرائم) کا تاوان ادا کیا جائے گا۔

اور امام پر لازم ہے کہ وہ ان (چاروں قسموں میں سے ہر ایک قسم کا ایک علیحدہ مخصوص بیت المال قائم کرے اور ایک قسم کو دوسری کے ساتھ خلط ملط نہ کرے۔ پس اگر ان میں سے کسی قسم (کے بیت المال) میں کچھ بھی مال نہ ہو تو اس کے لئے دوسری قسم سے قرض لے کر مستحقین میں صرف کرنا جائز ہے، پھر جب اس قسم میں کچھ مال آجائے تو اس کو اس قسم میں واپس ڈال دے جس میں سے قرض لیا گیا تھا البتہ خراج کے مستحقین یعنی فقراء پر صرف کیا ہوا مال اگر صدقات یا مال غنیمت کے خُمس میں کا ہو تو ان میں کچھ بھی واپس نہ ڈالے، اس لئے کہ یہ لوگ صدقات کے مستحق ہیں اور دیگر قسموں کا یہی حکم ہے جب وہ ان کے مستحقین پر صرف کرے اور امام پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ہر مستحق پر اس کی بقدر ضرورت بغیر کسی اضافہ کے صرف کرے۔ پس اگر وہ کسی بھی چیز میں کوتاہی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب لینے والا ہے۔ (تلخیص از شروح کنز)۔

[2] قوله: لم يضرب فيها بخمس. ''اس کا خمس نہیں نکالے''۔ صاحب رحمۃ الامہ نے کہا: مال فئی وہ ہے جو کسی مشرک سے اس کے کفر کی بنا پر بغیر لڑائی کے لیا جائے، جیسے اشخاص کی حفاظت پر لیا جانے والا جزیہ، خراج کے نام پر وصول کیا جانے والا زمین کا محصول، وہ مال جس کو کفار خوف سے چھوڑ کر بھاگ جائیں، ارتداد کی بناء پر قتل کیے جانے والے مرتد کا مال، لاوارث مرنے والے کافر کا مال اور مسلمانوں کے ملک میں کفار کی آمد ورفت کے وقت ان سے لیا جانے والا عشر (مال کا دسواں حصہ) یا وہ مال جس پر ان سے مصالحت کر لی جائے، اب رہا یہ کہ کیا ان اموال کا خمس......

روایت کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن کے کتاب الخراج (زمین کے محصول کا بیان) میں ذکر کیا ہے۔

2/5392 ۔روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ وصول فرمایا 3 اور اسی طرح عمرؓ و معاذؓ نے وصول کیا اور بیت المال میں رکھا گیا اور خمس نکالا نہیں گیا۔ (ہدایہ)۔

3/5393 ۔عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: بنونضیر کے اموال منجملہ اس مال فئی کے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا کیا اور جن کے لئے مسلمان گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھے 4 جس سے آپ صلی اللہ

……نکالا جائے یا نہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے اپنے صریح قول میں فرمایا ہے کہ یہ مال تمام مسلمانوں کا ہے لہٰذا اس کا خمس (پانچواں حصہ) نہیں نکالا جائے گا، بلکہ کل مال مسلمانوں کی مصلحتوں (فلاح و بہبود) کے لئے خاص ہوگا۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں: یہ سب وہ فئی ہے جس کی تقسیم نہیں کی جاتی اور اس امام اس میں سے بقدر ضرورت لینے کے بعد مصالح المسلمین میں صرف کرے گا، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا اس کا خمس نکالا جائے گا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو کیا کیا جائے؟ اس بارے میں ان کے دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ مصالح اہل اسلام کے لئے مخصوص ہے اور دوسرا یہ ہے کہ یہ مجاہدین کے لئے ہے۔

مال فئی کی کونسی قسم کا خمس نکالا جائے گا؟ (اس بارے میں بھی امام شافعیؒ کے) دو قول ہیں:

(1) قول جدید یہ ہے کہ فئی کی تمام قسموں کا خمس نکالا جائے گا اور یہ امام احمد کا بھی ایک قول ہے۔

(2) قول قدیم یہ ہے کہ صرف اس مال کا خمس نکالا جائے گا جس کو کفار خوف کے مارے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔

3 **قوله: روى أن النبی صلى الله علیه وسلم أخذ الجزية ...... الخ.** ''روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ وصول فرمایا، یہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کا قول ہے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے آتش پرستوں اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ وصول فرمایا اور یمن کے باشندوں پر ہر بالغ شخص پر ایک دینار مقرر فرمایا اور اس بیر میں کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ آپؐ نے اس کا خمس نکالا، بلکہ وہ عامۃ المسلمین کے لئے تھا۔ اگر وہ (خمس نکالنا) ثابت ہوتا تو سند ضعیف سے ہی کیوں نہ ہو، ضرور منقول ہوتا، جیسا کہ محدثین کی عادت کا تقاضہ ہے اور چونکہ عادت کے تقاضہ کے خلاف ہونا باطل ہے، لہٰذا اس کا (تخمیس کا) ثبوت بھی باطل ہے بلکہ حدیث شریف میں اس کے خلاف وارد ہوا ہے، جس کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ابن عدی بن عدی کندی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (فتح القدیر)۔

4 **قوله: فكانت لرسول الله صلى الله علیه وسلم خاصة...... الخ.** ''پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھے''۔ ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں تصرف کا اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منشاء کے مطابق حاصل تھا۔

علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کو ان کے سال بھر کا خرچ عطا فرماتے، پھر جو بچ جاتا اسے اللہ کے راستہ میں تیاری کے لئے ہتھیار اور چوپایوں میں لگا دیتے ۔ 5 (بخاری ومسلم)۔

4/5394 ۔ مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن عمر بن خطابؓ نے فئی کا ذکر کر کے کہا: میں اس فئی کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں 6 اور نہ ہم میں سے کوئی اس کا کسی سے زیادہ حقدار ہیں ۔مگر یہ کہ ہم سب اللہ عزوجل کی کتاب اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مراتب پر ہیں، چنانچہ کسی آدمی کی اسلام میں قدامت اور

---

5 قولہ: ثم یجعل ما بقی فی السلاح و الکراع عدۃ فی سبیل اللہ. ''پھر جو بچ جاتا اسے اللہ کے راستے میں تیاری کے لئے ہتھیار اور چوپایوں میں لگا دیتے''۔

ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں: دارالحرب کے جس مال کے لئے مسلمان لڑائی کیے بغیر گھوڑے دوڑائے ہوں، وہ مال تمام اہل اسلام کے مصالح اور خرچ کیا جائے گا، جس طرح خراج اور جزیہ کو خرچ کیا جاتا ہے، مثلاً عمارتوں اور پلوں کی تعمیر میں اور سرحدوں کو بند کرنے میں، جو کسی ایک کی ملک نہ ہوں، دریائے سیحون جیحون، فرات اور دجلہ جیسی بڑی بڑی ندیوں کی کھدوائی میں جج اور محتسبین (اوزان و پیمانہ جات کی جانچ کے لئے مقرر کردہ آدمیوں)، اساتذہ اور مجاہدین کو روزینے فراہم کرنے کے لئے اور چوروں سے راستوں کی حفاظت کے لئے خرچ کیے جائیں گے، الغرض نہ تو کل فئی کسی کا خصوصی حق ہے اور نہ ہی اس کا کچھ حصہ یعنی اس میں یا اس کے کسی حصہ میں کسی کا کوئی خاص حق نہیں ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ اموال فئی جزیہ کی طرح اور ان اراضی کی طرح ہیں جہاں کے باشندوں کو جلاوطن کر دیا گیا ہو اور ان میں ہمارے (حنفیہ کے) نزدیک کوئی خمس نہیں ہے۔

اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فئی کا خمس نہیں لیا جائے گا، جیسا کہ مال غنیمت کا خمس لیا جاتا ہے، بلکہ کُل فئی اہل اسلام کے مراتب ودرجات کے فرق کے مطابق ان کی مصالح کے لئے مختص اور ان کے پیش آنے والی مشکلات کے لئے محفوظ رہے گا۔اکثر اصحاب فتویٰ کا مذہب یہی ہے سوائے امام شافعی رحمہ اللہ کے، کیونکہ ان کی رائے یہ ہے کہ فئی کا خمس نکالا جائے گا اور اس کے (مابقی) چار حصوں میں سے مجاہدین کو دیا جائے گا اور مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔ (ماخوذ مرقاۃ)۔

6 قولہ : ما انا احق بھذا ...... الخ. ''میں اس فئی کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں'' لفظ ''احق'' میں اس بات کا اشارہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اس طرح حقدار نہ تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقدار تھے۔ان کا قول ''من کتاب اللہ عزوجل'' . ''اللہ عزوجل کی کتاب سے ثابت شدہ) ترکیب میں ''منازلنا'' کا حال ہے، یعنی جو کتاب اللہ سے ثابت ہیں، اور صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ''لیکن......

سبقت ہےاور کسی کی محنت ومشقت ہےاور کوئی آدمی عیال دار ہوتا ہےاور کوئی حاجتمند۔(ابوداؤد)۔

5/5395 ۔ان ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: منجملہ ان کے جس سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیا 7 یہ تھا کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین چیزیں

......ہم کتاب اللہ میں بیان کردہ اپنے اپنے درجوں اور مرتبوں پر ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے:"لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ" سے لے کر تین آیات۔(59۔سورۃ الحشر،آیت نمبر:8 تا 11)اور اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:"وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ...... الآيه"(9۔سورۃ التوبۃ،آیت نمبر:100) اوراس کے سوا دیگر وہ آیتیں جو مسلمانوں کے فرق مراتب کو واضح کرتی ہیں اور ان کا قول"وقسم رسول الله صلى الله عليه وسلم". ''اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے ثابت شدہ'' جر(زیر) کے ساتھ''کتاب اللہ'' پر عطف ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم سے ثابت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرکاء بدر اور اصحاب بیعت رضوان اور دیگر غزوات کے معرکوں میں شریک صحابہ کے درمیان اور کثیر العیال شخص اور دیگر اشخاص کے مابین فرق کی رعایت فرماتے تھے، جس کی طرف سیدنا عمرؓ نے اپنے قول"فالرجل و قدمه والرجل و بلاؤه والرجل عياله والرجل و حاجته". ''چنانچہ کسی آدمی کی اسلام میں قدامت وسبقت ہےاور کسی کی محنت ومشقت اور کوئی آدمی کثیر العیال ہوتا ہےاور کوئی تو حاجتمند'' سے اشارہ کیا ہے۔"فالرجل و قدمه، الخ" کا جملہ ان کے قول:"الا انا على منازلنا، الخ" کی تفسیر کے بطور ہے۔

تورپشتیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ فئی کا خمس نہیں نکالا جائے گا، دراصل وہ تمام کا تمام عامۃ المسلمین کی ملک ہے، جو انہیں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا،نفس استحقاق میں ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے، البتہ فرق ہے تو اختلاف درجات ومراتب کے مطابق صرف باہمی فضل وکمال کا ہے،اور وہ بھی یا تو ان کے استحقاق کے متعلق اللہ تعالیٰ کے صریح بیان سے ثابت ہے، مثلاً آیت میں مذکورہ لوگ خاص کران میں سے وہ حضرات مہاجرین وانصار جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول:"وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ...... الآية"(9۔سورۃ التوبۃ،آیت نمبر:100)''اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے (اسلام قبول کرنے) میں سبقت کی'' میں ہے۔یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو مقدم فرمانے اور ترجیح وفوقیت دینے کی وجہ سے ہے یا مسلمان ہونے میں سبقت کرنے کی وجہ سے یا حسن کارکردگی ومحنت کی وجہ سے یا سخت محتاجی ومفلسی کی وجہ سے یا کثیر العیال ہونے کی بناء پر ہے۔

(ماخوذ از:مرقاۃ)۔

7 **قوله: كان فيما احتج به عمر رضى الله عنه ، الخ.** ''منجملہ ان کے جس سے عمر رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا''،یعنی انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اس سے اس بات پر استدلال کیا کہ فئی میں خمس نکالا نہیں جائے گا اور صحابہ نے اس پر نکیر نہیں کی۔(مرقاۃ)

مخصوص تھیں۔ بنونضیر، خیبر اور فدک جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، اب رہا اموال بنی نضیر تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات وحوادث کے لئے مخصوص تھے، اور فدک مسافروں کے لئے مخصوص تھا۔ رہے اموال خیبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تین حصے بنائے 8 : دو حصے عامۃ المسلمین کے لئے اور ایک حصہ اپنے اہل کے نفقہ کے لئے پھر اہل کے نفقہ سے جو بچ جاتا اسے تنگدست مہاجرین میں تقسیم فرمادیتے۔ (ابوداؤد)۔

6/5396۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جس وقت خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے بنی مروان کو جمع کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فدک خاص تھا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس (کے اموال) میں سے خرچ فرماتے اوراس سے بنی ہاشم کے بچوں کی خاطر ومدارات فرماتے اوراس سے ان کے غیر شادی شدہ کی شادی کرواتے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس (فدک) کو انہیں دے دینے کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور نہ فرمایا۔ پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی وفات تک اس کے متعلق وہی طرز عمل اپنایا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں اختیار فرمایا تھا۔ پھر جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کے متعلق ان (دونوں) کے طرز عمل کی طرح عمل کیا، یہاں تک کہ انہوں نے بھی وفات پائی۔ پھر مروان نے ان کو لے لیا۔ پھر وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ہو گیا ہے، تو میری رائے (فدک کے) اس معاملہ کے متعلق جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا

---

8 قولہ: و اما خیبر فجزأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة اجزاء، الخ. ''رہے اموال خیبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تین حصے بنائے'' شرح السنہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا کہ خیبر کی بہت ساری بستیاں تھیں، جن میں سے بعض طاقت وغلبہ سے فتح ہوئے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کے خمس کا خمس تھا اور بعض بستیاں بغیر کسی لڑائی کے اور گھوڑے اور اونٹ دوڑائے بغیر ہی صلح سے فتح ہوئے تھے، اور یہ خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی ضرورت میں اور پیش آنے والے مسائل میں نیز مسلمانوں کے مصالح میں خرچ فرماتے۔ لہٰذا تقسیم وتوازن کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکر اسلام کے درمیان سارے مال کے تین حصے بنائے جائیں۔ (مرقاۃ)۔

کو روک دیا، یہ ہے کہ مجھے کوئی حق نہیں ہے اور میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں ان اموال کو اس حالت پر لوٹا دیا ہوں، جس حالت پر وہ تھے، یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں (ابوداؤد)۔

7/5397 ۔عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب فئی (کا مال) آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اسی دن تقسیم فرمادیتے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل وعیال والے کو دو حصے فرماتے [9] اور غیر شادی شدہ کو ایک حصہ عطا فرماتے۔ چنانچہ مجھے بلایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطاء فرمائے چونکہ میرے اہل تھے۔ پھر میرے بعد عمار بن یاسر کو بلایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انہیں) ایک حصہ عطا فرمایا۔ (ابوداؤد)۔

8/5398 ۔ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلے جو بھی چیز آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو آزاد کردہ غلاموں سے شروع فرماتے۔ [10] (ابوداؤد)۔

---

[9] قولہ: فاعطی الاھل حظین، الخ. (پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم شادی شدہ کو دو حصے عطا فرماتے) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مال فئی سے مجاہدین اور ان کے بیوی بچوں کو روزینے دیئے جائیں گے۔ ''شرح درر البحار'' میں لفظ ''ذراری'' کی تفسیری بیوی اور بچوں سے کی گئی ہے۔ پس اگر ان کو ان کی بقدر ضرورت نہ دیا جائے تو وہ کسب معاش کے لئے مجبور ہوجائیں گے اور جہاد کے لئے فارغ نہ رہیں گے۔ (ماخوذ از: ہدایۃ، رد المحتار)۔

اور صاحب نیل الاوطار نے کہا: اور اس (حدیث) میں اس بات کی دلیل ہے کہ عطیہ آدمی کے زیر کفالت عورتوں وغیرہ میں سے ان افراد کے برابر ہونا چاہیے جن کا نفقہ اس پر لازم ہے، اس لئے نان نفقہ کے ضرورت مند ہونے میں غیر زوجہ بھی زوجہ کی طرح ہے۔

[10] قولہ: بدأ بالمحررین ای المعتقین. ''نئے نئے آزاد کردہ غلاموں میں سے شروع فرماتے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا اور وہ منجملہ آزاد شدہ غلاموں میں داخل رہتے تھے اور بعض شارحین نے فرمایا: یعنی مال فئی آنے کے اول وقت آپ صلی اللہ علیہ مکاتبوں کو حصہ دینے سے آغاز فرماتے۔ ابن ملکؒ نے کہا: یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد اللہ تعالی کی اطاعت کے لئے اخلاص کے ساتھ الگ تھلگ رہنے والے لوگ ہیں۔

9/5399۔ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چرمی تھیلی لائی گئی جس میں نگینے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد عورتوں اور باندیوں میں تقسیم فرمایا۔ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے والد آزاد مردوں اور غلاموں میں (بھی) تقسیم فرماتے تھے۔ [11] (ابوداؤد)۔

---

[11] **قولہ: کان ابیُ یقسم للحر والعبد.** ''میرے والد آزاد اور غلام دونوں میں تقسیم کرتے'' مطلب یہ ہے کہ آزاد اور غلام میں سے ہر ایک کو اس کی حاجت کے برابر فئی میں سے عطا کرتے، اور ظاہر بات یہ ہے کہ غلام اور باندی سے مراد آزاد شدہ یا مکاتب ہیں کیونکہ مملوک کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا اور چونکہ اس کا نفقہ اس کے مالک کے ذمہ فرض ہے بیت المال کے ذمہ نہیں۔(مرقاۃ)۔

باب الفئی ختم شد